ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن

اسلام اور مسیحیت

بجواب کتب مسیحیہ

توضیح القرآن، مسیحیت کی عالمگیری، دینِ فطرت

مصنفہ حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

نعمانی کتب خانہ



وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

اسلام اور مسیحیت

بجواب کتب مسیحیہ

توضیح القرآن، مسیحیت کی عالمگیری اور دین فطرت

مصنفہ حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

نعمانی کتب خانہ

نام کتاب ——— اِسلام اور مسیحیت

مصنف ——— شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ

طابع ——— بشیر احمد نعمانی

کمپوزر ——— رانا محمد یوسف

مطبوعہ ——— زاہد بشیر پریس لاہور

ناشر ——— نعمانی کتب خانہ



NOMANI KUTAB KHANA

HAQ STREET URDU BAZAR

LAHORE.2 PAKISTAN

TEL; 042- 7321865

فہرست مضامین

باب سوم

عرض ناشر

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان' میدان حرب میں محاذ آرائی ایک تاریخی حقیقت ہے- جو کسی نہ کسی صورت میں بدستور جاری ہے- اس آویزش میں صلیبی جنگوں کو خاص اہمیت حاصل ہے- اِسلام پر عیسائیت کی برتری ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں نے قرطاس و قلم کا استعمال اس انداز سے کیا کہ-

- O- تاریخی حقائق اور واقعات کو مسخ کر کے مسلمانوں کا کردار مجروح کیا جائے-
- O- اسلامی عقائد اور تعلیمات پر ناروا حملے کر کے اِسلام کو ناقابل عمل اور فرسودہ ظاہر کیا جائے-
- O- رسول اللہ ؐ کی ذات اقدس پر غیر مہذب اور ناشائستہ زبان میں دست درازی کر کے مسلمانوں کی توہین و تحقیر کی جائے-

اس یلغار کا مرکزی محور یہ رہا کہ اِسلام پر عیسائی مذہب کی فوقیت واضح کی جائے- حربی اور معاشی سطح پر مسلمانوں کا حوصلہ و اِعتماد پست کیا جائے' انہیں شکست خوردگی کے احساس میں جکڑا جائے- ان کا مخصوص مذہبی تشخص' شکست و ریخت سے دوچار کیا جائے- اور سیاسی مزاج مفلوج کیا جائے-

جب بھی کوئی غیر ملکی طاقت' کسی ملک میں وارد ہوتی ہے تو ہمیشہ دو مقاصد کا حصول اس کے پیش نظر رہتا ہے-

- O- معاشی منفعت اور اقتصادی مفادات
- O- مذہبی خیالات کی اِشاعت اور تشہیر

انگریز' ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی وساطت سے دخل انداز ہوئے- ابتداء میں معاشی اور کاروباری مشاغل تک محدود رہے- لیکن رفتہ رفتہ سیاسی گرفت مضبوط کرتے چلے گئے-

ہندوستان کی مذہبی صورت حال کی جانب متوجہ ہوئے تو سب سے جاندار اور

طاقتور' مد مقابل -- اِسلام -- کو پایا- ہندو دھرم' بلاشبہ' اکثریتی مذہب تھا- لیکن غیر فطری ہونے کی بناء پر بے دست و پا اور بے اثر تھا- اس کے ماننے والے بڑی تعداد میں اِسلام سے متاثر ہو کر ملت اِسلامیہ میں جذب ہوتے رہے- ابتدا انگریزوں نے اِسلام کی توسیع و اِشاعت میں تعطل پیدا کرنے کے لئے یہ تاثر عام کیا کہ یہاں اِسلام کی اِشاعت میں طاقت کا استعمال کیا گیا ہے- ورنہ اِسلام میں پنپنے کے آثار ناپید ہیں! اس تاثر کو آریہ سماجیوں نے بھی حسب ضرورت وسعت دی اور مختلف اطراف سے اِسلام پر طبع آزمائی کرتے رہے-

عیسائی مبلغین نے پہلے پہل دلائل و براہین کا ہتھیار استعمال کیا- اِسلام کو محض ایک مقامی اور محدود مذہب قرار دیا' جو عرب کے دیہاتی معاشرہ کا ساتھ تو دے سکتا ہو- لیکن متمدن اور ترقی یافتہ دور کے تقاضوں کا متحمل نہیں ہو سکتا- لیکن جب یہ ہتھیار زیادہ' کارگر دکھائی نہ دیا اور حسب دِل خواہ نتائج مہیا کرنے سے قاصر رہا تو مسلمانوں کی توہین و تذلیل' دِل پسند مشغلہ قرار پایا- یہ داستان بڑی المناک اور روح فرسا ہے- لیکن یہ صفحات اس داستان کے متحمل نہیں ہو سکتے' رفتہ رفتہ غذائی اجناس کی صورت میں ترغیب و تحریص کا حربہ اِختیار کیا گیا اور مسلمانوں کی معاشی بدحالی سے کھیلنے کی کوشش کی گئی-

اس دوران میں عیسائی مبلغین' سرکاری رسوخ اور وسائل کی معاونت سے کئی مشنری' ادارے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے-

۱۸۵۲ء کے اعداد و شمار کے مطابق متحدہ ہندوستان میں ۲۲ مشنری سوسائیٹیاں' ۳۱۳ مشنری اسٹیشن' ۴۴۳ مشنری ۳۳۱ چرچ اور ۱۸۱ کارکن سرگرم عمل تھے- اس وقت عیسائیوں کی تعداد ۱۹' ۱۲' ۱ تھی- [1] مسلمانوں کی دلآزاری میں انتہائی بے باکی اور دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا جاتا- حکومت بھی پس پشت اپنا کردار ادا کرتی رہی- مسلمان عوام' شدید طور پر خود فراموشی اور بے اِعتمادی کی کیفیت میں مبتلا ہو چکے تھے-

---

[1] The Evolution of Indo-Muslim Thoughts after 1857, L.S. May.

ان حالات میں حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی ؒ ۱۹۰۲ء ۱۳۲۰ھ کے تلامذہ نے تاریخی و علمی حقائق کے تحفظ کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو وقف کئے رکھا۔ اور ہر سہ محاذ پر مقدور بھر توانائی کے ساتھ سینہ سپر رہے۔

① - صلیبی جنگوں میں حقائق کی رُونمائی کے لئے حضرت میاں صاحب ؒ کے نامور شاگرد مولانا عبدالحلیم شرر ۱۹۲۶ء ۱۳۴۴ھ نے کئی تاریخی ناول تخلیق کئے۔ مولانا نے نہایت چابک دستی کے ساتھ سر والٹر سکاٹ کی دلازار کتاب (Talisman) کی غلط بیانیوں اور چیرہ دستیوں کا پردہ چاک کیا۔ جس سے مسلمانوں کا عزم و حوصلہ بحال کرنے میں بڑی مدد ملی اور انہیں اپنے تابناک اور شاندار ماضی سے آگاہی حاصل ہوئی اس سلسلے میں مولانا نے ملک العزیز ورجینا' فلورا فلورنڈا مقدس نازنین' فتح اندلس' فلپانا' دومتہ 'الکبری مفتوح فاتح اور تاریخ' مسیح و مسیحیت جیسی معرکتہ الارا تصانیف تحریر کیں۔ ان تاریخی ناولوں میں مسلمانوں کے روشن ماضی کی جھلک بڑے دلکش انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ عیسائیوں کی ذہنی آلودگیوں اور اخلاقی پستیوں کو بے نقاب کیا گیا۔

② - علمی محاذ پر حضرت میاں صاحب ؒ کے تلامذہ مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی ؒ ۱۹۲۰ء' ۱۳۸۱ھ مولانا ثناء اللہ امرتسری ؒ ۱۹۴۸ء' ۱۳۶۷ھ اور مولانا ابراہیم میر ۱۹۵۶ء' ۱۳۷۵ھ نے نہایت مستعدی کے ساتھ قلمی جہاد کیا۔ اور اِسلام کی حمائت و مدافعت میں گرانقدر تحریری خدمات انجام دیں۔ جس سے عیسائی یلغار دم بخود ہو کر رہ گئی۔ اور مسلمانوں کا عزم و حوصلہ پختہ تر ہوتا چلا گیا۔ مولانا بٹالوی ؒ نے اِشاعۃ السنۃ کی کئی اِشاعتوں میں نہایت مدلل اور زوردار مضامین رقم فرمائے۔ ادھر مولانا ثناء اللہ امرتسری ؒ نے آریہ سماجیوں اور قادیانیوں کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر بھی مشق سخن جاری رکھی اور "اہلحدیث" امرتسر میں کئی مقالات تحریر فرمائے۔ قاضی سلیمان منصور پوری ؒ ۱۹۳۰ء' ۱۳۴۹ھ' مولانا ابو الکلام ؒ ۱۹۵۸ء' ۱۳۷۵ھ' شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی ؒ ۱۹۶۸ء' ۱۳۸۷ھ ملک ابو المحمود ہدایت اللہ سوہدردی ؒ ۱۹۶۷ء' ۱۳۸۷ھ مولانا احمد دِین گکھڑوی ۱۹۷۳ء' ۱۳۹۳ھ مولانا نور حسین گھرجاکھی ؒ

۱۹۵۴ء' ۱۳۷۳ھ مولانا محمد اشرف سندھو' ۱۹۶۴ء' ۱۳۸۴ھ مولانا عبدالروف رحمانی جھنڈا نگری' مولانا محمد امین خادم اور جناب ایس ایم شریف قریشی (دہلی) نے حسب ضرورت مفید اور موثر رسائل و مقالات تحریر فرمائے۔

۴- اہلحدیث مناظرین نے عوام میں اِسلام کی عظمت و رفعت ثابت کرنے کیلئے عیسائی مشنریوں کو للکارا اور بر سر عام مباحثوں اور مناظروں کی دعوت دی۔ اہلحدیث مناظر اپنی علمی وسعت' حاضر جوابی اور خود اِعتمادی کی بدولت ہمیشہ غالب آتے رہے۔ یہ مناظرے مسلمانوں کا اِعتماد بحال کرنے کا اہم ذریعہ ثابت ہوئے اس میدان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری" مولانا احمد دِین گکھڑوی ۱۹۷۳ء' ۱۳۹۳ھ مولانا نور حسین گھرجاکھی ۱۹۵۴ء' ۱۳۷۳ھ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی [1] اور حافظ محمد گوندلوی مدظلہ العالی کی خدمات خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

"اہلحدیث" امرتسر میں عیسائیت کے موضوع پر مولانا امرتسری" کے بے شمار قلمی جواہر پارے بکھرے پڑے تھے۔ جو مناسب ترتیب کے ساتھ کئی کتابوں کی صورت' اِختیار کرسکتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا کی عیسائیت پر شائع شدہ تصانیف کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔

نام کتاب	سن اِشاعت	صفحات
۱ تقابل ثلاثہ	۱۹۰۴ء	۱۵۰
۲ توحید و تثلیث	۱۹۱۴ء	۴۰
۳ جوابات نصاریٰ	۱۹۳۰ء	۹۲
۴ مناظرہ الہ آباد	۱۹۳۴ء	۹۲
۵ اسلام اور مسیحیت	۱۹۴۱ء	۲۴۰
۶ تحریفات بائیبل	۱۹۴۴ء	۹۰

[1] حضرت شیخ الحدیث" کا عہد شباب مباحثوں اور مناظروں کا دور تھا۔ پادری عبدالحق صاحب کے مدمقابل رہے بعد میں مناظروں سے کنارہ کشی اِختیار فرمالی۔

الناشر جولائی 1999ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد اللہ و نستعینہ

و نصلی علی النبی و اھلہ

پہلے مجھے دیکھیے

مرزا صاحب قادیانی نے بڑی وضاحت سے اس دعوے کا اعلان کیا تھا کہ

"مسیح سے مجھے ایک خاص مناسبت ہے اور اس فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا ہے تاکہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

(رسالہ فتح اِسلام بار دوم ص ۹)

آپ نے مزید فرمایا تھا

"میرے آنے کے دو مقصد ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں اور عیسائیوں کے لئے کسر صلیب ہو اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آئے۔ دُنیا اس کو بھول جائے اور خدائے واحد کی عبادت ہو۔"

(اخبار الحکم قادیان ۱۹/ جولائی ۱۹۰۵ء ص ۱۰)

آپ نے یہ بھی کہا تھا

"میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو نہ توڑ دوں تو جھوٹا ٹھہروں گا"

(بدر ۱۹/ جولائی ۱۹۰۶ء)

ان مواعید موثوقہ پر بھروسہ کرنے والے کو اِطمینان ہو جاتا ہے یا ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی برکت سے مذہب عیسوی دُنیا سے ناپید ہو گیا ہو گا۔ مگر قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ عیسیٰ پرستوں کا نہ صرف شمار بڑھ رہا ہے بلکہ ان کی طرف سے حملے بھی آئے دِن تعداد میں زیادہ اور کیفیت میں سنگین ہو رہے ہیں۔ غضب یہ ہے کہ یہ حملہ آور حضرات مسلمانوں کی اولاد ہیں، جن کے باپ دادا اِسلام کے کلمہ گو اور فدائی تھے۔

آج ہمارے ملک پنجاب میں اِسلام کی تردید میں لکھنے والے عیسائیوں میں زیادہ شہرت یافتہ مندرجہ ذیل اصحاب ہیں۔

۱۔ پادری سلطان محمد خاں صاحب۔
۲۔ پادری برکت اللہ صاحب۔
۳۔ پادری عبدالحق صاحب
۴۔ مسٹر موسیٰ خاں ایڈیٹر "المائدہ" وغیرہ۔

اس وقت عیسائیوں کی جو کتابیں ہمارے زیر نظر ہیں اور جن کے جواب کے لئے ہم نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ "توضیح البیان فی اصول القرآن" (اس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ اِسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ (صفحات ۹۴)
۲۔ "مسیحیت کی عالمگیری" (اس کا مضمون نام ہی سے ظاہر ہے) صفحات ۲۲۲
۳۔ "دین فطرت اِسلام یا مسیحیت" (اس میں مسیحت کو مطابق فطرت اور قرآن کو مخالف فطرت دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے، صفحات ۲۴۸

ان تینوں کے جواب کے لئے ہم نے اس کتاب میں تین باب تجویز کیے ہیں۔ پہلے باب میں ہماری طرف سے مدافعت ہوگی۔ دوسرے میں تنقید اور تیسرے میں مدافعت کے علاوہ حسب ضرورت تنقید بھی ہوگی۔

مسلم اور مسیحی قارئین: سے ہمیں امید ہے کہ وہ ہر قسم کے تعصب اور جانبداری سے بالاتر ہو کر ہماری معروضات پر توجہ فرمائیں گے۔ ؎

گر نہ آید برغبت گوش کس　　　بر رسولاں بلاغ باشد وبس

ہم ان کتابوں کو دیکھ کر منتظر تھے کہ مرزا صاحب کے اتباع کی طرف سے ان کے جوابات بہت جلد شائع ہو کر پبلک کے ہاتھوں میں آجائیں گے۔ مگر مدت تک انتظار کرنے کے بعد بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑا۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آخر ہمیں یہ خیال آیا کہ مرزا صاحب کے دعوے کے مطابق مسیحی مذہب فنا ہو چکا ہے اور مسیحی لوگ مر چکے ہیں۔ اس لئے جماعت احمدیہ نے ان کو مخاطب کرنا مستحسن نہیں سمجھا ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے خیال کے مطابق ان کتابوں کے جواب پر توجہ نہیں کی۔ مگر ہم چونکہ اپنے مشاہدہ میں مسیحوں کو زندہ دیکھتے ہیں اور ان کی کتاب متعلقہ تردید اِسلام ہمارے سامنے ہیں اس لئے ہم بھی اگر خاموش رہتے تو عنداللہ اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر سمجھے جاتے۔ پس ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کے لئے جواب دینے کو قلم اٹھاتے ہیں۔ کیوں؟ ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است اگر خاموش بنشینم گناہ است

جن کتابوں کا نام اوپر بتایا گیا ہے وہ پادری برکت اللہ صاحب کی تصنیف ہیں۔ پادری صاحب نے ان کتب میں جو طریق اِختیار کیا ہے بغرض تفہیم قارئین ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

شراب کو جو لوگ برا مانتے ہیں وہ اس کے برے اثرات سے ہٹانے کے لئے جو کچھ کہا کرتے ہیں۔ اس کا خلاصہ اس رباعی میں ہے۔ ؎

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو! مفتون گردن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خون!

خود عہد شباب اک جنوں ہے اب تم کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنوں

(حالی)

اس رباعی میں شاعر نے بڑی خوبی کے ساتھ شراب نوشی سے ہٹایا ہے کیونکہ وہ اِنسان کو بے عقل کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس شراب نوش اسی بدمستی کو شراب نوشی کا مستحسن ذریعہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

مینہ برستا ہے مزے آتے ہیں میخواروں کو حق نے کیا مرتبے بخشے ہیں گنہ گاروں کو

ہاتھ گرتے کا مت پکڑ ساقی سجدہ شکر میں جانے دے گنہ گاروں کو

غور فرمایئے کہ شراب میں ایک وصف بدمستی ہے جو موجب نفرت ہے۔ یہی وصف پینے والوں کی نظر میں موجب رغبت ہے۔ ٹھیک اسی طرح مسیح کی ذات کا فوٹو (عکس) جو عیسائی مصنف پیش کرتے ہیں کہ

آپ فاعل مختار اور قادر قیوم تھے۔ بلکہ خود خدا تھے۔ آپ جو تعلیم دیتے تھے اپنے اِختیار سے دیتے تھے۔

اسی عقیدہ کی وجہ سے یہود' مسلمان اور دیگر اہل ادیان مسیحی مذہب کو نفرت سے دیکھا کرتے ہیں۔ پادری برکت اللہ صاحب نے اسی عقیدہ کو مسیحی مذہب کی برتری کا موجب لکھا ہے۔ پس ان ساری کتابوں کا لب لباب یہی ہے۔ سچ ہے۔ ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلی نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

آپ کی تصنیف میں دوسرا وصف ہم نے یہ دیکھا ہے کہ آپ طول کلامی میں لاثانی ہیں۔ مرزا غالب مرحوم نے ایک مطلب کے لئے طول کلامی کی خواہش کرتے ہوئے کہا ہے۔ ؎

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لئے

مگر پادری صاحب کی طول کلامی مرزا غالب کی خواہش سے بھی بڑھ کر ملال خاطر کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ جس کی ایک مثال درج ذیل ہے۔

"پس عالمگیر مذہب کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول ارفع اور اعلیٰ ترین ہوں۔ ان اصولوں میں یہ صفت ہو کہ دُنیا کے "سب لوگوں کی ضمیریں" ان کو مان سکیں' بالفاظ دیگر یہ اصول ایسے اعلیٰ و ارفع ہوں کہ تمام دُنیا کے لوگ بلالحاظ رنگ' نسل' قوم وغیرہ ان کو قبول کر سکیں۔ اگر کسی مذہب کی تعلیم ایسی ہے کہ صرف کسی خاص قوم یا زمانہ یا قبیلہ کے لوگوں کی نظروں میں ہی مقبول ہے لیکن دیگر اقوام یا دیگر زمانہ کے افراد اس کے اصولوں کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کر سکتے تو وہ مذہب ہرگز عالمگیر مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جو نوع اِنسانی کی ترقی کے ابتدائی منازل سے ہی متعلق ہو اور نوع اِنسانی تہذیب یافتہ ہو کر اس منزل سے آگے بڑھ گئی ہو۔ اور وہ اس کے

پیش کردہ تصور اِلٰہی پر نکتہ چینی کرسکے تو وہ مذہب عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کسی مذہب کا معبود چوری یا زناکاری کا مرتکب ہوا ہو۔ تو ایسا معبود دورِ حاضر میں ہرگز قابلِ پرستش نہیں ہو سکتا۔ ایسے معبود کی تعظیم نوعِ اِنسانی کی ترقی کی ابتدائی منازل سے متعلق ہے۔ لیکن اب نسلِ اِنسانی نے اس قدر ترقی کرلی ہے۔ کہ وہ ایسے معبود کی تکریم تو درکنار اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی۔

پس لازم ہے کہ عالمگیرمذہب کے اصول نہایت اعلیٰ' ارفع اور بلند پایہ کے ہوں۔ یہ لازمی امر ہے کہ عالمگیرمذہب خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جسکے سامنے ہر زمانہ' ملک اور قوم کی گردنیں جھک جائیں۔ عالمگیرمذہب کا تصور خدا ایسا ہونا چاہئے کہ نوعِ اِنسانی اپنی ترقی کی انتہائی منازل میں بھی اس سے بالاتر تصور [1] خیال میں لاسکے۔ اِنسانی قوتِ متخیلہ اس سے زیادہ بلند پروازی نہ کرسکے بلکہ اس تصور کو فہم میں لانے سے قاصر رہے اور چاروناچار اپنے عجز اور ناطاقتی کا اِقرار کرلے۔ ؎

اے زخیال ماہروں۔ در تو خیال کے رسد   باصفت تو عقل لاف کمال کے رسد
کنگر کبریائے تو ہست فراز لامکاں   طائر مادر آں ہوا بے پر و بال کے رسد

صرف ایسا مذہب ہی اِنسان کے سامنے بلند ترین اخلاقی نصب العین رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کوئی قوم اپنے معبود کے اوصاف کے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جس مذہب میں خدا کا تصور اعلیٰ ترین پایہ کا ہوگا اس مذہب میں اِنسان کے متعلق بھی اعلیٰ ترین قسم کی تعلیم ہوگی' حقوق اللہ اور حقوق العباد میں نہایت گہرا رشتہ ہے۔ حقوق العباد کا انحصار خدا کے تصور پر موقوف ہے۔ اگر کسی مذہب میں [2] خدا کا تصور ادنیٰ قسم کا ہے تو اس مذہب میں اِنسانوں کے باہمی سلوک کی نسبت جو تعلیم ہوگی وہ بھی نہایت ادنیٰ پایہ کی ہوگی۔ اگر کسی قوم کا معبود شرابی' چوریا زناکار ہوگا تو یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ اس مذہب کا اخلاقی نصب العین اعلیٰ قسم کا ہو۔ اس مذہب کی تعلیم میں شراب' چوری زناکاری وغیرہ اعمال حسنہ

---

[1] قارئین! پادری صاحب کے اس مقولہ کو یاد رکھئے (مجیب)

[2] قارئین! پادری صاحب کے اس مقولہ کو یاد رکھئے۔ (مجیب)

شمار کیے جائیں گے۔ لیکن اگر کسی مذہب میں خدا کا تصور اعلیٰ ترین پایہ کا ہو گا۔ تو اس کا اخلاقی نصب العین اعلیٰ پایہ کا ہو گا' عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف اس میں خدا کا تصور ہی ایسا ہو۔ جس کے سامنے ہر زمانہ قوم اور ملک کے افراد کی گردنیں جھک جائیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے' کہ اس کا اخلاقی نصب العین ایسا ہو کہ بنی نوع اِنسان اپنی ترقی کی دوڑ میں اس سے آگے نہ گزر سکے۔ بلکہ جوں جوں اِنسان ترقی کرتا جائے۔ یہ نصب العین افق کی طرف اس کی نظر کے آگے آگے چلتا جائے یا جس طرح کوئی شخص ایک پہاڑی کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے آگے بلندی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ایک اور پہاڑی کی بلندی نظر آجاتی ہے۔ اسی طرح جب نوع اِنسان اخلاقی ترقی کے زینہ کی ایک بلندی کو حاصل کر لے تو وہاں بھی اس کو اخلاقی نصب العین کی بلندی نظر آئے جو راہنما کا فرض ادا کرے۔ عالمگیر مذہب کا اخلاقی نصب العین ایسا بلند اور ارفع ہونا چاہئے کہ نوع اِنسانی میں اپنی ترقی کی مختلف منازل میں جس اوج پر بھی پہنچے اس کی رفعت اور بلندی کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکے۔ پس عالمگیر مذہب کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ذات اِلٰہی کی نسبت ایسی تعلیم ہو جس کے سامنے ہر ملک قوم' نسل اور زمانہ کے سر تسلیم خم ہو جائیں اور اس مذہب کا اخلاقی نصب العین ایسا اعلیٰ اور بلند پایہ کا ہو کہ نوع اِنسانی اپنی ترقی کے اعلیٰ زینہ پر بھی اس کو پیش نظر رکھ سکے اور وہ اس کا دائمی راہنما ہو سکے۔

عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں:

اس پہلی شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں [1] کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں۔ جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک قوم' زمانہ اور نسل کے لوگوں پر حاوی ہو سکیں۔ وہ مذہب صرف ایک قوم یا ملک یا زمانہ یا پشت کے لوگوں کے لئے ہی مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے اصول کا اطلاق کسی دوسری قوم یا پشت کے لوگوں پر نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ دونوں قوموں اور پشتوں کے حالات یکساں نہیں ہوتے اور جو مذہب صرف ایک قسم کے حالات کے لئے

[1] دور!(مجیب)

مفید ہے- وہ دوسری قسم کے حالات کے لئے مفید نہیں ہوتا- بعض مذاہب ایسے ہیں جو گذشتہ زمانہ میں خاص حالات کے ماتحت نہایت کامیاب ثابت ہوئے- لیکن جب وہ حالات بدل گئے اور زمانہ نے پلٹا کھایا تو وہ مذاہب نئے حالات اور خیالات کے سامنے قائم نہ رہ سکے- پس مابعد کے زمانہ اور پشت کے لئے وہ مذاہب کسی کام کے نہ رہے- جس طرح پرانے سالوں کی جنتریاں بے کار ہوتی ہیں- بقول شخصے ع

کہ تقویم پارینہ نہ آید بکار ❶

اسی طرح یہ مذاہب بھی بے سود ہو جاتے ہیں اور پرانے زمانہ کی داستانوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے- دور حاضر کے لئے ان کا وجود اگر ضرر رساں نہیں ہوتا تو کم از کم عدم وجود کے برابر ہوتا ہے-

پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول ایسے ہوں جو یہ صلاحیت رکھتے ہوں- کہ ہر ملک' قوم' نسل' اور زمانہ پر حاوی ہو سکیں' کسی ملک یا قوم یا زمانہ کے لئے اس مذہب کے اصول دقیانوسی' بوسیدہ یا فرسودہ خیال نہ کیے جائیں- مثلاً اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو درجہ بندی یا ذات پات یا مناقشت جنگ و جدل' عداوت وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے- تو یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایک ملک و قوم کے خاص حالات کے اندر کسی خاص زمانہ میں کامیاب ثابت ہوا ہو- لیکن ایسا مذہب دیگر قوموں' نسلوں اور زمانوں کے لئے ہرگز راہنما کا کام نہیں دے سکتا- یا اگر کوئی مذہب ایسا ہے- جس میں بچوں' عورتوں غلاموں' مظلوموں وغیرہ سے بدسلوکی روا رکھی گئی ہے تو ایسے مذہب کے اصول کسی خاص پشت یا زمانہ یا ملک پر ہی حاوی ہو سکتے ہیں- ان میں یہ اہلیت ہرگز نہیں کہ اقوام عالم اور کل دُنیا کے ممالک دازمنہ پر حاوی ہوں' کوئی مذہب عالمگیر نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے اصول اپنے اندر اقوام و ممالک پر حاوی ہونے کی صلاحیت نہ رکھیں-

۲- پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف زمانہ ماضی کے لئے کسی خاص قوم یا پشت یا ملک یا زمانہ کے صحیح رہبر رہ چکے ہوں- بلکہ یہ بھی ضروری امر ہے کہ ان

---

❶ گذشتہ تواریخ دیکھنے کو کار آمد ہوتی ہیں (مجیب)

اصولوں کا اطلاق دور حاضرہ کے تمام ممالک و قبائل و اقوام پر ہو سکے۔ موجودہ صدی میں اور گذشتہ صدی میں جو تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ وہ سب پر عیاں ہیں اور ارباب دانش سے یہ مخفی نہیں کہ موجودہ پشت مذہب کے اصول کو اس نکتہ نظر سے نہیں دیکھتی جس سے اسکے آباؤ اجداد دیکھتے تھے۔ عالمگیر[1] مذہب کے لئے لازم ہے۔

کہ اس کے اصول دور حاضرہ کے لوگوں کی اس طرح کامیابی کی ساتھ راہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس طرح کسی گذشتہ پشت کے لوگوں کی راہنمائی کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اگر ان اصولوں میں یہ اہلیت موجود نہیں تو وہ اصول عالمگیر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ پس اگر کوئی مذہب عالمگیر ہونے کا اس بنا پر دعویٰ کرے کہ کسی گذشتہ زمانہ میں وہ کسی ملک یا قوم کے مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں کامیاب رہا ہے۔ لیکن دور حاضرہ پر اپنے اصول کا اطلاق نہ کر سکے' تو اس مذہب کا دعویٰ "پدرم سلطان بود" سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا کوئی مذہب محض اپنی قدامت کی وجہ سے یا کوئی دھرم محض سناتنی ہونے کی بنا پر عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے قدیم یا سناتنی اصول دور حاضرہ کے تمام ممالک و اقوام کے مختلف مسائل کو کامیابی کے ساتھ حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

۳۔ عالمگیر مذہب کے لئے یہ لازم ہے کہ نہ صرف اس کے اصول زمانہ گذشتہ اور دور حاضرہ کے ممالک و اقوام کے راہنما ہو سکیں۔ بلکہ مستقبل زمانہ کے تمام ممالک و اقوام و ازمنہ کے لئے بھی وہ مشعل ہدایت ہو سکیں۔ یہ اشد ضروری امر ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف نوع اِنسانی کی گذشتہ دوڑ میں کام آئے ہوں یا موجودہ ترقی کی منزلوں میں کام آسکتے ہوں۔ بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کہ آئندہ زمانہ میں بھی جوں جوں نسل اِنسانی ترقی کرتی جائے یہ اصول اس کی ترقی کی راہ کو اپنے نور سے روشن کرتے جائیں تاکہ نسل اِنسانی روز بروز ترقی پذیر ہو کر کامل ہوتی جائے۔ اور خالق کے

[1] قارئین! پادری صاحب کی طول کلامی سے گھبرائیے نہیں بلکہ دیکھتے جائیے (مجیب)

اس ارادہ کو پورا کرسکے۔ جس کے واسطے خدا نے اِنسان کو پیدا کیا ہے۔ اِنسان کا خلق ہونا اور نوع اِنسانی کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ ازل سے خدا نے کسی خاص مقصد کو مد نظر رکھ کر اِنسان کو پیدا کیا تھا۔ عالمگیر مذہب کا یہ کام ہے کہ اس منشائے اِلٰہی کو پورا کرے اور نوع اِنسانی کو اس کی ترقی کی مختلف منازل میں ایسی شاہراہ پر چلائے۔ جس پر چل کر وہ خدا کے ازلی مقصد کو پورا کرے۔ پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب نہ صرف نوع اِنسانی کے ابتدائی مرحلوں میں اس کا ساتھ دے اور زمانہ گذشتہ میں اس کا صحیح رہنما رہا ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دورہ حاضرہ میں اور آئندہ زمانوں میں بھی کل اِنسان اس مذہب کے ذریعہ اپنی نوع کی ترقی کی آخری منزلوں کو طے کرکے خدا کے ازلی ارادہ کو پورا کرسکیں۔ اگر کوئی مذہب نوع اِنسانی کے تمام منزلوں میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تو وہ مذہب یقیناً عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بالفاظ دیگر جو مذہب زمانہ ماضی میں ہی نوع اِنسانی کے کام آیا ہو یا صرف دور حاضرہ کے سیاسی یا معاشرتی مسائل کو عارضی طور پر ہی حل کرسکے۔ لیکن زمانہ مستقبل میں نوع اِنسانی کی ترقی کی آخری منزلوں میں اس کا ہادی اور راہ نمانہ ہوسکے وہ مذہب کسی صورت میں عالمگیری مذہب نہیں ہو سکتا۔ ایسا مذہب تاریخ کے صفحوں میں اپنے لئے جگہ حاصل کرلے گا۔ کیونکہ نوع اِنسانی کی تاریخ میں وہ کسی زمانہ میں اِنسان کے کام آیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ آئندہ زمانہ میں اِنسان کا ساتھ نہیں دے سکتا کوئی ایسا زمانہ آئے گا جب وہ زندہ مذہب نہیں رہے گا۔ بلکہ مردہ زمانہ کے ساتھ ہی وہ مذہب بھی مردہ ہو جائے گا۔ عالمگیر مذہب وہ ہے جس پر نوع اِنسانی کی بقا کا انحصار ہو اور آئندہ زمانہ میں بھی اس پر بنی نوع اِنسان کا دارومدار ہو تاکہ کل ممالک واقوام کی آئندہ نسلیں اس کی راہنمائی کے ماتحت اپنی ہستی کے تمام مراحل کو طے کرکے منشائے اِلٰہی کو پورا کرسکیں۔"

(مسیحیت کی عالمگیری ص۹ تا۱۶)

مجیب: قارئین کرام! عبارت مرقومہ کو بغور ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر حشو زوائد سے پر ہے۔ سارا مضمون چند سطروں کا ہے۔ جس کے لئے انہوں نے اپنی کتاب کے

قریباً آٹھ صفحے پر کیے ہیں باوجودیکہ ہم نے منقولہ عبارت سے کچھ حذف بھی کر دیا ہے تاہم یہ اتنی لمبی ہے کہ ملال خاطر کی موجب ہو رہی ہے۔

پادری صاحب کی مثال: انجیل یوحنا کے اخیر میں لکھا ہے کہ

اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے ہیں اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دُنیا میں گنجائش نہ ہوتی'

(یوحنا آخری فقرات)

ہم نے جب کبھی اس عبارت کو پڑھا اس کا مطلب ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ ہم یہ بھی نہ کہہ سکتے تھے کہ یہ شاعرانہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ ایسے مبالغے شاعر لوگ کیا کرتے ہیں۔ مرزا غالب مرحوم کہتے ہیں۔ ؎

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اس کی سیل گریہ میں گردوں کف سیلاب تھا

لیکن ہم یوحنا کی عبارت مذکورہ کو مبالغہ پر محمول نہ کر سکتے تھے کیونکہ الہامی نوشتوں میں ایسے مبالغے نہیں ہوا کرتے۔ پادری برکت اللہ کی تصنیفات دیکھ کر ہمارا استعجاب دور ہو گیا۔ ہم سمجھ گئے کہ مقدس یوحنا کے زمانہ میں بھی موصوف جیسے لوگ ہوں گے۔ جو اگر حضرت مسیح کی عمر کے چند سالہ واقعات لکھنے بیٹھتے تو واقعی اس قدر زیادہ تعداد میں کتابیں لکھی جاتیں کہ بقول مقدس یوحنا روئے زمین پر نہ سما سکتیں۔ سچ ہے ؎

ملے تو حشر میں لے لوں زباں ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لئے

نوٹ: پادری صاحب موصوف کی تصنیفات میں ہم نے جس بات کی کمی دیکھی ہے وہ قوت استدلالیہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ قوت اگر کسی میں ہو بھی ایسے بدیہی البطلان دعویٰ' والوہیت اِنسان' کو کہاں تک ثابت کر سکتا ہے' دو اور دو کو پانچ ثابت کرنے کے لئے قوت استدلالیہ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں شاعرانہ طریق پر کوئی شخص اپنا خیال ظاہر کر دے تو الگ بات ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ

حکمائے یونان اور متکلمین اِسلام میں جزء لاتیجزی [1] کی تقسیم پر بڑی بسیط بحثیں

ہوئیں ہر ایک فریق نے اپنا اپنا زور دکھایا۔ مگر ایک شاعر نے آسانی سے جزو لا تیجزی کو تقسیم کر کے دکھا دیا چنانچہ وہ کہتا ہے۔

تقسیم جزء لا تیجزی کی ہوگئی
سہواً سخن جوان کے دہن سے نکل گیا

ہندوستان میں پادری فنڈر سے لے کر آج تک جتنے عیسائی مصنفین گزرے ہیں کم و بیش سب کی تصنیفات ہم نے دیکھی ہیں۔ مگر جو طریقہ تصنیف پادری برکت اللہ صاحب نے اختیار کیا ہے وہ کسی اور پادری کی تصنیف میں نہیں ملتا۔ حالانکہ مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے وہ بھی غلطی پر ہیں۔ پادری صفدر علی ہوں یا مسٹر اکبر مسیح' پادری فنڈر ہوں یا پادری عماد الدین وغیرہ یہ سب اپنے اپنے طریق پر لکھنے والے تھے۔ مگر پادری برکت اللہ کا طرز تحریر ان سب سے نرالا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے الفاظ بامعنی ہوتے تھے مگر ان کے الفاظ کے معانی کھوج لگانے سے بھی نہیں ملتے۔ سچ ہے۔

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانہ میں دستور دیکھا

خادم دین اللہ

ابو الوفاء ثناء اللہ کفا اللہ امرت سری

صفر ۱۳۶۰ھ مارچ ۱۹۴۱ء

---

(1) متکلمین کا مذہب ہے کہ پیدائش عالم اجزائے لا یتجزیٰ سے ہوئی ہے۔ جزء لا یتجزیٰ اس چھوٹی سی چیز کو کہتے ہیں جو کٹ نہ سکے حکمائے یونان اس کے وجود سے انکاری ہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ ان دونوں گروہوں میں متنازعہ ہے۔

تمہید

پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی تصنیفات میں بہت سی باتوں کا اخفا کیا ہے۔ جو بحیثیت اہل مذہب ہونے کے ان کو زیبا نہ تھا۔ دنیاوی عدالتوں میں فریقین کے اس فعل کو مستحسن سمجھا جاتا ہے مگر مذہبی مناظرات میں جو خدا کی عدالت میں پیش ہوتے ہیں۔ واقعات صحیحہ کا اخفا کسی طرح جائز نہیں۔ اسی بنیادی پتھر کی طرف راہنمائی کرنے کو خدا نے ہدایت فرمائی ہے۔ "وَلاَ تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلاَّ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" (پ۲۱:ع۱)

اہل کتاب کے ساتھ بہترین طریق سے مناظرہ کیا کرو۔

اخفائے حق اور واقعات کو چھپانا کوئی احسن طریق نہیں ہے۔ پادری صاحب نے جن جن واقعات کو چھپایا ہے۔ موقع بموقع ہم ان کو ظاہر کرتے جائیں گے۔ یہاں بطور تمہید ایک امر کا اظہار کرتے ہیں۔ جو یہ ہے کہ۔

موسوی شریعت عیسائی مذہب میں واجب العمل ہے۔ اس کے علاوہ عیسائی مذہب میں شرائع کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ حضرت مسیح کا قول انجیل میں مرقوم ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے' پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا"۔ (متی باب ۵ فقرہ ۱۷ تا ۱۹)

مجیب: یہ مسیحی اِرشاد ایک اصل الاصول و بنیادی پتھر ہے' کسی مسیحی مصنف کے کلام کی صحت جانچنے کے لئے موسوی تورات یا نبیوں کے صحیفوں کی شہادت ضروری ہے پادری صاحب خود بھی اس بنیادی اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

بائیبل شریف کی عالمگیری: دنیا میں بائیبل مقدس [1] ہی ایک واحد کتاب ہے جو صدیوں سے ہزاروں ملکوں اور قوموں کے کروڑوں افراد کے نزدیک آج بھی ویسی ہی وقعت کے قابل ہے۔ جیسی وہ اس زمانہ میں تھی۔ جب وہ تحریر میں آئی۔ حق تو یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے۔ یہ کتاب زیادہ قابل احترام خیال کی جاتی ہے۔ اقوام عالم گھاس کی طرح مرجھا جاتی ہیں اور دُنیا کی پشتیں اور نسلیں پھول کی طرح کملا جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔" (مسیحیت کی عالمگیری ص ٦٧)

مجیب: پادری صاحب کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ باوجود اس اعتراف کے کہ بائیبل ایک عالمگیر مذہبی کتاب ہے اپنے مسلمہ مسیحی مذہب کی نسبت یوں رقمطراز ہیں۔

آپ (مسیح) کی تعلیم میں اور عہد عتیق کی تعلیم میں در حقیقت کوئی نسبت ہے نہیں آپ صاحب اِختیار کی طرح فرماتے تھے۔

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا---- لیکن میں تُم سے کہتا ہوں۔"

آپ (مسیح) کے خیالات یہودیت کی عین ضد تھے (مسیحیت کی عالمگیری ۵۴)

قارئین کرام!: اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ پادری صاحب مسیحی تعلیم کو یہودی تعلیم (موسوی شریعت) سے بالکل جدا بلکہ مخالف بتاتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ چند صفحات آگے چل کر پھر اس بات کو بھول جاتے ہیں اور اس بھول میں آپ لکھتے ہیں۔

پولوس رسول نے ثابت کیا کہ مسیحیت یہودیت کی تکمیل ہے۔

(رسالہ مسیحیت کی عالمگیری ص ٧٨)

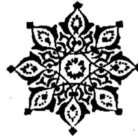
کوئی طالب علم جس نے عربی میں منطق یا کالج میں لاجک پڑھی ہو۔ ہمیں بتائے کہ ایک ضد دوسری ضد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ سیاہ اور سفید رنگ یا سبز اور سرخ رنگ ایک دوسرے کی ضد ہیں' پھر کیا یہ رنگ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں یا فنا کرتے ہیں؟ سفید کپڑے پر سیاہ رنگ چڑھایا جائے تو سفید کی تکمیل ہوگی یا فنا ہو جائے گا۔ پادری صاحب کے

---

[1] بائیبل حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے صحف کے علاوہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں پر مشتمل ہے انجیل کو عہد نامہ جدید اور پہلے صحفیوں کو عہد نامہ قدیم کہا جاتا ہے (مجیب)

ایسے دعاوی سن کر بے ساختہ ہمارے منہ سے نکل جاتا ہے۔ ؎

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانہ میں دستور دیکھا


باب اول

تشریح القرآن

بجواب

توضیح البیان

سب سے پہلے ہمارے زیر نظر وہ رسالہ ہے۔ جس کا نام آپ نے توضیح البیان فی اصول القرآن رکھا ہے اس میں آپ نے جو امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یا بزعم خود ثابت کر دیا ہے۔ وہ اس عبارت سے ظاہر ہے جو بالفاظ ذیل اس رسالہ کے سرورق پر مرقوم ہے۔

"اِسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔"

کیوں نہیں؟ اس کی تفصیل اس رسالہ میں بتلائی گئی ہے۔

چونکہ یہ لازمی امر ہے کہ آپ جس چیز کی اِسلام سے نفی کریں۔ پہلے اس کی تعریف بتائیں ایسا کرنا آپ کا فرض تھا۔ اسی لئے آپ نے اس فرض کو اچھی طرح ادا کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"عالمگیر مذہب کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول دُنیا کے کل ممالک اور اقوام پر حاوی ہو سکیں۔ اور اس کا پیغام یہ اہلیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو تا کہ ہر قوم اور ملک اور زمانہ کے افراد اپنے خاص حالات پر اس کا اطلاق کر کے اس کی تعمیل کر سکیں۔"---(توضیح البیان ص ۱۵)

مجیب: عالمگیر مذہب کی یہ تعریف ہمیں بھی مسلم ہے اور آئندہ بھی مسلم رہے گی مگر اس کے ساتھ ہی ہم آپ کا یہ قول بھی منضم کرتے ہیں کہ

"جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک' قوم' زمانہ اور نسل کے لوگوں پر حاوی ہو سکیں وہ مذہب صرف ایک قوم یا ملک یا زمانہ یا پشت کے لئے ہی مفید ہو سکتا ہے۔"----(مسیحیت کی عالمگیری ص ۱۲)

اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فقرہ بھی ملاتے ہیں کہ۔

"عالمگیر مذہب کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ذات الٰہی کی نسبت ایسی تعلیم ہو جس کے سامنے ہر ملک' قوم' نسل اور زمانہ کے سر تسلیم خم ہو جائیں۔"----(حوالہ مذکور)

اظہارِ تعجب: پادری برکت اللہ کے نام کے ساتھ ایم۔ اے کی ڈگری لکھی ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ذی علم صاحب قلم ہیں۔ آپ نے عربی میں منطق نہ پڑھی ہو تو انگریزی میں لاجک ضرور پڑھی ہوگی۔ اس لحاظ سے میں آپ کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں۔ جو اس سے پہلے طول کلامی کی مثال میں بھی آچکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

"پہلی شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں۔ کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں۔"

مجیب: منطق کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ کسی چیز کی تعریف (ڈیفی نیشن) دوری نہیں ہونی چاہئے۔ دوری تعریف اس کو کہتے ہیں۔ جس میں معرف یا اس کا کوئی جزء یا اس سے مشتق کوئی لفظ تعریفی الفاظ میں مکرر آجائے۔ جیسے اِنسان کی تعریف یوں کریں اِنسان وہ ہے۔ جس میں اِنسانیت ہو۔ یا حیوان کی تعریف میں کہیں کہ حیوان وہ ہے جس میں حیوانیت پائی جائے۔

پادری صاحب کے مذکورہ فقرہ میں یہ دوری تعریف صراحتہ پائی جاتی ہے۔ ایسے علم کے حق میں اہل منطق کہا کرتے ہیں۔

تو آشنائے حقیقت نہ خطا ایں جا است

پادری صاحب کی غلطی: اصولِ مناظرہ کے متعلق چاہئے تو یہ تھا کہ پادری صاحب اپنی کتاب کے عنوان کو ملحوظ رکھ کر صرف اصول قرآن پر

بحث کرکے اس جامع تعریف کے لحاظ سے ان کا کم درجہ ہونا ثابت کرتے' مگر آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ نہ صرف علم مناظرہ کے خلاف ہے۔ بلکہ موجودہ عدالتوں میں مروجہ طریق گفتگو کے بھی مخالف ہے۔

عدالتی مثال: ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میرا فلاں مقروض اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کو دیوالیہ قرار دیا جائے۔ عدالت کہتی ہے کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ تو جواب میں شخص مذکور کہتا ہے کہ میری دکان خوب چلتی ہے اور میرے باپ دادا کا کارخانہ بڑا بارونق ہے۔

قارئین انصاف سے بتائیں کہ عدالت اس جواب پر توجہ کرے گی؟ اس کے مطابق پادری صاحب کی تفریح سنئے! آپ عالمگیر مذہب کی تعریف بتا کر لکھتے ہیں کہ

"ہم نے اپنی کتاب مسیحیت کی عالمگیری کے باب دوم میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحیت کی تعلیم کی اساس خدا کی محبت اور ابوت اور انسانی اخوت اور مساوات ہیں۔ اس حقیقت سے کسی صاحب عقل کو انکار کی مجال نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسیحیت کے یہ اصول اعلیٰ ترین ہیں اور زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہیں۔ لہٰذا ہر زمانہ میں ہر ملک اور قوم کے افراد اس پر عمل کرسکتے ہیں۔" ---- (توضیح البیان ص ۱۵' ۱۶)

قارئین ذرا غور کریں کہ مسیحی مذہب کی عالمگیری کا ثبوت دینے کے لئے یہ کتاب نہیں لکھی گئی بلکہ قرآن مجید کی تعلیم سے عالمگیری کی نفی کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ پھر شروع ہی میں مسیحیت کا ذکر کیوں کیا ہے۔

نوٹ: اس اقتباس میں آپ نے جو اپنی کتاب مسیحیت کی عالمگیری کا ذکر کیا ہے ہم بھی آگے چل کر باب دوم میں اس کتاب کا ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد اسلام کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔

"اسلام میں خدا کے ننانوے نام ہیں۔ لیکن ان ننانوے ناموں میں "آب" یعنی باپ کا نام موجود نہیں اور نہ اس لفظ کا لطیف اور پاکیزہ مفہوم کسی اور نام سے قرآن میں موجود ہے۔ خدا کے تصور "اب" یا "رب" ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ پہلا تصور کلمۃ اللہ کا ہے۔ دوسرا اسلامی تصور ہے جو اسلام کی طبیعت' اور اصول اور شیوہ کا مظہر ہے۔ یہی تصور اسلام کے

عالمگیر مذہب ہونے کے مانع ہے۔ رب کا تصور اسلام کی روح رواں ہے اور آنحضرتؐ نے دیدہ و دانستہ اس کو "باپ" کے تصور کی بجائے قائم کیا' تاکہ خدا کے "باپ" ہونے کا تصور لوگوں کے دلوں سے نکل جائے۔۔۔۔ (ص ۱۶)

مجیب: بالکل صحیح فرمایا ہے اَب کے معنی باپ کے ہیں۔ باپ کے لفظ کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ اَب کے معنی میں دو بلکہ تین مفہوم داخل ہیں۔ مثلاً اگر زید کسی کا اَب ہے تو اس کا تصور تین مفہوموں پر مشتمل ہوگا۔

۱- زید کی ذات (بحیثیت ذو اضافت)

۲- زید کی بیوی۔

۳- وہ ولد جس کا زید باپ ہے۔

جب تک کسی شخص کی اَبوّت میں ان تین مفہوموں کا تصور نہ ہو وہ کسی کا اَب نہیں کہلا سکتا۔ آپ نے سچ فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ نے بلکہ خدا نے "اَب" کے تصور سے ہٹانے کے لئے رب کا لفظ استعمال کیا۔ کیا آپ کے خیال میں اسلام نے اب کا لفظ بلاوجہ ترک کیا؟ بلاوجہ نہیں بلکہ اس کی دلیل ایسی بتائی جو "اب" کہنے والوں کے خیالی قلعے پر بم کا سا اثر کر گئی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ

ترجمہ (خدا کی اولاد کیسے ہوگی اس کی تو بیوی ہی نہیں)

کیسی فلسفیانہ اور دقیق دلیل ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ٹرائیسائیکل (تین پہیوں والا سائیکل) کا ایک پہیہ ٹوٹ جائے یا توڑ دیا جائے تو دوسرے دو پہئے خود بخود بے کار ہو جائیں گے۔

ازالہ شبہ: شاید پادری صاحب اور ان کے ہم نواؤں کو خیال گذرے کہ ہم خدا کو ان معنی میں "اَب" نہیں جانتے' جن معنی کے لحاظ سے اَب کے اندر تین مفہوم داخل ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ کونسی ضرورت داعی ہے کہ آپ اَب کا لفظ استعمال کریں جو موہم غلطی ہے اور رب کا لفظ چھوڑ دیں جو بالکل صاف ہے۔ اب کا لفظ صرف موہم غلطی ہی نہیں۔ بلکہ عیسائیوں کے ایک بڑے گروہ کو غلطی میں ڈال چکا ہے۔ پادری علی بخش

صاحب لکھتے ہیں کہ۔

"بعض مسیحوں نے مریم کو ملکہ آسمانی اور خدا کی جورو کہا ہے" (معاذ اللہ!)

(تفسیر مصنفہ پادری علی بخش صاحب جلد اول ص ۱۳۲)

خدا بھلا کرے: پادری سلطان محمد خاں کا جنہوں نے رب اور "اب" کے معنی بتا کر پادری برکت اللہ کی غلطی کی اصلاح کر دی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ

"خدا کو باپ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ہمارا خالق، مالک اور پروردگار ہے۔ وہ تمام کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرمانروا ہے۔ ("اخوت" لاہور بابت دسمبر ۳۹ء ص ۲۴)

مجیب: اب کے معنی کی یہ تشریح ایسی ہے جو فیصلہ کن ہے۔ مگر چونکہ ہر ایک شخص کا دماغ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں تک پادری سلطان محمد خاں کا پہنچا ہے۔ اس بنا پر "اب" کے لفظ سے غلطی لگ جانا ممکن ہے۔ بلکہ واقعہ ہے۔ اس لئے اِسلام نے اس لفظ (رب) کے استعمال سے مسلمانوں کو منع کر دیا۔ پس پادری برکت اللہ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ۔

آنحضرت نے دیدہ دانستہ اس لفظ رب کو باپ (اَب) کے تصور کی بجائے قائم کیا۔ پس اِسلام آپ کے الزام کا التزام کرتا ہوا کہتا ہے۔ ؎

مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

مزید برآں دُنیا کے کسی ملک میں چلے جائیے ان کی زبان کا استعمال دیکھئے کہ وہ خدا کو اَب (باپ) کہتے ہیں یا رب (پروردگار) کہتے ہیں۔ اس تحقیق کے بعد آپ کو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ دُنیا کی اکثر آبادی خدا کو رب کہنا پسند کرتی ہے اور یہی اس کے عالمگیر ہونے کا ثبوت ہے۔

دوسرا اِعتراض: آپ لکھتے ہیں۔

"اسلام کا اللہ حی القیوم، قادر مطلق، قہار اور جبار ہے۔ اس کا اور خلق کا باہمی تعلق خود مختار سلطان اور رعیت، آقا اور غلام کا تعلق ہے۔ خدا اور اس کی مخلوق میں باپ اور بیٹے کا تعلق نہیں۔ اگر اللہ مہربان، غفار اور الرحمٰن الرحیم ہے تو اپنی پدرانہ شفقت اور ازلی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ خسروانہ عنایات کی وجہ سے ہے۔ اگر آقا چاہے تو اپنے غلام کو معاف کرے اگر

چاہے تو سزا دے۔ سب کچھ اللہ کی مطلق العنان مرضی پر موقوف ہے۔ جس کو چاہے معاف کرے۔ جس کو چاہے عذاب دے۔ (بقرہ آیت ۲۸۴' آل عمران ۲۵' ۳۵' مائدہ ۴۴ وغیرہ) توضیح البیان ص ۱۶' ۱۷)

مجیب: آپ نے پدرانہ شفقت کو خدائی ربوبیت سے بالاتر سمجھا ہے یہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ پدرانہ شفقت رب کی غیر محدود شفقت میں سے شمہ بھر ہے اور وہ بھی اس کی دی ہوئی۔ دیکھیے شیخ سعدی جیسا معلم اخلاق دونوں شفقتوں کا مقابلہ کرتا ہوا لکھتا ہے۔

؎

اگر باپدر جنگ جوید کسے پدر بے گماں خشم گیرد بسے
و لیکن خداوند بالا و پست بعصیاں در رزق برکس نہ بست

اس اعتراض کا دوسرا حصہ آپ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"قرآن کا اللہ ایک قادر مطلق سلطان ہے جو ایک ذمہ دار ہستی نہیں بلکہ اللہ جو چاہے حکم دے۔" (مائدہ آیت ۱) لہٰذا قربانیوں کے وسیلہ سے اس کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے۔ "وہ گناہگار کی موت نہیں چاہتا۔" بلکہ یہ چاہتا ہے کہ گناہگار اس کی جانب رجوع کرے۔ جس طرح دنیاوی باپ کی محبت اور دنیاوی ماں کی مامتا اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کا نافرمان بیٹا ان کی جانب رجوع کرے اور اس بات کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ ہر ممکن طور سے گناہگاروں کو اپنی جانب لائے۔" ---- (یوحنا ۳:۱۶/ متی ۱۸: ۱۴- مرقس ۲:۱۷ وغیرہ)

مجیب: بندوں کے ساتھ خدا کی محبت کا ثبوت قرآن مجید کی آیات سے بکثرت ملتا ہے۔ مثلاً۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ---- (پ۲ : ع۱)

ترجمہ (اللہ تعالیٰ لوگوں کے حال پر نہایت مہربان ہے۔)

(۲) اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ----(پ۲:ع۱۶)

ترجمہ (اللہ تعالیٰ لوگوں کے حال پر مہربان ہے مگر لوگ شکر نہیں کرتے)

(۳) وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْا مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ - (پ۱۳:ع۷)

ترجمہ (تمہارا رب لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے)

پس آپ کا یہ فقرہ کہ اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہستی نہیں بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ذمہ دار ہستی اس بادشاہ کی ہوتی ہے جو عدل و انصاف کرے اور اپنی مرضی سے کسی کی حق تلفی نہ کرے قرآن مجید نے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ---- (پ۵:ع۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی نیکی ہو اس کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتا ہے۔

ایسا ہی آپ کا یہ فقرہ بھی غلط اور تعلیم انجیل کے سراسر خلاف ہے کہ

"مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے وہ گناہگار کی موت نہیں چاہتا---(ص ۱۷)

اگر یہ بات صحیح ہے تو اس مسیحی اِرشاد کے کیا معنی ہوں گے۔

۱۔ "جو کوئی اپنے بھائی کو احمق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہو گا۔"

۲۔ جو بری خواہش سے کسی عورت پر نظر کرے گا۔ وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔"----

(انجیل متی باب ۵)

اللہ رے اتنی خفگی کہ احمق کہنا یا (بغیر ارتکاب فعل) محض بری نظر سے دیکھنا اتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ گناہگار تا ابد یا مدت دراز تک جہنم کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فقرہ بھی ملائے دیتا ہوں کہ

"مسیحیت کا خدا چاہتا ہے کہ گناہگار اس کی طرف رجوع کرے۔"

مسیحی خدا کی محبت کی مثالیں تو اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔ اب اللہ کی محبت کی مثال بھی سنئے! اِرشاد ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (پ۲۴ : ع۳)

ترجمہ میرے جن بندوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیے ہیں۔ ان کو کہہ دو کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہاری ذرا سی انابت پر اللہ سب گناہ

بخش دیگا۔

پادری صاحب!: یہ ہے خدائی محبت اور وہ ہے خدائی غضب۔ جس قدر سختی انجیل کے مذکورہ فقروں میں ہم نے دکھائی ہے۔ وہ استاد داغ مرحوم کے کلام سے بھی بڑھ کر ہے۔ جو کہتے ہیں ؎

ایک ہی بات پہ داغ! تُم ان سے بگڑ بیٹھے
اسی کا نام الفت ہے۔ محبت اس کو کہتے ہیں

پس آپ کا یہ نتیجہ پیدا کرنا سراسر غلط ہے کہ

دور حاضرہ کے لوگ صرف ایسے خدا کو ہی مان سکتے ہیں۔ جس کی ذات محبت ہے۔ پس اِسلامی تصور موجودہ نسل کے لئے ناقص ہے۔ لیکن مسیحی تصور خدا ایک کامل تصور ہے۔ ----(ص ۱۸)

مجیب: کیا خوب! انجیل کی مذکورہ تعلیم سے چشم پوشی کرکے تو ہم ایسا کہہ سکتے ہیں۔ مگر انجیلی تعلیم کی روشنی میں دیکھنے والا مسیحیت کے خدا کو اس شعر سے مخاطب کرے گا۔ ؎

کیے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر
خدانخواستہ گر خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے

اصول اخوت

پادری صاحب نے اس سرخی کے نیچے قرآن اور انجیل کی تعلیمات متعلقہ اخوت میں فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ انجیل کی اخوت اِنسانی ہے اور قرآن کی اخوت اِسلامی ہے اس بارے میں آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

”ہم نے اپنی کتاب ”مسیحیت کی عالمگیری“ کے باب دوم میں اس موضوع پر مفصل بحث کرکے یہ بتلایا ہے کہ انجیل جلیل اخوت اِنسانی کا سبق دیتی ہے اور مساوات کی تعلیم و تلقین کرتی ہے چونکہ خدا کل بنی نوع اِنسان کا باپ ہے۔ لہٰذا سب بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کلمتہ اللہ نے حکم دیا کہ سب اِنسان بلا امتیاز رنگ، نسل مذہب، درجہ یا قوم وغیرہ ایک

دوسرے سے اپنے برابر محبت رکھیں۔" ----(توضیح البیان ص ۱۹)

مجیب: اس بیان میں پادری صاحب نے قرآن اور انجیل دونوں کی مخالفت کی ہے۔ قرآن کی مخالفت تو آپ کو چنداں موردِ الزام نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ آپ کی غرض ہی یہ ہے۔ مگر انجیل کی مخالفت کرنے کی تو آپ کو کسی طرح اجازت نہیں ہے۔ سنئے! قرآن مجید اخوتِ اِنسانی کا صرف قائل ہی نہیں۔ بلکہ اس کی لم (دلیل) بھی بتاتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ---- (پ۲۶:ع۱۳)

ترجمہ اے اِنسانو! (تم آپس میں بھائی ہو کیونکہ) ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔

نیز اِرشاد ہے۔

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ---- (پ۴ : ع۱۲)

ترجمہ یعنی آدم و حوا سے ہم نے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

اس آیت میں بھی نسل اِنسانی کے اتحاد کی طرف توجہ دلا کر اخوتِ اِنسانی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں سب اِنسانوں کو یا بنی آدم کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ تاکہ ان کو اخوتِ اِنسانی یاد آئے۔ مسلمانوں کی اسی اِنسانی برادری کے حق میں اِرشاد ہوا ہے۔

قُوْلُوْ لِلنَّاسِ حُسْنًا ---- (پ۱ : ع۱۰)

ترجمہ سب لوگوں کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آیا کرو۔

اس سے بڑھ کر اِنسانی اخوت کا ثبوت اور کیا ہو گا۔ اس کے مقابلہ میں انجیل نے جن لفظوں میں غیر اسرائیل کو یاد کیا ہے ہم گمان نہیں کرتے کہ کوئی شریف اِنسان اسے اپنے حق میں سننے کا روادار ہو۔ ہم مجبور ہیں کہ پادری صاحب کے جواب میں اس کو نقل کریں۔ ورنہ ہمارا دِل اس سے کراہت محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ الفاظ مبارکہ ہمارے مخاطب پادری برکت اللہ صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو بلکہ ہم کو شامل ہیں۔ پس سنئے!

اک کنعانی عورت آئی اور کہا کہ اے خداوند (مسیح) مجھ پر رحم کر کہ میری بیٹی ایک دیو کے غلبہ سے بے حال ہے۔ اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل (بنی اسرائیل) کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو دے

دیں۔"----(متی باب ۱۵' درس ۲۱)

پادری صاحب!: ایک دفعہ پھر سارا قرآن پڑھ جایئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی کہئے کہ وہ بھی پڑھ جائیں پھر اس مضمون کی کوئی آیت ملے تو بتایئے جس میں آنحضرت کی قوم قریش کے سوا دوسری قوموں کو کتے کہا گیا ہو۔ اگر باوجود تلاش بسیار کے آپ لوگ کوئی ایسی آیت نہ پائیں تو پھر انصاف کیجئے کہ آپ نے مذکورہ اقتباس میں جو کہا ہے وہ کہاں تک واقعات کی رو سے درست ہے۔ اور غور کریں کہ کہاں تک آپ نے واقعات کے اِخفاء سے کام لیا ہے۔ ؎

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اسی نمبر میں پادری صاحب نے قرآن کے جہادی حکم کو بڑی رنگ آمیزی سے کئی صفحوں میں بیان کیا ہے۔ جس کا لب لباب ان الفاظ میں آجاتا ہے۔

"ہر شخص اس امر کو تسلیم کرے گا کہ انجیل جلیل اور کلمۃ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کیلئے ابھار نہیں سکتا۔ لیکن قرآن شریف میں خاص طور پر رسول عربی کو حکم ملتا ہے کہ "مسلمانوں کو لڑائی پر اُبھار اور کافروں اور منافقوں پر سختی کر۔" اور اُنکو "یہاں تک قتل کر کہ فتنہ یعنی غلبہ کفر جاتا رہے اور تمام دین اللہ کا ہو جائے۔" (توضیح البیان ص ۲۲)

مجیب: ہم شروع میں پادری صاحب کی شکایت کر آئے ہیں کہ آپ اخفائے واقعات کے عادی ہیں۔ مگر منصف مزاج لوگ مذہبی مباحثات میں خاص کر اخفائے واقعات کرنا جرم عظیم سمجھتے ہیں اور تمہید میں ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ موسوی شریعت عیسائیوں کے لئے واجب العمل نہ ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں مسئلہ جہاد نہ صرف مذکور ہے۔ بلکہ واجب العمل ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ جہاد اِسلام کی روح رواں ہے۔ جس کی بابت اِرشاد ہے۔ "ذروۃ الاسلام الجھاد" لیکن جہاد کوئی ڈراؤنی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ایک شائستہ اور مقدس جنگ کا نام ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ ---- (پ۲:ع۸)

ترجمہ: یعنی جو لوگ تُم سے مقابلہ میں لڑیں تم بھی ان سے لڑو۔

نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ تمہارا مقابلہ یا ایذا رسانی نہ کریں۔ تُم بھی ان سے کوئی تعرض

نہ کرو۔ اب سنئے' تورات شریف کا حکم جو عیسائیوں کی مقدس کتاب شریعت ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے۔

"جبکہ خداوند تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں جس کا وارث تو ہونے جاتا ہے داخل کرلے اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو دفع کرے۔ یعنی حتیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات قومیں کہ بڑی اور قوی تجھ سے ہیں۔ اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجیو۔ نہ تو ان سے کوئی عہد کریو اور نہ ان پر رحم کریو۔ نہ ان سے بیاہ کرنا۔ اس کے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا نہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی کوئی بیٹی لینا۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کو میری پیروی سے پھرائیں گے تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں۔ اور خداوند کا غصہ تجھ پر بھڑکے گا اور تجھے یکایک ہلاک کردے گا۔ سو تم ان سے یہ سلوک کرو تم ان کے مذبحوں کو ڈھادو۔ ان کے بتوں کو توڑ دو۔ انکے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلادو کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کے لئے پاک قوم ہے۔" ----- (استثنا باب ۷۔ ۱ تا ۶)

قارئین! "حضرت مسیح کی مصدقہ موسوی شریعت میں جس کو پادری صاحب نے مخفی رکھا ہے۔ جہاد کے متعلق کس قدر جبرو تعدی کا حکم موجود ہے۔ ایسا حکم یورپ کی گذشتہ اور موجودہ جنگ میں بھی کسی جابر سے جابر فاتح نے اپنے مفتوح کے حق میں جاری نہ کیا ہوگا۔ الامان! کیسے سخت احکام ہیں کہ مارو اور ان کے معبودوں کو توڑ دو' ان کے معبودوں کو گرادو' ان کے باغوں کو اجاڑ دو۔ ان سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہ کرو۔" ؎

الامان! قہر الٰہی تھا یہ غصہ اس کا
آج قاتل نے نہ اپنا پرایا دیکھا

میں حیرت زدہ ہوگیا:

جب میں نے پادری صاحب کا یہ فقرہ دیکھا۔

"انجیل جلیل اور کلمۃ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کیلئے اُبھار نہیں سکتا۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ پادری صاحب انجیل کی تعلیم بھول چکے ہیں۔ نہیں بلکہ وہی عادت مستمرہ اخفائے واقعات اپنا اثر دکھارہی ہے۔ سنئے! انجیل جلیل میں کلمۃ اللہ (المسیح) کا ارشاد ہے۔

"یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں (اس لئے) آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں۔" ---- (متی باب ۱۰، فقرہ ۲۴)

یہ عبارت حضرت کلمتہ اللہ کی زندگی کا پروگرام بتا رہی ہے اور یہ بھی صراحتاً بتاتی ہے کہ آپ کی تعلیم میں تلوار چلانا بھی داخل تھا۔ چونکہ تلوار چلانے کے لئے جمعیت اور سامان جنگ کی ضرورت ہے جو مسیح کو حاصل نہ ہوا اس لئے یہ ارادہ عملاً ظہور پذیر نہ ہو سکا۔ اس سے نفی ثابت نہیں ہوتی۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کوئی مسلمان کہے کہ میں نے اس دفعہ سال بھر کی رخصت اس لئے حاصل کی ہے کہ میں مقامات مقدسہ کی زیارت کر آؤں۔ مگر علالت طبع یا سفر کی صعوبت اس کو مانع ہو تو یہ چیز اس کے ارادہ کی نقیض نہیں ہے۔ قرآن مجید کا جہادی حکم بہ نسبت تورات کے بہت نرم ہے۔ کیونکہ اِس میں یہ بھی اِرشاد ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (پ۱۰ : ع۴)

عین حالت جنگ میں فریق محارب اگر صلح پر آمادہ ہو جائے تو تم بھی ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ۔

پادری صاحب! ان دونوں جہادوں (موسوی اور محمدی) کا مقابلہ کر کے انصاف سے کہئے ان میں سے کون سا جہاد اِنسانی فطرت پر مبنی ہے۔

پادری صاحب نے رسالہ زیر جواب کے ص ۲۷ پر سید مقبول احمد کی کتاب فلسفہ مذہب سے کچھ عبارت نقل کی ہے۔ ہم اس عبارت کے جواب دہ نہیں۔ کیونکہ سید صاحب نہ کوئی مذہبی پیشوا ہیں نہ مستند عالم ہیں کہ ان کی بات مسلمانوں کے لئے سند ہو۔ وہ اپنی بات کے ذمہ دار خود ہیں۔

فصل چہارم ☆ اصول مساوات

اس فصل کے پہلے نمبر میں پادری صاحب یوں گویا ہوئے ہیں۔

"ہم نے رسالہ "مسیحیت عالمگیری[1]" کے باب دوم کی فصل اول میں یہ ثابت

[1] اس رسالے کا جواب کتاب ہذا کے دوسرے باب میں دیا جائے گا۔ (مجیب)

کردیا ہے کہ انجیل جلیل کا ایک ایک ورق مساوات کے سنہرے اصول سے مزین ہے۔ انجیل کے عالمگیر اصول محبت، اخوت و مساوات سے کوئی شخص یا طبقہ، مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ انجیلی اصول مساوات نے ہر طرح کی تفریق اور درجہ بندی کو مٹا دیا، غلام اور آزاد، غریب اور دولت مند۔ اعلیٰ اور ادنیٰ، عالم اور جاہل، مرد اور عورت کا امتیاز غرض یہ کہ ہر قسم کے امتیازات اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔۔۔۔(متی ۵، ۷، ۱۸باب" توضیح البیان ص ۴۳، ۴۴)

مجیب: ہم پہلے کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات پر کلمتہ اللہ المسیح کا قول نقل کر چکے ہیں۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اسرائیل کے سوا باقی قوموں کے افراد اتنے ذلیل ہیں، گویا کتے ہیں۔ اس مسیحی اِرشاد کی موجودگی میں کوئی مسیحی اِنسانی مساوات کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے۔ ہاں اِسلام کہتا ہے کہ تُم سب بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو (قرآن مجید) نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے نہ سفید کو سیاہ پر کوئی برتری۔ "کلکم بنو آدم و آدم من التراب" (الحدیث) تُم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے)

آپ کا یہ کہنا کہ "انجیل کی تعلیم سے دُنیا سے آزاد اور غلام کا امتیاز اُٹھ گیا۔"

انجیل کی تعلیم سے نہیں بلکہ یورپ کی آزاد منشی اور الحاد پسندی سے اٹھا ہے۔ ورنہ آج سے سو سال پہلے مسیحی ممالک میں بھی غلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ اپنی کتاب مقدس تورات کا حکم سنئے جس کے مطابق یہ رسم چلی آ رہی تھی۔

"جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آ پہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر تب یوں ہو گا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کر صلح منظور کر لے اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گذار ہو گی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے۔ بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے۔ تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے، کھائیو! اسی طرح سے تو ان سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں۔ کیجیو لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔

کسی چیز کی جو سانس لیتی ہے۔ جیتا نہ چھوڑیو [1] ۔ بلکہ تو ان کو حرم کیجیو حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوسی اور بوسی کو جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے تاکہ دے اپنے سارے کریہہ کاموں کے مطابق جو انہوں نے اپنے معبودوں سے کئے۔ تم کو عمل کرنا نہ سکھلائیں کہ تُم خداوند اپنے خدا کے گنہگار ہو جاؤ۔" ----(استثنا باب ۲۰: ۱۰ تا ۱۸)

"جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خرچ کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھوں میں گرفتار کرے اور انہیں اسیر کرلائے اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے تو تو اسے اپنے گھر میں لا۔ اس کا [2] سرمنڈا اور ناخن کٹوا۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتارے اور تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے۔ بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو ہے۔" ---- استثنا باب ۲۱: ۱۰ تا ۱۳)

اللہ رے خفگی!: کس قدر سختی ہے کہ سانس لینے والی چیز کو نہ چھوڑیو۔ سچ ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

قارئین: پادری صاحب کو اخفائے واقعات کی عادت ہے اسی لئے وہ دلیری سے ہر ایک واقعہ کا اِنکار کر جاتے ہیں۔ مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ؎

من انداز قدت راے شناسم

تعجب!: پادری صاحب تو اِنسانی مساوات یہاں تک بڑھا رہے ہیں کہ "انجیل نے ہر ایک قسم کے امتیازات اُٹھا دیئے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آج تک یہ امتیاز باقی ہے کہ دیسی عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجے الگ الگ ہیں۔ عبادت گذاری کے وقت اگر اللہ کے سب بندوں کو یکساں حالت میں دیکھنا ہو تو مسجد میں آکر دیکھئے۔ سچ ہے۔ ؎

---

[1] آغا تلوار میان کن۔
[2] تعلیم تو موزوں ہے۔ عمل ہو تو جانیں۔ ۱۲

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسی ذیل میں پادری صاحب نے کئی ایک باتیں ایسی لکھی ہیں۔ جو ان کے سابقہ بیان کے سراسر خلاف ہیں۔ مثلاً

قریش کا تمام قوموں سے شریف النسب خیال کیا جاتا کسی موالی کا یہ جرات نہ کرنا کہ خالص عربی نژاد لڑکی سے بیاہ کی درخواست کرے وغیرہ---- (ص ۳۶)

حالانکہ آپ اسی کتاب کے شروع میں لکھ آئے ہیں کہ

"ہم اپنے استدلال کی بنا قرآن اور صرف قرآن پر ہی رکھیں گے۔" ---- (ص ۵)

اگر حافظہ کی کمزوری نہیں ہے تو اتنی جلدی بھول جانا قابل مصنف کی شان سے بعید ہے۔ اگر آپ بھولے نہیں تو ان دعاوی کا ثبوت قرآن مجید سے دیویں۔ ہاں ہم مانتے ہیں کہ اگر قریش یا سید وغیرہ اقوام عزت کے لائق ہیں۔ لیکن یہی قریش اگر بدراہی اِختیار کریں تو آیہ کریمہ "تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ" ان کے لئے نازل ہو چکی ہے۔ غرض اِسلام میں مدار کار اعمال حسنہ ہیں۔ اسلئے، قریش کے سردار اور مسلمانوں کے امیر خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلالؓ جیسے حبشی غلام کے حق میں سیدنا بلالؓ فرمایا کرتے تھے۔ شیخ سعدی مرحوم سچ کہہ گئے ہیں۔ ؎

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر
گل از خاراست ابراہیم از آزر

آگے چل کر پادری صاحب نے اِسلامی پردے پر بھی اِعتراض کیا ہے اور یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ سے پردہ دروں کی طرف سے یہ اِعتراض ہوتا آیا ہے۔ مگر معترضین اِعتراض کرتے ہوئے قانون قدرت کو بھول جاتے ہیں۔ قانون قدرت یعنی نیچرل لاء یہ ہے کہ عورت مرد کے لئے جاذب توجہ ہے۔ اسی جذب کی حالت میں مرد کے دل میں برے برے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں یا ہو جانے ممکن ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان برے خیالات کو روکنے کے لئے یہ اِرشاد فرمایا تھا کہ

"جو کوئی برے خیال سے عورت کو دیکھے وہ اپنی آنکھیں نکال پھینکے" ---- (متی باب ۵)

ہو سکتا ہے کہ یہ حکم زاہدانہ روش کے مطابق ہو۔ مگر عام بشری تمدن میں ناممکن

العل ہے۔اس لئے بانی فطرت جل مجدہ نے اِنسانی فطرت کو ملحوظ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ عورت اپنے چہرے کو بالغ مردوں سے چھپایا کرے۔" کتنا چھپائے؟ صرف اس قدر کہ اس کا چہرہ مرد کے لئے باعث کشش ثابت نہ ہو' بس اتنی تھوڑی سی پابندی کے ساتھ عورت کو اپنے خاوند یا باپ بیٹے وغیرہ کے ساتھ چلنا پھرنا یا بغرض تفریح سیر کرنا منع نہیں ہے۔ اس پر بھی پادری صاحب کو اِعتراض ہو تو نیچرل شاعر کے اس شعر پر غور کریں۔ جو اِنسانی فطرت کا اظہار کرتا ہوا کہتا ہے۔

بل بے خود بینئی زاہد کہ تیرے دیکھنے کو
منع کرتا ہے لو یہ اور تماشا دیکھو

صرف اتنے سے پردے پر کسی آزاد منش کا اِعتراض کرنا اور پادری صاحب کا اس کو اپنی تائید سمجھنا ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم بھی ملحدین یورپ بریڈ لا وغیرہ کی تحریرات متعلقہ بائیبل اور دِین مسیحی پیش کر کے پادری برکت اللہ صاحب کو بتائیں۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

قلبی شہادت: ہمارا دعویٰ ہے کہ جو لوگ برہنہ رو عورتوں کو دیکھتے ہیں اور اپنے ضمیر کی حالت کا اندازہ کریں تو ایسے لوگ اگر نفسانیت سے مغلوب نہیں ہیں بے اِختیار پکار اٹھیں گے کہ اِسلامی پردہ واقعی ایک فطری امر ہے۔ جس کا اظہار کسی نیچرل شاعر نے یوں کیا ہے۔

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی
بازار خویش و آتش ما تیز مے کنی

آریہ سماجی: پردہ دری میں آریہ سماجی بھی مسیحوں سے کم نہیں ہیں۔ بات بات میں پردہ کو لعنت لعنت کہنے کے عادی ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان دو گروؤں سوامی دیانند اور منوجی نے نابالغ لڑکوں کو لڑکیوں کے سکول میں جانے سے بالاتفاق منع کیوں کیا ہے۔ پادری صاحب اگر آریوں سے ہمارے سوال کا جواب دلوا دیں گے تو ہم ان کا منہ مٹھائی سے بھر دیں گے۔

اسی ضمن میں پادری صاحب نے مرد و عورت میں عدم مساوات کا الزام بھی اِسلام پر لگایا ہے- چنانچہ آپ کا فقرہ ذیل مضمون کی جان ہے-

ایام جاہلیت میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی- اِسلام نے اس حالت کو کسی قدر بہتر بنا دیا- لیکن ہم کو ایام جاہلیت اور اِسلام کا موازنہ اور مقابلہ کرنا مقصود نہیں بلکہ ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ آیا اِسلام میں طبقہ نسواں کی حیثیت ایسی ہے کہ وہ بمقابلہ مسیحیت ایک عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھ سکے-

ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ بیاہ کے لئے عورتیں خریدی جاتی تھی- زر مہر دلہن کو دیا جاتا تھا اور عورت شوہر کا مال متصور ہوتی تھی- اِسلام میں یہ قانون بحال رکھا گیا- چنانچہ قران میں وارد ہے- کہ "عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو-" (نساء آیت ۴)-

اس زر مہر کو ادا کرنے کی وجہ سے عورتیں آدمیوں کی نسبت کم درجہ خیال کی جاتی ہیں- چنانچہ قرآن میں ہے کہ "مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر اپنا مال (زر مہر اور نان و نفقہ دیکھو ترجمہ نذیر احمد) خرچ کیا ہے- بس نیک بخت عورتیں اپنے شوہروں کی اِطاعت کرتی ہیں- پس قرآن کے مطابق عورتیں پست درجے کی ہیں- چنانچہ صاف لکھا ہے کہ مردوں کا عورتوں کے اوپر درجہ ہے-" ----- (توضیح البیان ص ۳۸، ۳۹)

مجیب: اس الزام کا جواب دینے سے پہلے مرد و عورت میں قدرتی تعلق کا دیکھنا ضروری ہے- اس میں شک نہیں کہ مرد اور عورت اِنسان کی دو صنفیں ہیں- جن میں سے ایک سینیر و اعلیٰ اور دوسری جونیئر (ادنیٰ) ہے- نظام عالم میں دُنیا میں مختلف چیزوں کی طرف نظر کرنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ خالق کائنات نے ان سب چیزوں میں سے بعض کو مستعمل (کام میں لانے والی یا برتنے والی بنایا ہے- اور بعض کو مستعملہ (قابل استعمال) بنایا ہے بے جان چیزوں میں کچھ خفا نہیں ہے- مثلاً کپڑا اور برتن وغیرہ سب چیزیں مستعملہ (قابل استعمال) ہیں- جانداروں میں بھی قریباً تمام حیوانات اِنسان کے لئے مستعملہ ہیں- مثلاً گھوڑا، اونٹ ہاتھی، گائے، بیل، بھینس وغیرہ- اسی طرح اِنسان کی دونوں صنفوں (مرد، عورت) کو بھی دیکھیں کہ ان میں بھی یہ دستور جاری ہے یا دونوں مساوی ہیں؟ بعد بغور اس

نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ بے شک مرد مستعمل (برتنے والا) اور عورت مستعملہ (قابل استعمال' چیز ہے۔ اس دعوے پر مندرجہ ذیل فطری دلائل ملاحظہ کریں۔

دلائل فطریہ:

۱۔ تزوج کی یہ غرض بالکل ظاہر ہے کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔ کیونکہ مرد اگر عورت سے جماع نہ کرنا چاہئے تو عورت اس سے جبرا نہیں کرا سکتی۔ ہاں مرد جبرا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوا کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔

۲۔ آلہ فعل خدا نے مرد کو عطا کیا ہے تو پھر مرد کے مستعمل ہونے میں کیا شک رہا۔

۳۔ مرد' عورت کی ظاہری شکل وہیت بھی اس نسبت کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً مرد کے چہرے پر بوقت بلوغت عموماً بالوں کا نکلنا اور عورت کا چہرہ مدت العمر صاف رہنا جو اس کے مرغوب الطبع ہونے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس نسبت کی بڑی دلیل ہے۔

۴۔ اولاد کے حق میں ماں کا مشقت اور سخت تکلیف اٹھانا' حالانکہ نطفہ یقیناً مرد کا ہوتا ہے۔

۵۔ مرد کا عموماً تنومند اور طاقت ور ہونا یہاں تک کہ تمام طاقت کے کاموں مثلاً جنگ وغیرہ کا مکلف ہونا اور عورت کا عموماً اس سے سبکدوش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔

پس ان دلائل فطریہ پر بنا کر کے قرآن مجید کی تعلیم کو جانچیں تو بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مستعمل پر فرض ہے کہ اپنے استعمال کا معاوضہ دے اور مستعملہ پر واجب ہے کہ اپنے مستعمل کی اطاعت کرے ورنہ دونوں کی زندگی وبال جان ہو جائے گی۔

اصول عبادت: اسلام کے طریق عبادت پر بھی پادری صاحب کو اعتراض ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

"خدا کی عبادت کے اصول پر نظر کرو تو یہی نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ مسیحیت عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام قوم عرب کا مذہب ہے۔" ---- (توضیح البیان ص ۴۷)

مجیب: اس موقع پر بھی ہم کو وہی شکایت ہے کہ پادری صاحب اصول مناظرہ کی پابندی دانستہ نہیں کرتے یا جانتے ہی نہیں۔ پادری صاحب اور ان کے ہم نوا اس کا فیصلہ

کر کے ہمیں بتائیں- اہل علم حضرات غور کریں- پادری صاحب کا دعویٰ ہے کہ

اسلام میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں

چنانچہ آپ کی کتاب کا نام "توضیح البیان فی اصول القرآن" یہی مدعا بتا رہا ہے کہ آپ کی حیثیت اس کتاب میں یہ ہے کہ آپ قرآنی اصولوں کے عالمگیر ہونے کی نفی کریں برخلاف اس کے آپ نے جو کچھ کہا ہے اور آپ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے-

"آداب و طرز عبادت کی نسبت خداوند مسیح نے فرمایا ہے کہ خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں-" ---- (یوحنا ۴: ۲۴' ہماری رسائی باپ کے پاس ایک ہی روح میں ہوتی ہے (افسی ۲: ۱۸) ہم میں جو خدا کی روح کی ہدایت سے عبادت کرتے ہیں-" (فلپی ۳: ۱۳) خداوند سب سے جو اس کو پکارتے ہیں' نزدیک ہے ان سب سے جو سچائی سے اسے پکارتے ہیں-" (زبورہ ۱۴۵: ۱۸)

پھر اوقات عبادت کی نسبت انجیلی ہدایت ہے کہ ہر وقت اور ہر طرح سے روح میں دعا اور منت کرتے رہو-" (افسی ۶: ۱۸) دعا مانگنے میں مشغول اور شکر گزاری کے ساتھ اس میں بیدار ہو-" (کلسی ۴: ۲) ہر وقت دعا مانگتے رہنا اور ہمت نہ ہارنی چاہئے-" (لوقا ۱۸: ۱) ہر وقت جاگتے اور دعا مانگتے رہو-" (لوقا ۲۱: ۳۶) دعا مانگنے میں مشغول رہو-" (روم ۱۲: ۱۲) بلاناغہ دعا مانگو-" (تسلنیکی ۵: ۱۷) ---- (توضیح البیان ص ۴۸)

مجیب: کوئی صاحب نظر اہل علم ہمیں بتائے کہ اس عبارت اور اسی مضمون کی ایک لمبی عبارت (جو تقریباً دو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے) آپ کے دعویٰ متعلقہ اصول قرآن سے کیا تعلق رکھتی ہے-

آپ کی مثال: یہ ہے کہ مدعی (زید) کہتا ہے کہ میں نے بکر سے سو روپیہ لینا ہے اور باوجود تقاضا پر تقاضا کرنے کے بکر نہیں دیتا- میرا ثبوت یہ ہے کہ میں بڑا سوداگر ہوں- کئی منڈیوں میں میری دکانیں ہیں اور میری ساکھ بہت زیادہ ہے- کیا معنی؟ چاول سفید ہیں لہٰذا زمین گول ہے- چنانچہ اس طول عبارت کے نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں-

"اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ عبادت کے یہ اصول عالمگیر ہیں' خدا کی پرستش روح اور سچائی سے کرنی چاہئے۔ عبادت کے لئے کوئی خاص اوقات مقرر نہیں اور نہ کوئی جگہ مقرر ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ اِنسان اپنے آسمانی باپ کی طرف رجوع کر سکتا ہے زمان و مکان کی قیود کہیں نہیں ہیں۔"----(توضیح البیان ص ۴۹)

مجیب: آپ کی ساری عبارت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک عبادت صرف توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کا نام ہے جسے قرآن مجید نے ایک مختصر سے فقرہ میں ادا کر دیا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (پ۲۱:ع۱)

ترجمہ اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے۔

نیز فرمایا ہے:

فَاذْكُرُو اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ---- (پ۵:ع۱۲)

ترجمہ (کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ ہی کو یاد کیا کرو)

بس اب تو پادری صاحب خوش ہو گئے ہوں گے کہ قرآن مجید بھی بلاقید زمان و مکان ذکر الٰہی کا حکم دیتا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اِسلام میں پنجوقتہ نماز کا حکم بھی ہے۔ جس پر آپ کو اِعتراض ہے۔ چنانچہ آپ کے اِعتراض کے الفاظ یہ ہیں۔

"برعکس اس کے قرآن مجید میں اِسلامی آداب عبادت میں زمان و مکان کی قیود موجود ہیں جو ہمارے دعویٰ کی مصدق ہیں کہ اِسلام عالمگیر نہیں۔ بلکہ صرف آنحضرت کے ہم وطن عربوں کے لئے تھا۔"----(توضیح البیان ص ۴۹)

مجیب: اس اقتباس میں بھی ہمیں پادری صاحب کی مناظرانہ غلطی کا شکوہ ہے۔ آپ کی کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اِسلام عالمگیر مذہب نہیں ہے۔ کیوں نہیں؟ اس لئے کہ اس میں عبادت مثلاً نماز و مکان کی شرط ہے۔ بہت اچھا! لیکن آپ کا یہ کہنا کہ اِسلام صرف عربوں کے لئے تھا۔" اس فقرہ کو عالمگیری کی نفی سے کیا تعلق؟ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ عرب تو زمان و مکان کی پابندی سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مگر ہم عجمی لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ اگر یہی مطلب ہے۔ تو آپ ہندوستان کی کسی مسجد میں جا کر دیکھ لیجئے یا کم سے کم اپنے محلّہ کے

قریب کسی مسجد میں جاکر معائنہ کیجئے کہ مسلمان زمان و مکان کی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس فقرہ کے معنی کچھ اور ہیں تو کھول کر بیان کیجئے۔ اگر اِسلامی احکام میں عالمگیری نہیں ہے تو اس میں سب ملک برابر ہونے چاہئیں۔ عرب کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ یہ شکایت ہمیں فن مناظرہ کی حیثیت سے ہے کہ پادری صاحب کے دعویٰ اور دلیل میں تقریب تام نہیں ہوتی۔ ہمارا یقین نہ ہو تو پادری سلطان محمد خاں سے پوچھ لیجئے۔

اب ہماری دوسری شکایت سنئے کہ آپ ہمیشہ اخفائے واقعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مسیحوں کی نماز کی کتاب (جس کا نام دعائے عمیم ہے) مطبوعہ مطبع افتخار دہلی ۱۸۸۹ء کے ص ۴۴ پر دیباچہ میں لکھا ہے۔

صبح اور شام کی نماز کی ترتیب جس کو سال بھر پڑھنا اور عمل میں لانا ہے۔

اس سے اگلے صفحے پر (جو اصل کتاب کا صفحہ اول ہے) یوں لکھا ہے۔



فجر کی نماز کی ترتیب

سال کے ہر روز کے لئے

"فجر کی نماز کے شروع میں خادم الدین (امام نماز مسیحیاں) بائبل کی ان آیتوں میں سے جو نیچے لکھی ہیں ایک یا کئی ایک بلند آواز سے پڑھے اور اقرار عمیم جسے ساری جماعت خادم الدین سمیت گھٹنے ٹیک کر اس کے پیچھے پیچھے کہے۔ مغفرت کے کلمے یا گناہوں کی معافی کے قِسیس اکیلا کھڑا ہو کر فرمائے اور لوگ گھٹنے ٹیکے رہیں تب خادم الدین گھٹنے ٹیک کر بلند آواز سے خداوند کی دُعا پڑھے۔ آؤ ہم سجدہ کریں اور جھکیں اور خداوند کے حضور جو ہمارا پیدا کرنے والا ہے گھٹنے ٹیکیں کہ وہی ہمارا خدا ہے۔"

اسی قسم کے فقرات اصل کتاب میں صفحہ نمبر ا سے صفحہ ۱۳ تک نماز فجر کے بیان میں درج ہیں اس کے آگے ص ۱۴ پر شام کی نماز کا بیان ہے اس میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

قارئین کرام!: لفظوں کے ہیر پھیر کو چھوڑ کر ملاحظہ کیجئے کہ مسیحی نماز میں بھی حرکت وسکون اور وقت کی پابندی پائی جاتی ہے یا نہیں؟ ایسی حالت میں اگر ہم پادری صاحب کو یہ مصرع سنائیں تو بالکل بجا ہے۔ ؎

این گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پادری صاحب کسی خاص وجہ سے اخفائے واقعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر آپ گرجا میں جاتے ہوں گے اور صبح وشام کی نماز پڑھتے ہوں گے اور اپنی نماز میں حرکت سکون بھی کرتے ہوں گے۔ باوجود اس کے اِسلام ی نماز کی ہیت اور زمان ومکان پر اِعتراض کرتے ہیں۔ سچ ہے۔ ؎

منکرے بودن وہم رنگ مستان زیستن

مختصر یہ ہے کہ اِسلام نے دو قسم کی عبادت فرض کی ہے۔ ایک قسم میں زمان ومکان

کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اس کا نام ذکر اللہ ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ خدا کو یاد کئے جاؤ۔ کوئی پابندی نہیں۔ دوسری قسم کی عبادت وہ ہے۔ جس میں زمان و مکان کی شرط ملحوظ ہے۔ جیسے نماز پنجگانہ باجماعت جمعہ اور عیدین وغیرہ اور ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے۔ دوسری قسم کی عبادت جو زمان و مکاں سے مشروط ہے۔ ساری دُنیا کے مسلمان بلا تکلف ادا کرتے ہیں۔ (فلہ الحمد!) کیا اس کے باوجود اِسلام کے اصول عالمگیر ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ میں پادری صاحب کو مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ اِسلام کی عالمگیری دیکھنا چاہتے ہیں تو پروفیسر آرنلڈ (انگریز) کی کتاب "پریچنگ آف اِسلام" یا اس کا اردو ترجمہ "دعوت اِسلام" ملاحظہ کریں۔ جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اسلام دُنیا کے کونے کونے میں کس طرح پہنچ گیا۔

اسی طرح پادری صاحب نے اِسلامی روزہ پر بھی اِعتراض کیا ہے۔ یہ اِعتراض خصوصیت سے قابل غور ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"علی ہذا القیاس روزہ کے فریضہ پر غور کرو۔ جس کے باعث سحری سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازم ہے' اول کھانا' پینا' اشیائے خوردنی وغیرہ سے پرہیز کرنا ایک جسمانی امر ہے۔ جس کا تعلق حقیقی روحانیت اور قربِ اِلٰہی سے نہیں ہے۔ کھانا ہمیں خدا سے نہیں ملائے گا۔ نہ کھائیں تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اور اگر کھائیں تو نفع نہیں۔" (اکر ۸: ۸) علاوہ بریں اِسلامی روزہ ایسا ہے کہ کل بنی نوع اِنسان اس کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔" ---- (توضیح البیان ص ۵۴)

مجیب: یہاں بھی پادری صاحب کی مناظرانہ غلطی ہے کہ اپنے دعوے اور دلیل میں تقریب پیدا نہیں کرتے۔ تعجب ہے کہ آپ اِسلام کی مخالفت میں ایسا ادھار کھائے بیٹھے ہیں' کہ اِعتراض کرتے ہوئے نہ اپنی مسلمہ الہامی کتاب (تورات) کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ انجیل کا۔ یہودیوں کو موسوی تعلیم کے ذریعہ روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ جس میں کھانا پینا بند ہونے کی وجہ سے لازمی طور پر چہرہ اداس ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ریاکاری کے طور پر چہرہ کی اداسی میں مزید ترقی دے کر دکھایا کرتے تھے۔ ان کی اِصلاح کے لئے مسیح نے فرمایا کہ:

جب تُم روزہ رکھو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ۔ جب تو روزہ رکھے اپنے سر پر چکنا لگا اور منہ دھو تا کہ تو آدمی پر نہیں بلکہ تیرے باپ پر جو پوشیدہ ہے روزہ دار ظاہر ہو۔

(متی باب ۶: ۱۶ تا ۱۸)

مسیح کے اس اِرشاد سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) سابقہ امم کو روزہ کا حکم ہونا۔ (۲) یہودیوں کا روزہ میں ریا کاری کرنا۔

(۳) مسیح کا ان کو ریا کاری سے منع فرمانا۔ (۴) روزے کا حکم بحال رکھنا۔

کیا پادری صاحب ہمیں اس روزہ کی حقیقت بتا سکتے ہیں جو مسیح نے بحال رکھا اس میں کھانے پینے کے متعلق کیا حکم تھا اور اس کا وقت کون سا تھا۔ بہرحال ہم ان سوالوں کے جوابات کے منتظر ہیں پادری صاحب کا یہ اِعتراض بھی معقولیت سے بہت دور ہے کہ۔

”کل بنی نوع اِنسان روزہ کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

ہم مانتے ہیں کہ بے شک قاصر رہتے ہیں۔ مگر کیا بنی نوع اِنسان کفارہ کی تعلیم قبول کرنے سے قاصر نہیں رہتے۔ اسے بھی چھوڑیئے۔ کیا ترک حرام اور ترک کذب سے قاصر نہیں رہتے؟

کیا لوگ مروجہ قانون (تعزیرات ہند) کی تعمیل کرنے سے قاصر نہیں رہتے؟ اس سے شریعت یا قانون میں کیا نقص لازم آتا ہے؟ ہاں اگر آپ یوں اِعتراض کرتے ہیں کہ۔

”بنی نوع اِنسان روزہ نہیں رکھ سکتے۔“ تو ہم آپ کو جواب دیتے کہ کل اِسلام ی دنیا میں روزہ رکھا جاتا ہے۔ ہاں اگر مہاشہ دھرم پال کے ”ترک اِسلام“ کا یہ اِعتراض آپ کے ذہن میں ہو کہ ”جہاں چھ چھ مہینے کا دن رات ہے وہاں روزہ کی کیا صورت ہے؟“ تو ہم اس کا جواب وہی دیتے جو ترک اِسلام میں دیا ہوا ہے کہ۔

وہاں روزہ رکھنا فرض ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں سرے سے ماہ رمضان ہی نہیں ہوتا جو روزہ رکھنے کے لئے ظرف زمان ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ---- (پ ۲ :ع ۷)

ترجمہ: جو کوئی رمضان شریف کا مہینہ پائے وہ روزہ رکھے۔

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

اس کے برعکس مسیحیت نے روزہ کے لئے خاص اوقات اور مہینے مقرر نہیں کئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راستبازی اور میل ملاپ اور اسی خوشی

پر موقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے۔"-----(روم ۱۴:۱۶ا ص ۵۴)

مجیب: اول تو یہ مسیح کا اِرشاد نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مسیحیت میں داخل کرنا پادری صاحبان کی سینہ زوری ہے۔ علاوہ اس کے اس عبارت کو روزے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں کھانے پینے میں پرہیز کرنے والوں کے حق میں اِرشاد ہے کہ اپنے اخلاق بھی اچھے رکھیں۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔

یہودیوں اور مسیحیوں کے علاوہ مسلمانوں میں بھی ہیں جو پرہیز گاری کی راہ سے پانی بھی چھان کر پیتے ہیں۔ مگر مزاج کے کڑوے اور بد اخلاق ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ اِرشاد بالکل بجا ہے۔ اس کو روزہ سے کوئی تعلق نہیں۔ روزے کا ثبوت متی کی عبارت مرقومہ سے صاف ثابت ہے۔

اگر اس عبارت کو اصطلاحی روزہ سے کچھ تعلق ہوتا تو الفاظ یوں ہوتے کہ

خدا کی رضاجوئی جو صرف کھانا پینا چھوڑنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

چنانچہ ایک حدیث نبوی کا مضمون بھی یہی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس للّٰہ حاجة ان یدع طعامه و شرابه ---- (الحدیث)

ترجمہ: جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور برا کام کرنا ترک نہ کرے خدا کو اس کی پرواہ نہیں کہ اس نے اپنا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔

پس عبارت مذکورہ کو روزہ کے ساتھ وابستہ کرنا آپ کی زبردستی ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک عام اخلاقی تعلیم ہے۔

پادری صاحب!: اسلام پر اِعتراض کرتے ہوئے اپنی مقدس کتابوں کو بنظر غائر دیکھ لیا کریں اور دِل میں یقین رکھا کریں کہ غیر مسیحی لوگ بھی ان کتابوں کی تعلیم سے واقف ہیں۔

آگے چل کر پادری صاحب نے اِسلام کے حکم متعلقہ قربانی پر بھی اِعتراض کیا ہے۔ مگر اعتراض بھی ایسا مزیدار ہے کہ اس کا جواب دینے کو جی نہیں چاہتا آپ لکھتے ہیں کہ۔

"جانوروں کی قربانی کا اصول در حقیقت مذہب کی عالمگیریت کے منافی ہے۔"---- ص ۵۵)

پادری صاحب: تورات کی قربانیاں بھی آپ کو یاد ہیں؟ (ملاحظہ ہو کتاب احبار باب ۱ تا ۱۰) اسلامی قربانی کیوں منافی ہے؟ کیا اس لئے منافی ہے کہ ہر جگہ قربانی کے لئے جانور نہیں ملتے؟ نہیں جانوروں کی کم یابی کی وجہ سے منافی نہیں بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے جو نہایت معقول اور دِل پذیر ہے۔ چنانچہ پادری صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ

"ہندوستان کو دیکھ لو ہر سال قربانی کی عید پر فساد ہوتا ہے۔ کیونکہ اہل اسلام کی قربانی سے اہل ہنود کی دِل آزاری ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اِسلام کا یہ اصول اور حکم ہر ملک پر حاوی نہیں ہو سکتا۔" ---- ص ۵۶)

جواب اول: پادری صاحب! آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندو لوگ عام قربانی پر خفا نہیں ہوتے۔ بلکہ خاص گائے کی قربانی پر خفا ہوتے ہیں۔ اگر ہم ایسے موقع پر جہاں فساد کا خطرہ ہو۔ بھیڑ بکری کی قربانی کر لیں۔ پھر تو قربانی کا حکم عالمگیر مذہب کے منافی نہ ہو گا۔؟

جواب دوم: کسی قوم کی بے جا ناراضگی کی وجہ سے اگر کوئی مذہبی عمل غلط ہو سکتا ہے۔ تو آپ بتائیے کہ پنجاب کے دیہات میں جاٹ خصوصاً سکھ لوگ جو مسلمانوں کی مسجدوں میں اذان ہونے اور عیسائی گرجاؤں میں گھنٹے بجنے پر خفا ہوتے ہیں پھر کیا ان کی ناراضگی سے یہ افعال بھی عالمگیریت کے منافی ہیں۔ عالمگیر مذہب کی جو تعریف آپ نے کی ہے۔ اس پر نظر ثانی کر کے یہ فقرہ بھی بڑھا دیجئے کہ۔

عالمگیر مذہب وہ ہوتا ہے۔ جس کی تعلیم سے کوئی قوم یا شخص رنجیدہ نہ ہو۔ پھر ہم پوچھیں گے کہ مسیحی لوگ جب اپنی کسی بستی میں گائے ذبح کرتے ہیں تو اس سے بھی ہندو قوم ناراض ہوتی ہے یا نہیں؟ پس سمجھ لیجئے کہ ؎

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

علاوہ اس کے ذرا اوپر چلئے! مسیح کی تعلیم سے یہودی ناراض ہوتے تھے یا نہیں؟ ضرور ہوتے تھے۔ بلکہ ایسے ناراض ہوئے کہ ہندو لوگ بھی مسلمانوں کی قربانی سے اتنے ناراض نہیں ہوتے تھے۔ یہودی تو مسیح کے حق میں اپنی ناراضگی کا اظہار ایسے سنگین لفظوں میں کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ ؎

اگر گویم زبان سوزد

اس کے بعد پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"ہم نے کتاب مسیحیت کی عالمگیری کے باب دوم میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ کلمتہ اللہ (مسیح) کے اصول جامع اور عالمگیر ہیں" ----(ص ۵۶)

آپ کی اس مایہ ناز کتاب کا جواب اس کتاب کے باب دوم میں دیا جائے گا۔

جواب: انشاء اللہ! پادری صاحب اصول مناظرہ کے ماتحت اپنی پوزیشن کی پروا نہیں کرتے۔ ہم اپنی حیثیت سے کیوں گریں۔ آپ اس امر کے مدعی ہیں کہ "قرآن کے اصول عالمگیر نہیں ہیں۔" ہم اتنے حصے کے جواب دہ ہیں۔ باقی رہا انجیل کا عالمگیر ہونا۔ یہ ایک الگ مضمون ہے۔ اس لئے اس کا جواب بھی الگ ہو گا۔ آپ تو اپنی حیثیت کو ملحوظ نہیں رکھتے ہم آپ کے پیچھے کیوں چلیں۔ ؎

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے' ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں۔

"قرآن کے اصول اور اسلام کے احکام عالمگیر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد نہیں بلکہ قیود شریعہ کی زنجیروں اور دیگر پابندیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ وہ جامد اور ٹھوس ہیں جو ضرورت زمانہ اور حالت خاص کے مطابق نہیں ڈھالے جا سکتے ہیں۔ ضروریات زندگی تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ پس وہ ہر ملک' قوم اور زمانہ کے لئے یکساں نہیں ہوتیں۔ لیکن اسلامی احکام ان تغیرات کے مطابق حسب ضرورت چسپاں نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ شارع کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے احکام کا غیر عرب پر بھی اطلاق کیا جائے گا۔ تمام دُنیا کے ممالک کے لوگ اور ہر زمانہ کے مختلف افراد ایک ہی لاٹھی سے ہانکے نہیں جا سکتے۔ خود حضرت رسول عربیؐ کی عین حیات میں آپ کو موقعہ اور محل کے مطابق اور تغیر حالات کے باعث چند احکام بدلنے پڑے تھے۔ ناسخ و منسوخ کا مسلمہ مسئلہ اس امر پر شاہد ہے۔" ----(ص ۵۷)

مجیب: اس کا جواب کتاب ہذا کے صفحہ پر آچکا ہے' جہاں نماز کا ذکر ہے۔ یہاں بھی ہم مختصر جواب دیتے ہیں کہ اِسلام کا کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے۔ جو کل دنیا کی اقوام پر حاوی نہ ہو سکے۔

سب سے پہلا حکم توحید و رسالت کا عقیدہ ہے یعنی کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" پر اِیمان لانا' دوسرا حکم پنجگانہ نماز پڑھنا ہے' تیسرا حکم زکوۃ ادا کرنا ہے چوتھا حکم ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہے۔ پانچواں حکم عمر بھر میں ایک دفعہ حج کرنا ہے۔ یہ سب حکم ایسے عالمگیر ہیں کہ ان کی شہادت زمانہ کے واقعات دے رہے ہیں کہ آج مسلمان کروڑہا کی تعداد میں ہر براعظم اور ہر ملک میں آباد ہیں' جہاں ان احکام کی تعمیل برابر ہوتی ہے۔ آپ مزید تحقیق کرنا چاہیں تو دو راستے کھلے ہیں۔

۱- دُنیا کا سفر کر کے اِسلامی ممالک دیکھ لیں۔

۲- اِبن بطوطہ کا سفرنامہ پڑھ لیں یا انگریز پروفیسر مسٹر آرنلڈ کی کتاب میں مصنف نے کل دُنیا میں اِشاعت اِسلام اور اہل اِسلام کے مذہبی اَعمال کا ذکر کیا ہے۔ ان دو طریقوں میں سے جو طریقہ بھی آپ اِختیار کریں گے۔ اس کے بعد اُمید ہے کہ آپ اس اِعتراض کو واپس لے لیں گے۔

اسی ضمن میں آپ نے لارڈ ہیڈ لے (انگریز نو مُسلم) کی ایک چٹھی کا اقتباس نقل کیا ہے کہ

> انگریزوں کو سور اور شراب کے ترک کرنے اور نماز پنجگانہ پڑھنے کا حکم دینا ان کی طبیعت کے خلاف ہے۔۔۔۔ (ص ۱۶)

مجیب: پادری صاحب! یہ احکام اِسلام قبول کرنے سے مانع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لارڈ ہیڈلے کو بھی اِسلام لانے سے مانع نہیں ہوئے۔ مگر مسیح کا اِرشاد ذیل ہدایت قبول کرنے سے سخت مانع ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

> "مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا اور مورچہ خراب کرتے ہیں اور جہاں چور سیندھ دیتے ہیں۔ بلکہ اپنا مال اپنے لئے آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا نہ مورچہ خراب کرتے ہیں اور نہ وہاں چور سیندھ دیتے نہ چراتے ہیں۔" ---- (انجیل متی باب ۶: ۲۰'۱۹)

مجیب: پادری صاحب! بتائیے کہ اس حکم پر یورپ اور امریکہ کے لکھ پتی ساہو کار بلکہ ہندوستانی کلیسا بھی عمل کر سکتی ہے اور دُنیا بھر کے غیر مسیحی تجارت پیشہ لوگ، ساہو کار، سیٹھ اور امیر لوگ کہاں تک اس حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں- خود مسیح کے سامنے ایک ایسا ہی واقعہ پیش ہوا تھا- جس کے اصل الفاظ یہ ہیں-

"تب یسوع نے (ایک متلاشی نجات) سے کہا- اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو جا کے سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے کہ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا تب آکے میرے پیچھے ہولے، وہ جوان یہ سن کر غمگین چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا-"

"تب یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں تُم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت [1] میں داخل ہونا مشکل ہے- بلکہ میں تُم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو-" ---- انجیل متی باب ۱۹: ۲۱ تا ۲۴)

مجیب: پادری صاحب! یہی مالدار متلاشی نجات اگر دربار محمدی میں حاضر ہو کر عرض کرتا تو وہاں سے اس کو یہ حکم صادر ہوتا-

"تو ایک سال گزرنے پر اپنے مال کا چالیسواں حصہ راہ خدا میں دے دیا کر اور باقی اپنی ضروریات کے واسطے محفوظ رکھ لیا کر-"

تو شخص مذکور اس حکم پر بڑی خوشی اور آسانی سے عمل کر کے نجات اخروی کا مستحق ہو جاتا اور پہلے کی طرح سارا مال فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کی صورت میں نجات سے محروم نہ رہتا اللہ اللہ، کیسی سخت ہدایت ہے کہ مالدار کا نجات پانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے-

مسیحی دوستو! آؤ ہم دونوں (مسیحی اور مسلم) ان دونوں تعلیموں (محمدی اور مسیحی) میں امتحان دیں- پھر دیکھیں کون پاس ہوتا ہے کون فیل ؎

---

[1] اس سے مُراد نجات ہے ---- (مجیب)

بس ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

علاوہ اس کے خنزیر اگر حرام خور قوم کو قبول اِسلام سے مانع ہے تو یہ قبول مسیحیت سے بھی مانع ہے۔ کیونکہ خنزیر کے متعلق جو حکم قرآن میں ہے وہی حکم تورات میں بھی ہے۔ اس کتاب کی تمہید میں ہم لکھ چکے ہیں کہ تورات ہی مسیحیت کے لئے شریعت کی کتاب ہے۔ اس بارے میں تورات کی ہدایت یہ ہے۔

"سور کہ کھراس کا وہ حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے پر۔ وہ جگالی نہیں کرتا۔ وہ بھی ناپاک ہے تمہارے لئے، تُم ان کے گوشت میں سے کچھ نہ کھائیو اور ان کی لاشوں کو نہ چھوئیو کہ یہ ناپاک ہیں تمہارے لئے۔" ---(احبار باب ۱۱: ۷، ۸)

مجیب: حرمت خنزیر کے متعلق یہ عبارت بالکل صاف ہے۔ [1] اس لئے ہم پادری صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ جب تک وہ تورات کی اس ہدایت کو منسوخ کرکے نئی بائیبل نہ شائع کریں۔ اِشاعت اِسلام کے لئے خنزیر کو بطور رکاوٹ پیش نہ کیا کریں بلکہ مناسب ہے کہ ہم دونوں آپس میں مشورہ کرلیا کریں۔ کہ خنزیر کے بدلے ان لوگوں کو کیا چیز دی جائے۔ جسے لے کر وہ دِین حق کی طرف رجوع کرسکیں ہم اپنی طرف سے گوشت خوروں کے سامنے دنبے بکرے وغیرہ کا گوشت پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ ہم سے متفق ہیں تو ہم کہیں گے۔

شکر اللہ کہ میان من و تو صلح فتاد

اگر آپ کے پاس کچھ اور ہے تو اپنی مذہبی تعلیم کے ماتحت اسے پیش کیجئے۔

اسی ضمن میں آپ نے ایک آزاد روش مسلم کا کلام پیش کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

---

[1] حرمت شراب کے لئے دیکھو امثال ۲۰: ۱ ۲۱ و رپولوس کا خط بنام افیسوں ۵: ۱۸

"اگر اِسلام ایک عالمگیر مذہب ہے تو کیوں ہم عربی قومی خصائص کے لئے مثلاً ختنہ' عقیقہ طواف کعبہ' سعی' صفا و مروہ و امتناع لحم خنزیر' احکام وراثت' نکاح طلاق و ازدواج بیع و شرا بلکہ ایک خاص طریقہ عبادت کے لئے جو بالتخصیص عربی زبان میں ہو مجبور کیے جاتے ہیں-

(مقولہ "نگار" مندرجہ کتاب زیر جواب ص ۶۳)

مجیب: پادری صاحب! آپ مثل مشہور "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کیوں صحیح ثابت کر رہے ہیں اگر آپ ایسے آزاد رو لوگوں کی رائے کا سہارا تلاش کریں گے تو ہم بھی مسٹر بریڈ لا (جن کے نام سے لاہور میں بریڈ لا ہال بنا ہوا ہے) جیسے معزز رکن پارلیمنٹ انگلستان کی کتاب "تناقضات بائیبل" پیش کردیں گے' پھر شکایت نہ ہو-

سنئے اس عبارت میں آپ نے ختنے کا ذکر کیا ہے- اس کا حکم بھی تورات میں موجود[1] ہے- عقیقہ بھی تورات کی بے حساب قربانیوں میں داخل ہے- طواف کعبہ بھی اِشاعت اِسلام سے مانع نہیں ہے- کیا آپ نے کبھی سنا نہیں ہے کہ جس طرح عرب لوگ اعمال حج ادا کرتے ہیں' اِسطرح ہندوستان' جاوا سماٹرا اور چین' روس وغیرہ ممالک کے لوگ بھی مناسک حج بجالاتے ہیں- معلوم نہیں آپ واقعات سے چشم پوشی کیوں کرتے ہیں کیا کسی دور دراز ملک کے لوگوں نے آپکے پاس شکایت کی ہے کہ ہم اسلئے اِسلام میں داخل نہیں ہوسکتے کہ اِسکے احکام کی تعمیل ہم سے نہیں ہوسکتی- جبکہ خدا کے فضل سے ہر ملک کے لوگ احکام اِسلامیہ کی تعمیل کررہے ہیں تو آپ قاضی صاحب کی طرح شہر کے اندیشہ سے کیوں دبلے ہوئے جارہے ہیں- باقی رہا یہ سوال کہ عبادت کے وقت عربی الفاظ کے اِستعمال پر کیوں مجبور کیے جاتے ہیں- آپ ہماری طرف سے ایڈیٹر "نگار" کو اطلاع دے دیں کہ اُن کو عربی الفاظ میں نماز پڑھنی اگر مشکل ہوتی ہے تو حسب فتویٰ امام ابو حنیفہ صاحب" اپنی مادری زبان میں پڑھ لیا کریں پس یہ وجہ بھی قبول اِسلام سے مانع نہیں ہوسکتی اگر اُن کو پڑھنی ہی نہیں تو ناحق حجتیں نہ تراشا کریں-

ہاں آپ نے ایک عجیب فقرہ لکھا ہے- جس کی تصدیق دُنیا میں شاید کوئی ایک شخص

[1] پیدائش ۱۷:۱۰

بھی نہ کرے گا۔ گو یہ فقرہ بھی کسی آزاد خیال مسلم کی رائے ہے۔ مگر آپ نے اسے اپنی تائید سمجھ کر نقل کیا ہے اس لئے اسے بھی ہم آپ ہی کی طرف منسوب سمجھتے ہیں۔ فقرہ مذکور یہ ہے۔

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اِسلام میں تغیر کا خیال ہی ندارد ہے۔ اس لئے ترقی کا جوہر بھی مفقود ہے۔

مجیب: اس کا جواب بالکل آسان ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ

مسیحی تاریخ کی ابتداء سے پیغمبر اِسلام علیہ السلام کی بعثت تک چھ صدیوں کے واقعات سامنے رکھ لیں۔ اسی طرح بعثت محمدیہ سے چھ سو سال تک کے واقعات کو ملحوظ رکھیں۔ پھر علم تاریخ کی شہادت سے ان دونوں زمانوں کا موازنہ کرنا چاہیں تو ہم آپ کی دعوت پر آپ کے گرجے میں آکر مقابلہ کرکے دکھانے کو تیار ہیں۔ بے شک آپ سارے یورپ کی مسیحی تاریخ کو سامنے رکھیں اور ہم مختلف ممالک میں اِشاعت اِسلام کی تاریخ کو آپ کے سامنے رکھ دیں گے اور اپنی تقریر کو اس شعر سے شروع کریں گے۔ ؎

اِدھر آپیارے ہنر آزمائیں تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

اگر آپ اس مقابلہ کی تکلیف برداشت نہ کر سکیں یا آپ کے احباب اس سے مانع ہوں تو ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ انگریز پروفیسر آرنلڈ کی کتاب "پریچنگ آف اِسلام" (دعوت اِسلام) کا مطالعہ کرکے صحیح رائے قائم کریں۔

قارئین! خدا کی شان ہے کہ اِسلام جو اپنے اندر ہر قسم کے پر حکمت احکام رکھتا ہے۔ (اعتقادیہ ہوں یا عبادیہ' اخلاقیہ ہوں یا سیاسیہ) اس پر اِعتراض کرنے کو وہ صاحب پیش ہیں۔ جن کے مذہب کی اصل تعلیم میں ترقی کرنے کا نمونہ یہ ہے۔

"ظالم کا مقابلہ نہ کر بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کرکے تیری قبا لے کرتے کو بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بے کار لے جاوے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔" ---(متی باب ۵:۳۹ تا ۴۱)

مجیب: کیا ہی دِل خوش کن تعلیم ہے جو سوائے کتابی زینت کے عمل میں آہی نہ سکے۔

مثال: پچھلے دنوں گاندھی جی نے اپنے عقیدہ کے ماتحت جنگ یورپ سے متاثر ہو کر وزیر اعظم برطانیہ کو لکھا تھا کہ

"ہٹلر اگر انگلستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اپنا ملک بلا مقابلہ اس کے حوالے کردو۔"

حکومت انگلستان کی طرف سے اس کا جواب جو آیا اس کا مضمون اس شعر میں ہے

؎

نہ کریں میرے لئے حضرت ناصح تکلیف — خود طبیعت دِل بے تاب کو سمجھالے گی

یہ ہے مسیحی مذہب کی ترقی کا ذریعہ جو در حقیقت تنزل بلکہ موت کے برابر ہے مسیحی قوم کا بنیادی پتھر قسطنطین اعظم ہوا ہے۔ قسطنطنیہ کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس بادشاہ کے جانشینوں نے بھی عربوں اور ترکوں کے حملوں کے وقت اس سنہری اصول پر عمل نہیں کیا بلکہ بڑے زور سے حملہ آوروں کا مقابلہ کرکے آخری دم تک جان توڑ مزاحمت کرتے رہے۔ حالانکہ یہ لوگ مذہب کے لحاظ سے بڑے پکے عیسائی تھے۔ اس کے علاوہ صلیبی جنگوں میں مسیحیوں نے جو کچھ کیا وہ کسی تاریخ دان سے مخفی نہیں ہے نہ صرف یہ کہ ظالم کا مقابلہ نہ کیا بلکہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ آور ہونے کو یورپ کی کل مسیحی سلطنتیں متفق ہوگئیں، وہ شریف اِنسان رچرڈ شیر دِل ان سب کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ جس میں سب پادری شریک ہوئے یہ لوگ سوتے اُٹھ کر صبح کو اپنے خواب سناتے کہ۔

"آج رات مقدسہ مریم نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ میرے بچوں کو کہہ دو کہ اس جنگ میں خوب ڈٹ کر لڑو۔"

جب پادری لوگ اس تدبیر سے بھی کامیاب نہ ہوئے تو یہ بات بنائی کہ چونکہ فوج کے سب سپاہی گنہگار ہیں اس لئے فتح نہیں ہوتی۔ ہمیں چاہئے کہ معصوم (بے گناہ) بچوں کی فوج تیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے نابالغ بچوں کی ایک فوج بنائی۔ جس کا افسر بھی ایک گڈرئے کا لڑکا مقرر ہوا۔ جس کی عمر قریباً گیارہ سال تھی۔ نابالغوں کی اس فوج نے گاڑیوں میں بیٹھ کر یروشلم کا رخ کیا۔ راستے میں جب کوئی بستی آتی تو بچے پوچھتے کہ یروشلم یہی ہے۔ اس سفر میں ہر مقام کے مسیحی لوگ ان کی خوب خاطر تواضع کرتے اور پادری لوگ ان کو دعائیں دیتے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ باد مخالف چلنے کی وجہ سے ان مجاہدین کے کچھ جہاز تو سمندر ہی میں غرق ہوگئے

اور جو باقی بچے وہ کسی اور ساحل پر جا لگے----(ہائی روڈ آف ہسٹری)

پادری صاحب!: کیا اس جنگ میں مسیح کی یہ تعلیم کہ ظالم کا مقابلہ نہ کر- عمل میں لائی گئی یا ترک کی گئی

علاوہ اس کے موجودہ جنگ یورپ ۴۰ء ۴۱ء میں مسیحی قومیں جو کچھ کر رہی ہیں وہ مسیح کی تعلیم عدم تشدد کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟ ؎

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی ــــــ تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ایک اور حوالہ: پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

"مولانا عبدالماجد صاحب بھی' اسے مرحوم مولانا محمد علی کے اخبار "ہمدرد" دہلی میں بعنوان "ہماری بے بسی" یہ سوال پوچھتے ہیں اور فرماتے ہیں "ہم کو جو مذہبی آزادی ہندوستان میں حاصل ہے اِسکا اندازہ روز مرہ کی چند مثالوں سے فرمایئے- ہم میں سے ایک شخص حرامکاری کا مرتکب ہوتا ہے- اِسکے بعد وہ اپنے تیئں حد شرعی کیلئے پیش کرتا ہے- کیا قانون وقت ہم کو اِسکی اجازت دے گا کہ ہم اُسے سنگسار کریں؟ ایک مسلمان چوری کرتا ہے دوسرے مسلمان اِسکا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہتے ہیں- کیا اس اِسلامی سزا دینے کے بعد وہ مسلمان خود سرکاری مجرم نہ قرار پائیں گے؟ شراب کی آزادانہ تجارت اور آبکاری وافیون کے محکموں کو مسلمانان ہند اگر توڑنا چاہیں تو ازروئے قانون توڑ سکتے ہیں؟"--(۱۹/ فروری ۱۹۲۵ء ص ۶۷)

مجیب: اِس اقتباس کا مطلب بجائے خُود صحیح ہے- اس کی تفصیل یہ ہے کہ اِسلام کے احکام دو قسم کے ہیں- ایک وہ احکام ہیں جو (مسلم افراد) کے لئے ہر حال میں واجب العمل ہیں- جیسے نماز روزہ وغیرہ- یہ تو کسی حالت میں بھی نہ مرفوع ہیں اور نہ مشکل' اِسلامی احکام کا دوسرا حصہ سیاست اور حکومت پر مبنی ہے- یعنی اس قوم سے متعلق ہے جو برسر حکومت ہو- اسی حصے میں قوانین فوجداری اور تعزیرات وغیرہ شامل ہیں- پیغمبر اِسلام علیہ السلام کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے- ایک حصہ مکی ہے' دوسرا مدنی- آپ کی مکی زندگی میں سیاسی امور داخل نہ تھے- بلکہ مدنی زندگی میں داخل ہوئے تھے- اس کے باوجود اِسلام مکہ شریف میں بھی مکمل تھا اور مدینہ منورہ میں بھی مکمل تھا- پیغمبر اِسلام علیہ السلام کی زندگی جو خدا کی تقدیر سے دو حصوں میں منقسم ہوئی اس میں یہی راز مخفی ہے کہ جو مسلم قوم اپنی غفلت

یا بدقسمتی سے برسرحکومت نہ ہونے کے باعث تعزیرات جاری نہ کرسکے- عند اللہ وہ بھی با ایمان مسلم متصور ہو- جیسے وہ غریب مسلمان جس کے پاس مال نہیں ہے- خیرات اور حج ادا نہ کرنے کے باوجود بھی مسلمان ہے-

پادری صاحب!: آپ ایم-اے ہو کر اِسلام ی تاریخ سے اتنے ناواقف کیوں ہیں؟ کیا آپ نے اسلامی تاریخ میں نہیں پڑھا کہ اِسلام ہندوستان میں تو بے شک فاتحانہ انداز میں آیا- مگر چین دوسرے ممالک میں تاجرانہ اور سیاحانہ حیثیت سے داخل ہوا- ابتداء سے آج تک وہاں اِسلام ی حکومت قائم نہیں ہوئی- مگر مسلمان کروڑوں کی تعداد میں وہاں پائے جاتے ہیں- پس یہ تاریخی واقعات ہماری تائید کرتے ہیں- اِسلام حکومت کی حالت میں بھی دِین اِلٰہی ہے- اور رعایا ہونے کی صورت میں بھی دِین اِلٰہی ہے- جس طرح امیری کی حالت میں بھی اِسلام دِین اِلٰہی ہے- اسی طرح غریبی کی حالت میں بھی دِین اِلٰہی ہے- ہاں اس میں شک نہیں کہ برسرحکومت ہو کر مسلم قوم اسی طرح ایک معزز قوم شمار ہوتی ہے- جس طرح آجکل ہندوستان میں انگریز ہیں- مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ماتحت اقوام مسلمان نہیں- دیکھئے ہندوستان میں مختلف قومیں جیسے پٹھان، ترک اور مغل وغیرہ آئے لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ حاکم قوم نے اپنے ماتحت ہندوستانی مسلمان قوموں کو مسلمان ہی نہ سمجھا ہو-

پس اقتباس مذکورہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا (کسی طرح صحیح نہیں جو آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں نکالا ہے)-

"کیا اس قسم کا اضطرار اور بے چینی یہ ثابت نہیں کرتی کہ اِسلام ی قوانین عالمگیر نہیں ہیں آج کونسی مہذب سلطنت زناکاری کی سزا سنگساری اور چوری کی سزا قاطع سارق تجویز کرے گی- یہ قوانین رسول عربی کے زمانہ کے اہل عرب کے لئے نہایت موزوں تھے- لیکن چونکہ وہ ابتدائی قرون اِسلام کے لئے موزوں ہوئے تھے- چودہ سو سال کے بعد دور حاضرہ کے حالات پر ان کا اطلاق نہیں ہو سکتا-" ---- ص ۶۷)

مجیب: عالمگیریت کا جواب تو ہو چکا- یہ نتیجہ نکالتے ہوئے غالبًا آپ کو حکومت حجاز کا علم نہیں ہو گا، جو آج ساری دُنیا میں اصل اِسلام ی حکومت کا نمونہ ہے میرا مشورہ ہے کہ آپ حج کے دنوں میں کسی مسیحی کو حجاز میں بھیجیں اور ساتھ ہی اس کو کہہ دیں کہ وہ

وہاں جاکر چوری کرے۔ پھر اگر وہ اپنے ہاتھ سالم لے کر آجائے تو مجھے اطلاع دیں۔ میں بھی اس کی زیارت کو آؤں گا۔ آپ نے ازراہ توہین اس زمانہ میں اسلام کے ان قوانین کا اطلاق نہ ہوسکنے کا چبھتا ہوا اعتراض کیا ہے۔

پادری صاحب!: واقعات صحیحہ اصل راہنما ہوتے ہیں۔ جن کی راہنمائی میں غلطی نہیں ہوسکتی۔ آپ ہندوستان میں جرائم کی رپورٹ ملاحظہ کریں آپ اپنی آسانی کے لئے اخبار "پرکاش" ۲۴ نومبر ۴۰ء دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ پرچہ آپ کو نہ ملے تو اپنی پڑوسی جماعت احمدیہ کا آرگن اخبار "پیغام صلح" مورخہ ۱۲ نومبر ۴۰ء ص ۳ دیکھ لیجئے کہ ملک میں ہر سال گذشتہ سال کی نسبت جرائم زیادہ ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے عرب میں جاکر دیکھئے جہاں اسلامی حکومت قائم ہے وہاں آپ چوری، رہزنی، زناکاری وغیرہ اخلاقی جرائم شاذ و نادر پائیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر اسلام کے حق میں آپ کے منہ سے بے ساختہ یہ شعر نکلے گا۔ ؎

اسلام!

کیا جانے تجھ میں کیا ہے۔ کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہاں میں کوئی حسیں نہیں

ہاں جناب! ہم تو اتنے حصے سے فارغ ہوگئے اور اب ہماری بھی سن لیجئے اور اپنے دوستوں کو بھی سنایئے۔

مسیح نے فرمایا ہے کہ میں تلوار [1] چلانے آیا ہوں---(گذشتہ صفحات میں درج ہے)

کیا ہندوستان کے مسیحی لوگ بھی اس حکم پر عمل کرسکتے ہیں۔ اگر کرسکتے ہیں تو شوق سے کریں اگر نہیں کرسکتے تو مسیحی مذہب عالمگیر کیسے ہوا۔ ؎

ہاتھ لا اُستاد کیوں کیسی کہی

تنبیہہ: صفحہ ۶۸ سے صفحہ ۷۴ تک پادری صاحب نے چند مسلم اہل قلم کی مختلف آرائیں نقل کی ہیں جو ان دنوں کی ہیں---------جن دنوں قانون خلع اور عدم

---

[1] متی باب ۱۰: ۳۴، ۳۵)

فسخ نکاح مرتدہ کا بل مرکزی اسمبلی میں پیش تھا- اس زمانہ میں بعض اہل علم کی رائے تھی کہ حکومت سے قانون بنوانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اپنی اصلاح خود کرنی چاہیے-

اس رائے کے اصحاب نے اپنی رائے کو قوت دینے کے لئے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ حکومت سے قانون بنوانا گویا شریعت کو ناقص ماننا ہے- بس پھر کیا تھا- "اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ" پادری صاحب بہت خوش ہوگئے کہ ہمارے ہاتھ بڑا زبردست ہتھیار آگیا- کیونکہ بعض مسلمان عالموں نے تسلیم کرلیا کہ اِسلام ایک غیر مکمل مذہب ہے- اسی کو کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا-

پادری صاحب!: احکام شریعت دو قسم کے ہیں' یہ تقسیم اِسلام سے مخصوص نہیں ہے- بلکہ ہر ایک مذہب میں پائی جاتی ہے- منوجی کا دھرم شاستر ہو یا شریعت موسوی' دونوں میں یہ تقسیم برابر پائی جاتی ہے- بعض احکام شخصی ہوتے ہیں جن کے ذمہ دار افراد ہوتے ہیں' بعض جماعتی جن کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے آپ نے ان اہل علم کی رائے تلاش کرنے میں ناحق زحمت اٹھائی ہے- میں آپ کو آسان راستہ بتائے دیتا ہوں- آئندہ اِعتراض کرنا ہو تو اس طرح کیا کرو کہ-

اسلام کے احکام چور کا ہاتھ کاٹو' زانی کو سزا دو وغیرہ اس قسم کے احکام چونکہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں- اس لئے عام مسلمان ان جرائم کی سزا نہیں دے سکتے پس اِسلام ایک نامکمل مذہب ہے' کیونکہ ہر ملک میں اس کے احکام کی تعمیل نہیں ہوتی-

پادری صاحب! دیکھنا ؎

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ ہی
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

شریعت کا کامل یا غیر کامل ہونا تو اس امر پر موقوف ہے کہ اس کے احکام قابل عمل ہیں یا نہیں- رہا یہ کہ ان کے عمل درآمد میں کوئی امر مانع ہو تو یہ بات اس میں دخل انداز نہیں ہے- اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی گاؤں میں وبا پڑ جائے اور وہ لوگ رمضان کے روزے نہ رکھ سکیں تو روزوں کی فرضیت پر کوئی اِعتراض نہ ہوگا' یہی حال پادری صاحب کا ہے- مسیحی مذہب پر جو اِعتراضات ہیں ان پر آپ غور کرتے ان کی تفصیل ہم رسالہ ہذا کے

دوسرے باب میں کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ!

پادری صاحب نے رسالہ زیر جواب کے صفحہ ۷۵ سے صفحہ ۸۱ تک اہل قرآن اور اہلحدیث کے مناظرات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں خاکسار ابوالوفاء اور مولوی احمد الدین امرت سری کے تحریری مکالمے کا بھی ذکر ہے اور آپ نے از خود حکم بن کر یہ فیصلہ بھی دیا ہے کہ اہلحدیث حق بجانب ہیں (شکریہ!) نتیجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنوعی حکم کا فیصلہ کسی ذاتی غرض پر مبنی ہے وہ غرض یہ ہے کہ قرآن کو غیر مکمل کتاب ثابت کیا جائے چنانچہ اس بحث کے اخیر میں آپ نے یہی نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

"قرآن اک غیر مکمل کتاب ہے۔" (صفحہ ۹۰)

اس لئے میں اس مناظرے کی روئداد سے اپنے پہلے پرچے کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

قرآن اور حدیث کے تعلق کا ذکر کرنے کے بعد میں نے یہ فقرے بھی لکھے تھے کہ

"اس کی مثال آج کل کی اصطلاح میں یوں ملتی ہے کہ قانون سازی لیجسلیٹو کونسل کا کام ہے ہائی کورٹ کا کام قانون سازی نہیں مگر جس قانونی دفعہ پر ہائی کورٹ کسی صورت میں فیصلہ کر دے تو تمام صوبہ کے لئے وہ فیصلہ مثل قانون کے نافذ ہوتا ہے۔ اور اگر پریوی کونسل کے جج کسی جانب رائے قائم کر دیں تو (ان کا فیصلہ) سارے ممالک محروسہ کے لئے حجت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ فیصلہ قانون نہیں بلکہ قانون کی تشریح اور حسب قانون فیصلہ ہے' ٹھیک اسی طرح پیغمبر خداؐ کی حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ نسبت خاص حاصل ہے۔ اس لئے حدیث نبوی کے احکام کو خدا تعالیٰ نے اَحکام اِلٰہیہ میں شمار کیا ہے۔"

چنانچہ اِرشاد ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُو الصَّلٰوةَ

----(پ۵:ع۸)

ترجمہ "اے نبی! آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کو کہا گیا کہ جنگ سے ہاتھ بند رکھو اور نماز پڑھتے رہو۔" ----(برہان القرآن صفحہ ۸)

پادری صاحب!: قرآن اور حدیث کے باہمی تعلق کی تصویر ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اہل قرآن کو بھی اس سے اِنکار نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی بعض قرآنی احکام کو باوجود عموم لفظی کے احادیث سے خاص کر لیتے ہیں' مثلاً نماز جمعہ کا حکم' جس کی بابت آیت کریمہ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃ" میں لفظ عام ہے- یہ لوگ سخت گرمی کے موسم میں عام مسلمانوں کی طرح دوپہر کے وقت ہی نماز جمعہ پڑھتے ہیں- "فتفکرو یا اولی الالباب"

تنبیہہ ضروری: پادری صاحب عمر کے لحاظ سے ابھی بڑھاپے کو نہیں پہنچے- مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ پر نسیان غالب ہے اس لئے علم کلام کی رو سے آپ اپنی حیثیت بھول جاتے ہیں- پس وہ غور سے سنیں' قرآن مجید' (بالفرض) اگر جملہ ضروری احکام نہیں ہیں اور ایسے احکام ہم حدیثوں سے اخذ کریں تو بھی قرآن کے عالمگیر ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا' کیونکہ عالمگیر مذہب کی تعریف میں آپ نے لکھا ہے کہ

> "عالمگیر مذہب کی لازمی شرط ہے کہ اس کے اصول دُنیا کے کل ممالک اور اقوام پر حاوی ہو سکیں اور اس کا پیغام یہ اہلیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو-" ---- توضیح البیان صفحہ ۱۵)

اس کی تعریف کی روشنی میں' میں کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید میں اگر فقط ایک دو حکم ہوتے مثلاً نماز اور زکوۃ تو بھی قرآن عالمگیر ہو سکتا تھا- کیونکہ اس حالت میں بھی سب قومیں اس پر عمل کر سکتی ہیں-

آپ اپنے مذکورہ الفاظ کو غور سے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی مذہب کی عالمگیریت اور چیز ہے احکام کی تفصیل اور چیز ہے آپ عالمگیریت اور تفصیل کو لازم ملزوم قرار دینے میں غلطی پر ہیں- پس آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں- اس کے برخلاف لکھتے ہوئے یہ بات دِل میں رکھا کریں کہ مسلم متکلمین بال کی کھال اتارنے والے ہیں- ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

قارئین کرام! پادری صاحب کی بے چارگی ملاحظہ کیجئے کہ قرآن مجید کی عالمگیریت پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کے نام پیش کرتے ہیں جو جمہور اسلام میں اسی نظر سے دیکھے

جاتے ہیں۔ جس نظر سے عیسائیوں میں یورپ کے اہل بدعت اور ملحدین کو دیکھا جاتا تھا۔

جہاں تک نفس قرآن کی تعلیم کے مضمون کا تعلق ہے۔ وہ تو ختم ہو گیا۔ باقی رہا آپ کا خطاب قادیانیوں اور لاہوریوں سے' سو اس کے جواب دہ وہی لوگ ہیں۔ چنانچہ آپ کے مندرجہ ذیل الفاظ۔

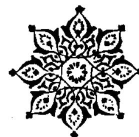
"جب سے مولوی محمد علی صاحب ایم' اے نے قادیان کی تاریک چار دیواری سے جہاں علم و عقل کا دم گھٹتا ہے' نکل کر لاہور کی علمی فضا میں سانس لینا شروع کیا ہے۔ آپ نے اپنے پیر حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کرشن ثانی کی بعض باتوں اور فاسد عقیدوں سے عملاً توبہ کرنی ہے۔" ---- صفحہ ۶۸)

اتباع مرزا کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں' آپ جانیں اور وہ جانیں۔ آپ کی پارٹی کے رکن رکین پادری عبدالحق صاحب ہمیں کہا کرتے ہیں کہ

آپ (ثناء اللہ) ہمارے اور اتباع مرزا کے معاملات میں دخل نہ دیا کریں کیونکہ ہم دونوں مسیحی ہیں' فرق اتنا ہے کہ ہم مسیح ناصری کے پیرو ہیں اور وہ مسیح قادیانی کے۔

اس لئے ہم ان کے مشورے کے مطابق آپ کے اور احمدیوں کے معاملہ میں دخل نہیں دیتے بلکہ خاموش رہتے ہیں۔ بقول شاعر

"محتسب را درون خانہ چہ کار"





باب دوم

مسیحیت کی عالمگیری پر ایک نظر

سنے ہوں گے چمن میں سینکڑوں نالے ہزاروں کے
کلیجہ تھام لو اب دِل جلے فریاد کرتے ہیں!

پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی دوسری کتاب میں مسیحی مذہب کی عالمگیری پر بحث کی ہے۔ ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ عرب کا مقولہ

"تعرف الاشیاء باضد ادھا"

بہت مشہور ہے، یعنی چیزیں مقابلہ میں پرکھی جاتی ہیں۔

مگر اس کتاب میں آپ نے پھر وہی اصولی غلطی کی ہے، جو آپ جیسے مصنفوں سے بعید نہیں ہے، اصول معقول یہ ہے۔

ثبت العرش ثم النقش
پہلے تخت بناؤ پھر اس پر نقش کرو

علم مناظرہ کا اصول بھی یہی ہے کہ دعویٰ اگر قابل تشریح ہو تو پہلے اس کی تشریح کی جائے پھر اگر دلیل کی حاجت ہو تو دلیل بھی پیش کی جائے، یہی طریق آج کل عدالتوں میں بھی مروج ہے۔ مگر پادری صاحب کا عمل اس اصول پر ہے۔ ؎

نہ پیروی قیس نہ فریاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی اِیجاد کریں گے

پادری صاحب کو چاہئے تھا کہ اس کتاب میں پہلے مسیحی مذہب کی تصویر دکھاتے یعنی آپ بتاتے کہ مسیحی مذہب کے فلاں فلاں عقائد اور احکام ہیں جو ساری دُنیا کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے شاید آپ کو یہ نقصان ہوتا کہ مضمون چند

صفحات میں ختم ہو جاتا جو بلحاظ ضخامت کے کتاب کی بجائے کتیب (ٹریکٹ) میں موسوم ہوتا جو آپ جیسے بڑے پادری کی شان کے لحاظ سے بہت کم درجے کا سمجھا جاتا' خیر پادری صاحب نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ ہمیں اس سے کیا مطلب ؎

محتسب را درون خانہ چہ کار

آپ نے عالمگیر مذہب کی تعریف کے متعلق مختلف عنوانات کے ماتحت جو کچھ لکھا ہے اسے ہم یکجا لکھ دیتے ہیں۔ پادری صاحب فرماتے ہیں۔

۱۔ عالمگیر مذہب کی پہلی شرط یہ ہے کہ اُسکے اُصول ارفع اور اعلیٰ ترین ہوں۔ اُن اُصولوں میں یہ صفت ہو کہ دُنیا کے سب لوگوں کی ضمیریں اُن کو مان سکیں۔۔ (صفحہ۹)

۲۔ لازمی امر ہے کہ عالمگیر مذہب خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جس کے سامنے ہر زمانہ اور قوم کی گردنیں جھک جائیں۔۔۔۔ (صفحہ ۱۰)

۳۔ کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں۔۔ جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک' قوم اور زمانہ اور نسل کے لوگوں پر حاوی ہو سکے۔ وہ مذہب صرف ایک ملک یا قوم یا زمانہ یا پشت کے لئے ہی مفید ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ (صفحہ ۱۶)

۴۔ لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف زمانہ ماضی کے لئے کسی خاص قوم یا ملک یا پشت یا زمانہ کے صحیح رہبر رہ چکے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان اصولوں کا اطلاق دور حاضرہ کے تمام ممالک و اقوام پر ہو سکے۔۔۔۔۔ (صفحہ ۱۴)

۵۔ چونکہ عالمگیر مذہب کا تعلق کل اقوام عالم کے ساتھ ہے اور زمانہ ماضی دور حاضرہ اور زمانہ مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ اس کے اصول اعلیٰ ترین اور بلند ترین پایہ کے ہوں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول مذاہب عالم کے اعلیٰ اصول کے جامع ہوں۔۔۔۔ (صفحہ ۱۷)

۶۔ عالمگیر مذہب کے لئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ اس کے اصول اعلیٰ' ارفع' جامع اور کامل ہوں۔ بلکہ یہ اشد ضروری ہے کہ اس میں یہ کامل نمونہ بھی ہو۔۔ جس کی شخصیت میں وہ اعلیٰ اور افضل اصول پائے جائیں۔ والدین اور استاد اس حقیقت سے بخوبی

واقف ہیں کہ اصول کی تلقین سے نمونہ دکھانا بہتر ہوتا ہے----(صفحہ ۲۳)

مجیب: ان سارے اصولوں پر ہمارا اصاد ہے- ان اصولوں کے ذکر کے بعد پادری صاحب نے "مسیحیت" کے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے- جو انہی کے الفاظ میں درج ہے- پادری صاحب اصل مطلب کی بات یوں لکھتے ہیں کہ

"مسیحی مذہب اکیلا واحد مذہب ہے جو ان تمام شرائط کو جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے- بدرجہ احسن پورا کرتا ہے-

"کلمتہ اللہ (مسیح) کی تعلیم تمام اعلیٰ ترین اور بلند ترین اصول پر مشتمل ہے- مسیحیت خدا اور اِنسان کی نسبت وہ تعلیم دیتی ہے- جس سے دیگر مذاہب یکسر خالی ہیں- کلمتہ اللہ نے خدا کی ذات کی نسبت جو تعلیم دی ہے وہ بے نظیر لاثانی اور ابدی ہے-"----(صفحہ ٦٧)

قارئین!: زیر خط الفاظ کو غور سے پڑھیں- بس یہی ایک مرکزی بحث ہے- سب سے پہلے ہم اسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں کہ مسیحیت نے خدا کی نسبت کیا تصور پیش کیا ہے اور جو کیا ہے- وہ اس قابل ہے کہ کوئی عقل سلیم اسے قبول کر سکے- اسی جگہ ہم پادری صاحب کا ایک مختصر سا فقرہ نقل کرکے اس کو علم تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں- پادری صاحب نے نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں خدا اور مسیح کا تصور یوں دکھایا ہے کہ

عیسائی لوگ خداوند مسیح پر اِیمان رکھتے ہیں اور خدا پر اس لئے اِیمان رکھتے ہیں کہ وہ مسیح کی مانند ہے-"----(مسیحیت کی عالمگیری ۱۲۴)

اگرچہ یہی ایک فقرہ مسیحی مذہب کے خدوخال کی شناخت کے لئے کافی ہے- مگر تاریخ مسیحیت کی روشنی میں اس فقرہ کی تفصیل پر نظر ڈالتے ہیں- اس سے پہلے قارئین مختصر سی تمہید سن لیں- تیسری صدی عیسوی میں عیسائیوں میں مسیح کی شخصیت کی نسبت اِختلاف شدید پیدا ہوگیا- اس زمانہ میں بادشاہ قسطنطین اعظم عیسائی ہوچکا تھا- اس لئے اس نے مسیحی امت کی ہمدردی کے پیش نظر اس معاملہ میں دخل دے کر پادریوں کی ایک کونسل سے اس کا فیصلہ کرا دیا- جس کی تفصیل مندرجہ ذیل عبارت میں ملتی ہے تواریخ مسیحی کلیسا مصنفہ پادری ڈبلیو- ڈبلیو' پی ہیرس بی' اے میں لکھا ہے-

"شہنشاہ کونسٹنٹائن نے اس ارادہ سے کہ کلیسا میں زیادہ جھگڑے نہ پڑیں' ہسپانیہ کے شہر

کورڈوا کے بشپ ہوسس کو جو کہ مذہبی معاملات میں شہنشاہ کا صلاح کار تھا' اسکندریہ کو بھیجا اور الگزنڈر اور ایرس کے نام خطوط ارسال کئے جن میں تحریر فرمایا کہ یہ جھگڑا صرف لفظی تکرار ہے۔ خدا کے بھید اِنسانی سمجھ وادراک سے بالا ہیں۔ اس پر تو سکندریہ میں اور بھی آگ لگ گئی۔ زیادہ فساد مچنے لگا۔ سو ہوسیس واپس شہنشاہ کے پاس آگیا اور شہنشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ چونکہ اس اہم معاملہ کا فیصلہ ضروری تھا اور بعض اور بھی مشکلات تھیں۔ لہٰذا شہنشاہ نے کلیسا کے تمام بشپوں کی ایک کونسل بتھینیا کے شہر نائیسیہ میں ۳۲۵ء کے درمیان منعقد کی اگرچہ اس سے پیشتر بھی کئی کونسلیں ہوئیں۔ مگر وہ اپنے اپنے علاقہ کی ضروریات کے مطابق تھیں۔ لیکن یہ کونسل کونسل عمیم ہوئی۔ جس کا مدعا یہ تھا کہ تمام کلیساؤں کے وکیل جمع ہو کر اپنے اِیمان اور حقیقی برادری کو ظاہر کریں۔ اس کونسل میں قریباً ۱۵۰۰ڈیلیگیٹ اور ۳۰۰ سے زیادہ بشپ فراہم ہوئے جو عموماً مشرقی کلیساؤں سے آئے تھے چونکہ علاوہ مسئلہ ایریس کے اور باتیں بھی قابل فیصلہ تھیں اس لئے کونسل تین مہینہ تک قائم رہی۔ افتتاحی خطبہ خود شہنشاہ نے پڑھا۔ اگرچہ مباحثہ میں شہنشاہ شامل رہا' مگر معاملہ کونسل کے پریزیڈنٹوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اس کونسل میں تین پارٹیاں تھیں۔

(الف) آرتھوڈوکس' جن کی تعداد تیس کے قریب تھی۔ ان کے لیڈر الگزنڈر اسیس ہوسیس اور اتھاناسیس جو الگزنڈریا کا آرچ ڈیکن تھا۔

(ب) کونسٹروٹیو ان کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی۔ ان کا لیڈر قصریہ کا بشپ یوسی بیس تھا۔ یوں تو یہ لوگ ایرین خیالات سے متفق نہ تھے۔ مگر یہ خیال کرتے تھے کہ کلیسا کو اس سے چنداں نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس لئے ایریس سے چنداں سختی نہ کرنی چاہیے۔

(ج) ایرین' جن کا لیڈر ایریس تھا' اس کے ساتھ نکومیڈیا کا بشپ یوسی بیس اور بعض مشرقی بشپ تھے جو ایریس کو پسند کرتے تھے۔

بہت مباحثہ کے بعد نیکو میڈیا کے بشپ کی لیڈری میں اٹھارہ ایرین نے ایک ایرین عقیدہ کونسل میں پیش کیا اور کونسل سے منظوری کی درخواست کی' لیکن اس درخواست پر سخت شورش مچ گئی اور عقیدہ پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا۔ اس پر ایریس کے تمام دوستوں نے ایریس کو چھوڑ دیا اور ایرین ایزم نامنظور ہو کر رد کر دیا گیا۔ اس کے بعد قیصریہ کے بشپ یوسی

بیں نے وہ عقیدہ پیش کیا جو اس کی کلیسا میں رائج تھا' کونسل نے اس عقیدہ کو آرتھوڈکس ایمان ی عقیدہ منظور کیا۔ اس پر اتھاناسیس نے عقیدہ کو زیادہ واضح کرنے کی خاطر ذیل کی تین باتیں شامل کرنے پر زور دیا۔

(الف) خدا کا اکلوتا بیٹا بایں تشریح کہ وہ باپ کے جوہر سے ہے۔

(ب) مصنوع نہیں بلکہ مولود۔

(ج) اس کا اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے۔

یہ سب کچھ منظور ہو گیا اور آخر میں ان لوگوں پر لعنت پھٹکار درج کی گئی۔ جن کا یہ ایمان ہے کہ ایک وقت تھا کہ مسیح نہ تھا وہ اپنے تجسم سے پہلے موجود نہ تھا۔ وہ نیست سے ہست کیا گیا' باپ اور بیٹے کا ایک جوہر نہ تھا۔ وہ مخلوق اور تبدیل پذیر ہے۔

یہ عقیدہ اتھاناسیس کی تشریح اور ان لعنتوں کے ساتھ کونسل میں منظور کیا گیا اور تمام بشپوں نے سوائے دو کے اس پر دستخط کر دیئے' سو اریس اور مع ان دو بشپوں کے جلاوطن کئے گئے اور الریہ کو بھیجے گئے اور حکم ہوا کہ اریس کی تمام تحریرات جلائی جاویں۔"----

(تواریخ مسیحی کلیسا صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۵)

قارئین کرام!: اس کونسل میں اتھاناسیس کا جو عقیدہ منظور کیا گیا۔ اس کی تشریح ایک اور کتاب میں یوں شائع ہوئی ہے۔

مقدس اتھاناسیس کا عقیدہ:

جو کوئی نجات چاہتا ہو اس کو سب باتوں سے پہلے ضرور ہے کہ عقیدہ جامعہ رکھے اس عقیدے کو جو کوئی کامل اور بے داغ نگاہ نہ رکھے وہ بے شک عذاب ابدی میں پڑے گا۔

اور عقیدہ جامعہ یہ ہے تثلیث میں واحد خدا کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کریں۔ نہ اقانیم کو ملائیں نہ ماہیت کو تقسیم کریں۔ کیونکہ باپ ایک اقنوم بیٹا ایک اور روح قدس ایک اقنوم ہے۔ مگر باپ بیٹے اور روح قدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں جیسا باپ ہے۔ ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق' بیٹا غیر مخلوق اور روح قدس غیر مخلوق' باپ غیر محدود' بیٹا غیر محدود اور روح قدس غیر محدود' باپ ازلی' بیٹا ازلی اور

روح قدس ازلی تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔
اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود' یو نہیں باپ قادر مطلق' بیٹا قادر مطلق اور روح قدس قادر مطلق تو بھی تین قادر مطلق نہیں' بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا ہی باپ بیٹا اور روح قدس خدا' تس پر بھی تین خدا نہیں' بلکہ ایک خدا' اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند اور روح قدس خداوند۔
تو بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک خداوند' کیونکہ جس طرح مسیحی عقیدہ سے ہم پر فرض ہے کہ ایک اقنوم کو جداگانہ خدا اور خداوند مانیں' اسی طرح دین جامع سے ہمیں یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔
باپ کسی سے مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود۔
بیٹا اکیلے باپ سے ہے۔ مصنوع نہیں نہ مخلوق پر مولود ہے۔
روح قدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق ن مولود پر نکلتا ہے۔ پس ایک باپ ہے نہ تین باپ ایک بیٹا ہے نہ تین بیٹے' ایک روح قدس ہے نہ تین روح قدس۔
اور اس تثلیث میں ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں' ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا نہیں۔ بلکہ تین اقانیم باہم ازل سے برابر ہیں۔
اس لئے سب باتوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا تثلیث میں توحید کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کرنی چاہئے۔ پس جو کوئی نجات چاہتا ہے اسے ضرور ہے کہ تثلیث کی بات ایسا ہی سمجھے۔ علاوہ اس کے نجات ابدی کے لئے ضرور ہے کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے مجسم ہونے پر بھی ایمان صحیح رکھے۔ کیونکہ ایمان صحیح ہے کہ ہم اعتقاد اور اقرار کریں کہ خدا کا بیٹا ہمارا خداوند یسوع مسیح خدا اور انسان بھی ہے۔ خدا ہی باپ کی ماہیت سے عالموں کے بیشتر مولود اور انسان ہے۔ اپنی ماں کی ماہیت سے عالم میں پیدا ہوا' کامل خدا اور کامل انسان نفس ناطقہ اور انسانی جسم کے ساتھ الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر اور انسانیت کی راہ سے باپ سے کم تر۔ وہ اگر خدا اور آدمی بھی ہے۔ پر دو نہیں بلکہ ایک مسیح ہے ایک ہی طور پر نہیں کہ الوہیت کو جسم سے بدل ڈالا۔ بلکہ انسانیت کو خدا میں لیا۔ سب طرح سے ایک ہی ماہیت کے لانے سے نہیں' بلکہ اقنوم کی یکتائی سے' کیونکہ جس طرح نفس ناطقہ اور جسم ایک انسان ہے

اسی طرح خدا اور اِنسان ایک مسیح ہے جس نے ہماری نجات کے واسطے دکھ اٹھایا۔ عالم ارواح میں جا اترا' تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا۔" ----(دعائے عمیم از صفحہ ۲۴ تا ۲۶)

برادران!: یہ ہے مسیحی مذہب کا بنیادی پتھر اور اس کا تاریخی پس منظر۔ پادری فنڈر صاحب ہندوستان میں سب سے پہلے انگریز پادری ہیں' جن کا مباحثہ مولوی رحمتہ اللہ صاحب کیرانوی مرحوم سے ہوا تھا۔ یہ مشہور پادری صاحب اپنی کتاب "میزان الحق" میں مسیح کی بابت لکھتے ہیں۔

"انجیل سے صاف ظاہر و یقین ہے کہ یسوع مسیح صرف تعظیم کی راہ سے خدا کا بیٹا نہیں کہلاتا بلکہ فی الحقیقت الوہیت کے مرتبہ میں ہے اور صفات الوہیت اس میں پائی جاتیں (ہیں) اور وہ خدا کے ساتھ ایک ہے اور خود خدا ہے۔" ----(میزان الحق مطبوعہ ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۴۶)

یہی پادری صاحب اپنی دوسری کتاب و مفتاح الاسرار میں مسیح کی شخصیت کی بابت یوں رقم طراز ہیں۔

"وہ جو جنگل میں جلتے ہوئے بوٹے میں موسیٰ پر ظاہر ہوا مسیح تھا۔" -----(صفحہ ۳۸)

مجیب: ان حوالہ جات کا نتیجہ ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ پادری فنڈر صاحب ہی کے الفاظ میں بتاتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"اس (مسیح) نے ہم بندوں پر واجب کیا کہ جیسا باپ کو ویسا ہی اس کو مانیں اور اس کی بندگی کریں۔ ----(مفتاح الاسرار صفحہ ۱۷)

قارئین غور کریں کہ کیسی پیچیدہ تعلیم ہے جو اِنسان کی عقل سلیم کے صریح خلاف ہے ایک طرف خدائے واحد حی القیوم کی عبادت کریں' دوسری طرف اس کے ساتھ مسیح کی بھی عبادت کریں۔ جس کی پیدائش اور موت کی بابت انجیل متی میں لکھا ہے کہ

"اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی الخ۔ یسوع (مسیح) نے بڑے شور سے چلا کر جان دی۔"

(انجیل متی باب ۱:۱۸۔ ایضا باب ۲۷:۵۰)

مسیح کی زندگی پر غور کرو' ساری عمر دشمن اس پر غالب رہے۔ آخر حسب شہادت انجیل اس کو گرفتار کرکے کانٹوں کا تاج پہنایا' اور پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا۔ وہ مظلوم اس کی حالت میں عاجزانہ دعائیں کرتا رہا۔ چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ

"(مسیح) کچھ آگے بڑھ کر منہ کے بل گرا اور دُعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے گزر جائے۔" ---- (متی باب ۲۶' ۳۹)

ہم اس امر میں زیادہ تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ خود پادری فنڈر صاحب لکھتے ہیں۔

"عقل اِنسانی یسوع مسیح کی الوہیت کا مرتبہ دریافت کرنے اور پہچاننے میں عاجز و قاصر ہے۔"

---- (میزان الحق: صفحہ ۱۴۷)

ہمارے خیال میں پادری صاحبان کو اس معقولی مسئلہ میں غلطی لگی ہوئی ہے۔ عقل کا کسی چیز کے ادراک سے قاصر رہنا اور بات ہے اور کسی چیز کو مردود قرار دینا اور بات' عیسائی حضرات ان دو نکتوں میں فرق نہیں کرتے' اس کی مثال سنئے! عقل دو دونے پانچ کے ادراک سے قاصر نہیں ہے۔ بلکہ اس کو غلط جان کر مردود قرار دیتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح مخلوق کو خالق سمجھنا یا عابد کو معبود ٹھہرانا عقل کے صریح خلاف ہے۔ یہ بات نہیں کہ عقل اس کے فہم سے قاصر ہے۔ قرآن مجید نے اس علمی نکتہ کو ان مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ---- (پ۱۴: ع۸)

ترجمہ: کیا خالق اور مخلوق دونوں معبود ہو سکتے ہیں۔

ہماری مخاطب مسیحی پارٹی کے ایک رکن پادری عبدالحق صاحب اس مغلق عقیدہ کو یوں حل کرتے ہیں۔

"کلام مقدس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ ذات الوہیم میں باپ بیٹا اور روح القدس تین اقنوم ہیں۔" ---- (متی ۱۸: ۱۹) اور ان اقانیم کا امتیاز بطون ذات میں ہے کسی خارجی مابہ الامتیاز کا گذر نہیں اور نہ کسی بیرونی تفریق کو اس میں راہ ہے۔ اقنوم اول کو لفظ باپ' اقنوم ثانی کو کلام' اقنوم ثالث کو روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے۔" ----

(رسالہ اثبات التثلیث صفحہ ۱۶)

مجیب: بہت خوب! پادری صاحب موصوف چونکہ منطقی تقریر کیا کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کسی شے کے بطن میں تین مختلف اقانیم کا ہونا ان

اقانیم کے منشاء کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ جب تک کسی شے میں تین چیزوں کا منشاء [1] مختلف نہ ہو وہ تین نہیں کہلا سکتیں۔

اہل منطق کہتے ہیں کہ اِنسان حیوان ناطق ہے۔ بے شک اس کے خارجی وجود میں ان جزؤں کے درمیان ایسا امتیاز نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم کشتی میں لوہے اور لکڑی کی صورت میں امتیاز پاتے ہیں۔ مگر عقل اِنسانی اِنسان کے باطن میں ان دو چیزوں کا منشاء الگ الگ پاتی ہے' کسی امتیازی ادراک کی وجہ سے عقل اِنسانی حیوانیت کو عام سمجھ کر اسے جنس کے نام سے موسوم کرتی ہے اور ناطق کو فصل سے تعبیر کر کے مقوم نوعیت ٹھیراتی ہے۔ اور ان دونوں جزوں میں عمومی خصوص مطلق کی نسبت قرار دیتی ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ عقل ایسا کیوں کرتی ہے تو عقل کی طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں اِنسان کی ماہیت میں دو چیزیں پاتی ہوں ایک چیز حیوانیت ہے۔ جس میں وہ دوسرے جانداروں کے ساتھ شریک ہے۔ دوسری چیز اِنسان کا ادراک ہے جو دوسرے حیوانوں میں نہیں پایا جاتا۔ پادری عبدالحق صاحب کا مافی الضمیر غالباً یہی ہے کہ جس طرح اِنسان کے باطن میں دو مختلف اجزاء موجود ہیں' اسی طرح خدا کے باطن میں تین مختلف اجزاء باپ' بیٹا اور روح القدس پائے جاتے ہیں۔

اس تمثیل کے بعد ہم اہل منطق کے قاعدہ سے پادری صاحب سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اِنسان اپنی ماہیت میں اجزائے ذہینہ کے لحاظ سے مرکب ہے یا بسیط۔

سب اہل منطق اس پر متفق ہیں کہ اِنسان مرکب ہے اور اس کی ترکیب کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے دو جزؤں میں عموم خصوص کی نسبت پائی جاتی ہے جو اثنینیت پر مبنی ہے۔ پس اب حسب عقیدہ مسیحیاں خدا کے مرکب ہونے میں کوئی شک باقی رہا؟ (ہرگز نہیں) یہ بحث تو خدا تعالیٰ کی ذات کی نسبت ہے۔ مسیح کی ذات کی نسبت تو مطلع صاف ہے۔ مسیح کے حق میں مقدس اتھاناسیس کا حسب ذیل عقیدہ بالکل واضح ہے۔

"جس طرح نفس ناطقہ اور جسم ایک اِنسان ہے اسی طرح خدا اور اِنسان ایک مسیح ہے۔"

(حوالہ مذکور)

---

[1] منشاء سے مراد منطقی اصطلاحی منشاء ہے' بہ معنی مصدر نہ بمعنی مرضی ۱۲ منہ۔

پس مسیح کے حق میں کیسا صاف فیصلہ ہے کہ وہ دو جزؤں سے مرکب ہے۔ اس سے زیادہ واضح بیان کیا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عیسائیوں کا ایک معبود (مسیح) یا تثلیث کا ایک اقنوم (رکن) مرکب ہے اس کے ساتھ یہ منطقی قضیہ بھی ملا لیجئے کہ جو مرکب ہے وہ حادث ہے۔" پس مسیح اپنی ذات میں حادث (مخلوق) ہے۔ دیکھئے قرآن مجید کیسی پتہ کی بات بتاتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ---- (پ ۳ : ع ۱۴)

ترجمہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال (پیدائش میں) حضرت آدم کی سی ہے۔ ۱۲ منہ۔

قارئین کرام!: کیا مسیح کے متعلق یہ عقیدہ عالمگیر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یا وہ جو عیسائی سکھاتے ہیں۔ جس کی تفصیل ابھی مذکور ہوئی ہے۔ ؎

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

نوٹ: نزول قرآن کے زمانہ میں عیسائیوں کے دو گروہ زیادہ مشہور تھے جو حضرت مسیح کی نسبت مختلف خیالات رکھتے تھے' ایک گروہ کا قول تھا کہ خدا تعالیٰ مجسم ہو کر بشکل انسان دُنیا میں آیا' یہی دو گروہ آج بھی موجود ہیں۔ پہلے گروہ کا عقیدہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ

خدا تعالیٰ گنہگاروں کی نجات کا انتظام اپنی حسن پیش بینی سے کیا اور تجسّم اختیار کر کے انسان پر اپنی پاک مرضی ظاہر کی---- (دیباچہ کتاب "کلام اللہ" صفحہ ۴)

اس گروہ کا رد قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ----(پ۶:ع ۱۴)

ترجمہ "کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی مجسم ہو کر مسیح ابن مریم کی شکل میں آگیا ہے۔"

دوسرے گروہ کا عقیدہ اصل الفاظ میں وہ ہے جو پادری عبدالحق صاحب نے عبارت مرقومہ بالا میں ظاہر کیا ہے۔ جس میں آپ نے تثلیث کی تصویر دکھائی ہے۔ گروہ کا رد قرآن مجید نے بالفاظ ذیل کیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ---- (پ۶:ع۱۴)

ترجمہ "کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ خدا کے باطنی حصے تین ہیں جن میں سے ایک باپ (خدا) ہے"

تیسرا گروہ عیسائیوں میں وہ ہے جو مسیح کے ساتھ اس کی والدہ مریم کی بھی عبادت کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے۔

سکندر آباد دکن میں، میں نے رومن کیتھولک عیسائیوں کا گرجا دیکھا، جس میں مریم صدیقہ کا مجسمہ نصب ہے، اس کے سامنے عیسائی لوگ ہندوؤں کی طرح ڈنڈوت، (سلام) کرتے ہیں، نزول قرآن کے زمانہ میں یہ گروہ عرب میں بکثرت پایا جاتا تھا ان کا رد قرآن مجید میں ایک خاص پیرائے کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاكُلَانِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ---- (پ۶ : ع۱۴)

ترجمہ "مسیح ابن مریم اللہ کا ایک رسول تھا۔ اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے تھے اس کی ماں خدا کی نیک بندی تھی، یہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ بہکے چلے جاتے ہیں۔"

اہل منطق کے نزدیک دلیل کی دو قسمیں ہیں ایک لمی اور دوسری انی علت کے علم سے معلول کا علم حاصل ہو تو وہ دلیل لمی کہلاتی ہے۔ جیسے سورج کا وجود دن کیلئے دلیل ملتی ہے۔ معلول سے علت کا علم ہونا دلیل انی ہے۔ جیسے سرعت نبض سے بخار کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کوئی شخص کھانے کا محتاج ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ معبود نہیں ہے۔ یہ دلیل انی اور لمی دونوں قسم کی ہو سکتی ہے۔ مگر اس کو انی کہنا زیادہ راجح ہے۔ بہرحال یہ ایک یقینی دلیل ہے، کیونکہ خدا کی ذات کھانے پینے سے بالکل بے نیاز ہے۔ "وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ" اسی لئے قرآن میں اِرشاد ہوا ہے کہ ہم مسیحوں کے عقائد کی اِصلاح کے لئے دلائل بیان کرتے

ہیں۔ مگر پھر بھی یہ لوگ بہکے چلے جاتے ہیں۔

الحاصل یہ کہ قرآن مجید میں مسیح کی شخصیت کی بابت الفاظ ذیل میں جو ارشاد ہوا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ (پ٦:ع٣)

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ---- (پ٣:ع١٣)

اس کو تو عقل سلیم مان سکتی ہے۔ لیکن مسیحی لوگ ان کی نسبت جو اعتقاد رکھتے ہیں جس کا ثبوت عبارات مرقومہ بالا میں دیا گیا ہے۔ وہ اہل عقل کے نزدیک کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ چنانچہ مسیحی رسالہ "اخوت" ہمارے قول کی تائید میں لکھتا ہے کہ:

"مسیح نے کہا تھا کہ "میں اور باپ ایک ہیں۔" اس قسم کے بیانات نہایت وحشت انگیز اور لرزہ خیز ہیں اور آج بھی انہیں سن کر اہل دُنیا کے دلوں میں کچھ کراہیت اور نفرت پیدا نہیں ہوتی۔" ---- (اخوت لاہور بابت جنوری ۱۹۴۱ء صفحہ ۱)

مجیب: معاصر موصوف نے بالکل سچ کہا ہے۔ واقعی یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ہی شخص ازلی بھی ہو اور حادث، خدا بھی ہو اور اِنسان بھی، کھائے پئے بھی، جئے مرے بھی، پھر بھی خدا کا خدا بنا رہے۔ متضاد باتیں پادری برکت اللہ اور ان کے ہم نواؤں کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں مان سکتا۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب اسی رسالہ میں لکھتے ہیں۔

"حقیقت عیسوی ایسی حقیقت ہے، جس کی تہ تک پہنچنے میں عقل اِنسانی ورطہ حیرت میں پڑی ہوئی ہے ---- (مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۱۳۰)

اس حیرت کی وجہ سے ہم پادری صاحب ہی کے الفاظ میں بتاتے ہیں۔ ایک طرف آپ لکھتے ہیں کہ

"الوہیت کی ساری معموری اس (مسیح) میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔" --- صفحہ ۱۳۸)

اس کے ساتھ ہی آپ یہ بھی لکھتے ہیں۔

"الوہیت اور کامل اِنسانیت آں خداوند (یسوع مسیح) کی شخصیت میں نظر آتی ہیں۔" (صفحہ ایضا)

اس کے باوجود آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

"آپ (مسیح) فرماتے ہیں کہ میں صرف خدا اور اس کی رضا کو ہی اپنی نظروں کے سامنے رکھوں گا اور صرف اسی کو سجدہ کروں گا۔" ---- (صفحہ ۱۴۳)

پادری صاحب مزید فرماتے ہیں۔

"آپ (مسیح) خدا سے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوئے آپ میں اور خدا میں مغائرت نظر نہیں آتی۔" ---- (صفحہ ۱۵۲)

قارئین کرام! یہ ہے مسیحی تعلیم جو خدا اور مسیح کی نسبت ہمیں بتائی جاتی ہے۔ ہم اس پر کیا سوال کریں۔ جبکہ ہمیں یہ کہہ کر روک دیا گیا ہے کہ اس مسیحی عقیدہ کو سمجھنے سے عقل حیرت میں ہے۔ اگر پوچھیں تو جواب یہی ملے گا۔ کہ جس عقل سے آپ سوال کرتے ہیں وہ بے چاری تو حیرت زدہ ہے۔ لیکن ہم خدا کے فضل و کرم سے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقل حیرت زدہ نہیں ہے بلکہ ہماری عقل صاحب الرائے ہے۔ اس لئے ہم پادری صاحب اینڈ پارٹی اور ان کی معرفت کل مسیحی دُنیا سے سوال کرتے ہیں کہ۔

"انجیل متی کا یہ فقرہ کہ مسیح نے صلیب پر چلا کر جان دے دی۔"

اس "چلا کر" جان دینے کے وقت بھی مسیح مجسم خدا تھا یا نہیں، اور اس میں اور خدا میں کوئی مغائرت تو نہ تھی، پھر چلا کر جان کس نے دی۔

یہاں پہنچ کر ہم تو رک جاتے ہیں آپ ہی بتائیے کہ وہ کون تھا؟

اگر گویم زبان سوزد

پادری صاحب آپ نے مسیحی مذہب کو عالمگیر ثابت کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے مگر مسیحیت کی تصویر ایسی دکھائی ہے۔ جسے دیکھ کر ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ بقول آپ کے محو حیرت ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو گا۔ ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

جہلاء اور کم عقلوں کو تو آپ کہہ دیں کہ تم کو عقل نہیں۔ اگر عقل مند لوگ اِعتراض کریں تو ان کو جواب دیں کہ عقل خود حیرت میں ہے، اور کہنے کا یہ دعویٰ کریں کہ۔

"مسیحیت عالمگیر مذہب ہے"

مختصر یہ ہے کہ مسیح کے متعلق جو تعلیم قرآن مجید نے دی ہے وہ بے شک قابل قبول ہے۔ اس کے قبول کرنے میں عقل اِنسانی کو کسی قسم کی حیرت نہیں ہوتی۔ مثلاً اِرشاد ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔

----(پ۲۵:ع۱۲)

ترجمہ "مسیح ہمارا نیک بندہ ہے' ہم نے اس پر انعام کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہادی بنایا۔"

اس آیت کا مطلب صاف ہے۔ حضرت مسیح خدا کے نیک بندے اور رسول تھے۔ الوہیت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ اس مضمون کی تائید انجیل بھی کرتی ہے۔

چنانچہ مسیح فرماتے ہیں۔

"ہمیشہ کی زندگی (نجات) یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو' جسے تو نے بھیجا ہے جانیں ---- (یوحنا ۱۷:۱۳) بائیبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء)

اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ اعتقاد رکھیں۔

لا اله الا الله عیسی رسول الله

قارئین کرام!: خدا کی ذات و صفات میں توحید کا اِقرار ہر ایک مذہب کا بنیادی اصول ہے جو اس میں پاس ہے۔ وہی کامیاب ہے اور جو اس میں فیل ہے۔ وہی ناکام ہے۔

قرآن مجید نے خدا کی ذات و صفات کا ذکر جن لفظوں میں کیا ہے۔ ان میں نہ کوئی الجھن ہے نہ حیرت' بلکہ ایسے شستہ اور شائستہ الفاظ ہیں کہ ہر سننے والے کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں' چنانچہ اِرشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ

(پ۲۲:ع۱۳)

ترجمہ "اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی مہربانی یاد کرو کیا اس کے سوا کوئی اور

خالق ہے جو اوپر سے (پانی برسا کر) اور زمین سے (پیدا کرکے) تمہیں رزق دیتا ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جاتے ہو۔

اس کے برخلاف مسیحی مذہب کے اقوال گذشتہ صفحات میں نقل ہو چکے ہیں۔ ایک قول ان کے ساتھ اور ملا لیجئے جو ڈپٹی آتھم مسیحی مناظر نے مرزا صاحب قادیانی کے مقابلہ میں مباحثہ امرتسر میں پیش کیا تھا کہ۔

"ہم سے جو استفسار یہ ہے کہ مسیح نے کیا بنایا تھا' خدا نے و زمین و آسمان اور سب چیزیں بنائیں۔ بجواب اس کے عرض یہ ہے کہ بحیثیت انسانیت کے تو اس نے کچھ نہیں بنایا' لیکن بحیثیت مظہر اقنوم ثانی کے جو کچھ بنا ہے اس کے وسیلے سے بنا ہے اور باپ کو کسی نے دیکھا تک نہیں۔ مگر بیٹے نے خلق کرنے کے وسیلے سے اسے دکھلا دیا۔"

----(جنگ مقدس مصنفہ مرزا صاحب صفحہ ۵۵)

یہ ہے مسیحی تعلیم کا بنیادی پتھر' جس پر پادری صاحبان کو ناز ہے' ایک طرف مسیح ابن مریم کی پیدائش اور موت کا ذکر کرتے ہیں' دوسری طرف اس کو زمین اور آسمان کا خالق ٹھہراتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اسی بنا پر مسیحی مذہب کو عالمگیر بتاتے ہیں اور اسلام کو اس کے خلاف محل اعتراض قرار دیتے ہیں۔ کیا ہی سچ ہے۔ ؎

بت کریں آرزو خدائی کی   شان ہے تیری کبریائی کی

ایک علمی سوال

خاصة الشي ما يوجد في شي ولا يوجد في غيره

یہ ایک منطقی اصول ہے کہ ہر ایک چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو کسی ایک چیز میں پایا جائے اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک منفک اور دوسرے غیر منفک' مثلاً غالب علی الکل ہونا خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے اور یہ غیر منفک ہے۔ یعنی کہ وقت یا کسی آن میں یہ غلبہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتا' جیسا کہ انسان کا زور اس ذات سے منفک (جدا) ہو جاتا ہے کہ ایک وقت شہ زور پہلوان ہوتا ہے اور دوسرے وقت کمزور' ایک وقت اگر ذی شان بادشاہ ہے تو دوسرے وقت اسیر (قیدی) اہل علم کے نزدیک جب یہ اصول معقول اور مقبول ہے تو ہم پادری صاحب سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جس وقت

خداوند تعالیٰ مجسم ہو کر مسیح کی شکل میں نمودار ہوا تو غلبہ کاملہ جو اس کا خاصہ ہے۔ اصول مذکور کے ماتحت اس وقت بھی ضرور اس کی ذات میں موجود ہوگا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اسیر ہوا۔ کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ اس کی پسلی میں بھالا مارا گیا۔ آخر اس نے "ایلی ایلی لما سبقتنی" کہتے ہوئے سولی پر چلا کر جان دی---- (انجیل متی باب ۲۷:۴۵)

یہاں پہنچ کر عیسائیوں کے سامنے دو راستے آجاتے ہیں۔ جس کو چاہیں اِختیار کریں اول یہ کہ اعلان کر دیں۔ کہ مسیح جس نے یہ الفاظ کہے تھے وہ خدا نہ تھا۔ بلکہ ایک اِنسان تھا۔ دوسرے یہ کہہ دیں کہ غلبہ کاملہ خدا کا خاصہ نہیں ہے اگر ہے تو قابل انفکاک ہے۔ پہلی شق اِختیار کرنے کی صورت میں کلیسا میں دہریت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

اور ایسا عاجز خدا جس سے غلبہ منفک ہو جائے کسی دانش مند اِنسان کے ماننے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ کم از کم ہم مسلمان تو ایسے خدا کو ماننے سے قطعاً معذور ہیں۔ ایسا کہنے والوں کو قرآن شریف میں سخت تنبیہہ کی گئی ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہے۔

وَمَا قَدَرُو اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ❶

(پ۲۴:ع۴)

پادری صاحب نے اپنا گھر شیشے کا بنا کر قرآن جیسے مضبوط قلعے پر جو گولے برسائے ہیں اس کا ذکر قارئین کے لئے قابل شنید ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

اِسلام کے اُصول اور مسیحیت:

"جب ہم قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہم پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس میں جتنی خوبیاں موجود ہیں وہ سب کی سب کتاب مقدس میں اعلیٰ ترین شکل میں پائی جاتی ہیں۔ قرآن بار بار اِقرار کرتا ہے کہ جو صداقت اس میں پائی جاتی ہے وہ محض کتب سابقہ سے ماخوذ ہے اور اس حقیقت کو اپنی صداقت کی دلیل میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن عربی میں

---

❶ مشرکوں نے کما حقہ 'خدا کی قدر نہیں کی۔

صرف اس واسطے آیا ہے تاکہ سابقہ کتب مقدسہ کی صداقتوں کو اہل عرب کے لئے سلیس عربی زبان میں پیش کرے تاکہ اہل عرب پر اتمام حجت ہو جائے۔ چنانچہ اِرشاد ہے کہ "قرآن ہم نے نازل کیا۔ اس لئے کہ تُم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے صرف دوہی فرقوں (یعنی یہود اور عیسائیوں) پر کتاب نازل ہوئی تھی اور ہم (ان کتابوں کی عبرانی اور یونانی زبانوں کی وجہ سے) ان کے پڑھنے سے غافل تھے۔ یا یوں کہو کہ اگر ہم پر کتاب (عربی میں) نازل ہوئی تو ہم یہودیوں اور عیسائیوں سے زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ سو اب تمہارے رب سے تمہارے پاس (عربی) میں حجت آگئی اور ہدایت اور رحمت ہے' سو اس سے زیادہ ظالم کون جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔" ---- انعام آیت ۱۵۶ نیز دیکھو سورت نحل آیت ۵' احم سجدہ ۲' ۴۴' یوسف ۳۰ رعد ۷ ۳' طہ ۱۱۲' زمر ۲۹' شوریٰ ۵' زخرف ۲' احقاف ۱۱ وغیرہ) دورہ حاضرہ کے مسلم علماء اس حقیقت کے معترف ہیں کہ قرآن کی تمام صداقتیں کلمتہ اللہ کی تعلیم میں پائی جاتی ہیں۔ ہم انشاء اللہ یہاں یہ ثابت کریں گے کہ وہ صداقتیں قرآن میں صرف غیر مکمل حالت میں موجود ہیں۔ لیکن انجیل میں وہ کامل ترین اور پاکیزہ ترین شکل میں موجود ہیں۔

(صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۲)

مجیب: اسلام کی توحید بقول پادری صاحب ناقص اور انجیل کی تثلیث کامل ہے۔ بس یہ ہے ایک امر تنقیح' از روئے قانون مناظرہ اور قانون انصاف ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم پر دلیل دینے کی ہمیں ضرورت نہیں' کیونکہ پادری صاحب اس کو کتب سابقہ میں منزل مانتے ہیں۔ باقی رہا تثلیث کا مسئلہ تو اس کا ثبوت پادری صاحب جیسے مسیحیوں کے ذمے ہے۔ جو اس کے قائل ہیں۔ سب سے پہلے وہ حضرت موسیٰ کی کتابوں سے اس کے بعد دوسرے انبیاء کرام کے صحف سے اس کا ثبوت دیں۔ پھر اس کو عقلی طور پر ثابت کریں۔ بہرحال اس کا ثبوت اہل تثلیث کے ذمے ہے۔ کیونکہ وہ مزیت کے قائل ہیں اور ہم بلا خوف تردید اعلان کرتے ہیں کہ قران مجید نے تثلیث کے ابطال پر جو دلائل قاہرہ پیش کئے ہیں۔ ساری مسیحی دُنیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر کسی پادری میں ہمت ہے تو زبانی باتیں چھوڑ کر معقولیت کے ساتھ ان دلائل کا جواب دے۔

مختصر یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم متعلقہ توحید کتب سابقہ میں موجود

تھی مگر مسیحیوں نے جب اس کو بگاڑ دیا تو خداوند تعالیٰ نے ان بگاڑنے والوں کو تحریف کا الزام دے کر اہل دُنیا کو خالص توحید کا سبق دیا- چنانچہ اِرشاد ہے-

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ

----(پ ٦: ع ١٤)

ترجمہ اے اہل کتاب! اپنے دِین میں بے جا زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو' جو تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا-

پادری صاحب نے اس اعتراف کے باوجود کہ قرآنی تعلیم کتب سابقہ سے ماخوذ ہے- اس کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں-

دوسرا اِعتراض:

"سب سے بڑا دعویٰ جو اِسلام کا ہے وہ شرک کی مذمت اور وحدت اِلٰہی کی دعوت ہے' لیکن اِسلامی توحید کا تصور ایک بے معنی شی ہے اور از روئے منطق و فلسفہ یہ تصور ناکارہ ہے' لہٰذا توحید کے اس ناقص پہلو کو مسیحیت میں دخل نہیں-" ----(صفحہ ١٠٢)

مجیب: منطق اور فلسفے کا نام سن کر ہم خوش ہوئے تھے اور بے ساختہ ہمارے منہ سے نکلا تھا- ؎

شکائتوں کے کھلیں دفتر ادھر تمہارے ادھر ہمارے

مگر افسوس ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کرکے پادری صاحب خاموشی سے گزر گئے- پادری صاحب کی جرات قابل ملاحظہ ہو کہ آپ ایک قوم کو منطق اور فلسفے کا نام سنا کر ڈراتے ہیں- جس نے ان دونوں علموں پر ایسا قبضہ کیا ہوا ہے کہ بغیر اطلاع پائے کسی کو خیال تک نہیں گزرتا کہ یہ علوم یونان کی اِیجاد ہیں- کیونکہ عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ عربوں کی اِیجاد ہیں- ایسی قوم پر ان علوم کا نام لے کر رعب ڈالنے کی جرات پادری صاحب جیسا شخص ہی کر سکتا ہے- لطف یہ ہے کہ پادری صاحب کے اس معقول مقولہ کا جواب خود انہی کے قلم سے نکل

گیا ہے- چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ

"اسلام کا یہ مایہ ناز عقیدہ اپنی پاکیزہ ترین حالت میں کتاب مقدس میں موجود ہے- لیکن کلمتہ اللہ کی تعلیم اِسلامی نظریہ کے ناقص عناصر سے پاک ہے-----(صفحہ ۱۰۲)

مجیب: بہت خوب اسی کو کہتے ہیں جادو وہ جو سر پر بولے- آپ کے اس بیان سے یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ قران مجید کی تعلیم متعلقہ توحید کتب انبیاء کے عین مطابق ہے بالکل ٹھیک ہے- قرآن مجید بھی یہی فرماتا ہے- سنئے اِرشاد ہے-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

(پ ۱۴:ع۱۱)

ترجمہ "ہم نے ہر قوم میں ایک رسول یہی پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بناوٹی معبودوں سے بچو-"

قرآن مجید نے بطور تکمیل توحید حضرت عیسیٰ کا یہ قول انہی معنی میں نقل کیا ہے-

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ-

(پ ۷:ع۶)

ترجمہ اے خدا! میں نے اپنے اتباع کو وہی بات کہی تھی- جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو' جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے-

حضرت مسیح کی اس حکایت کا اصل حوالہ انجیل یوحنا میں ملتا ہے جہاں مسیح فرماتے ہیں کہ

"ہمیشہ کی زندگی (نجات کا ذریعہ) یہ ہے کہ دے تجھ کو سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں"----(انجیل یوحنا باب ۱۷: ۱۳ زبائبل مطبوعہ ۱۸۸۳ء)

مسیح نے اس قول میں اپنی رسالت کا واضح لفظوں میں اِقرار کیا ہے-

نوٹ: خود پادری صاحب نے یہ حوالہ اپنی کتاب "دین فطرت" کے صفحہ ۱۳۰ پر نقل کیا ہے-

مسیحی دوستو!: قرآن' تورات اور انجیل کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر جو بھی راستہ کوئی اِختیار کریگا وہ جہنم کو لے جانے والا ہو گا- پس یہ بات یاد رکھو

کہ ایسا شخص اپنی ذات کے علاوہ مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کی ذمہ داری بھی اپنی گردن پر لیتا ہے۔

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

مختصر یہ ہے کہ اس فقرہ میں بھی آپ نے جو دعویٰ کیا ہے اس کا ثبوت آپ کے ذمے باقی ہے۔ کیونکہ آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ اِسلامی توحید کتب مقدسہ سے ماخوذ ہے۔ مگر بقول آپ کے وہ نامکمل ہے اور اس کی تکمیل آپ کے زعم میں الوہیت مسیح کی صورت میں ہوتی ہے جس کی تفصیل ہم پہلے کرچکے ہیں۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ تکمیل ویسی ہی ہے۔ جیسی آگ روغنی لکڑی کی تکمیل کرتی ہے۔ پادری فنڈر سے لے کر آج تک تو کسی پادری سے اس دعوے کا ثبوت ہو نہیں سکا۔ آئندہ دیدہ باید! ہماری تحقیق میں دو مسئلے ایسے ہیں جو بالکل مساوی ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ ایک مسئلہ تثلیث ہے اور دوسرا مسئلہ دودونے پانچ ناممکن ہے کہ ان دونوں مسئلوں کو کوئی ریاضی دان یا منطق دان پادری صحیح ثابت کرسکے۔ خواہ وہ اپنی کتاب کا نام "اثبات التثلیث" ہی رکھے۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ نام اور چیز ہے۔ اور کام اور چیز ہے۔ ؎

شیر قالین دگراست و شیر نیستاں دگر

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"خدا اور اس کے باہمی رشتہ اور تعلقات کے متعلق جو تعلیم قرآن اور اِسلام میں ہے۔ ان میں جو صداقت کے پہلو ہیں۔ وہ تمام کے تمام مسیحیت میں بوجہ احسن موجود ہیں مثلاً قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا خالق ہے، مالک ہے، پروردگار ہے وغیرہ وغیرہ (انعام آیت ۱۰۲، ۱۰۳، نحل ۳، ۷ وغیرہ) یہ تمام باتیں کتاب مقدس میں بطرز احسن موجود ہیں۔ لیکن قرآنی تعلیم کا جو غلط پہلو ہے کہ خدا ایسی جابر ہستی ہے۔ جو اپنے قہر سے گناہگار اِنسان کو فنا کردیتی ہے اور دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتی ہے (نحل ۲۵، احقاف ۱۹، جاثیہ ۷، ۲۰، مومن ۷، ۳، طلوع وغیرہ) اس قسم کی باطل تعلیم سے مسیحیت سراسر پاک ہے۔" ---- (صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳)

مجیب: خالق اور مخلوق کا تعلق جیسا قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ اس سے اچھا تو کیا اس کے برابر بھی کوئی نہیں بیان کر سکتا۔ آپ نے قرآن کی کمی اور نقص بتانے کو خدا کے متعلق جابر اور قاہر دو لفظ منتخب کیے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ ان عربی لفظوں کا ترجمہ کسی عربی دان پادری سے پوچھ لیتے تو آپ سے یہ غلطی سرزد ہو کر موجب ندامت نہ ہوتی۔ جابر جبر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی اِصلاح حال کے ہیں۔ جبیرہ مرہم والی پٹی کو کہتے ہیں۔ جو زخم پر لگائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی اِصلاح کرتی ہے۔ اس لئے احادیث کی دعاؤں میں ایک لفظ "وَاجْبُرْنِیْ" بھی آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں اے خدا میری حالت سنوار دے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ خدا جابر ہے۔ انہی معنی میں کسی عارف کا قول ہے۔ ؎

میرے مولا میری بگڑی بنانے والے
میرے ہادی مجھے بھولے کو چلانے والے

قاہر کے معنی ضابط کے ہیں۔ ضابط اس بادشاہ کو کہتے ہیں۔ جس کی رعایا سرتابی نہ کر سکے۔ یہ وصف خدا کی ذات میں علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن میں اِرشاد ہوا ہے۔

وَهُوَا الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ضابط ہے

چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ البتہ اردو زبان میں ان دونوں لفظوں کے معانی میں تبدیل آگئی ہے۔ جیسے عزیز اور مشفق وغیرہ الفاظ کے معانی تبدیل ہوگئے۔ عربی زبان میں عزیز کے معنی غالب کے ہیں۔ ارشاد ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ" اردو میں فارسی کے وسیلہ سے چھوٹے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے انشاأت میں اصطلاح ہے کہ بڑا چھوٹے کو عزیز من لکھتا ہے اور چھوٹا بڑے کو عزیز نہیں' بلکہ بزرگوار من لکھ کر خطاب کرتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں مشفق کے معنی ہیں ڈرنے والا جیسا کہ اِرشاد ہے "وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ" اردو میں مشفق اور مہربان ایک معنی میں ہیں۔

ایک اُردو شاعر کہتا ہے۔ ؎

مشفق لکھوں شفیق لکھوں دلربا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ آپ کے القاب کیا لکھوں

پس آپ کے یہ دونوں اِعتراض عربی زبان سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ درحقیقت یہ دونوں وصف جو قرآن مجید نے خدا کی ذات میں بتائے ہیں۔ ان کی شان کے لئے نہایت موزوں ہیں اور آپ کا اِعتراض اس شعر کا مصداق ہے۔ ؎

چو بشنوی سخن اہل دِل مگو کہ خطا است
سخن شناس أ دلبر اخطا ایں جا است

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ

"خدا ایسی ہستی ہے جو اِنسان کو فنا کر دیتی ہے اور دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتی ہے۔"

قرآن اور تورات دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کی جن آیات کا آپ نے حوالہ دیا ہے ان میں اس مضمون کا اشارہ تک نہیں ہے کہ خدا اِنسان کو دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتا ہے۔ البتہ کافروں کی سزا کا ذکر ہے۔ سو اس کا ثبوت چاہو تو تورات کا مرقومہ ذیل حوالہ دیکھ لو۔

حضرت موسیٰ کو کافروں کے متعلق حکم ہوتا ہے۔

"جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو انہیں ماریو اور حرم [1] کیجئو نہ تو ان سے کوئی عہد کریو نہ ان پر رحم کریو نہ ان سے بیاہ کرنا۔" ---- (استثناء باب ۷)

مجیب: بتائیے کہ یہ احکام کس قسم کے ہیں۔ یہ رحم ہے یا جبر ہے؟ قرآن کے موافق ہیں۔ یا مخالف؟ اور آپ کی کتب مقدس میں یہ حوالہ ہے یا نہیں؟

پادری صاحب!: شیشے کا گھر بنا کر دوسروں پر پتھر برسانا
کار خرد منداں نیست

اس کے متعلق پادری صاحب مزید فرماتے ہیں۔

خدا اور اِنسان کے باہمی تعلق کی بنا خوف اور دہشت نہیں بلکہ محبت ہے انجیل جلیل میں اِرشاد ہے کہ کامل محبت خوف کو دور کر دیتی ہے۔" ---- (روم ۸/۱۵، ایو ۵/۱۵، ۴/۱۴ وغیرہ)

پس مسیحیت میں یہ تمام اصول اپنی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین شکل میں موجود ہیں جو قرآن میں

---

[1] قید ۱۲ منہ

صرف مکمل طور پر ہی پائے جاتے ہیں اور یہ بھی حق ہے کہ قرآنی تعلیم کے ناقص اور غلط پہلو مسیحیت میں موجود نہیں ہیں۔"

مجیب: یہ بالکل صحیح ہے کہ خدا اور انسان میں باہمی تعلق محبت کا ہے۔ قرآنی اِرشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ (پ۲:ع۱)

کو غور سے پڑھیے۔ مگر مجرموں کو نافرمانی کی سزا دینا بھی خدائی عدل کے عین مطابق ہے۔ ورنہ قرآن مجید پر اِعتراض کرتے ہوئے تورات کے ساتھ صحف انبیاء کو بھی دیکھ لیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مصرع صادق آئے کہ:

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

اسلام نے خدا کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ خدا اپنی مخلوقات سے بلند وبالا ہے (نحل ۶۲ نساء ۳۸ وغیرہ) اور اس صداقت کے عنصر پر اس قدر زور دیا ہے کہ خدا اور اِنسان کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا کر دی ہے۔ مسیحیت میں بھی یہ تعلیم موجود ہے کہ خدا کائنات سے بلند و بالا ہے (زبور ۱۸/۳۸، اعمال ۷/۴۹ وغیرہ) لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے ناقص پہلو کو اپنے اندر لے کر اس نے خدا اور اِنسان میں کوئی خلیج پیدا نہیں کی۔ خدا کے بلند و بالا ہونے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے میں جو صداقت کے پہلو ہیں وہ مسیحیت میں نہایت دلکش اور پسندیدہ حالت میں موجود ہیں۔ اِسلام نے خدا اور اِنسان کے درمیان خلیج پیدا کر کے یہ تعلیم دی ہے کہ خدا فرشتوں کے ذریعہ اِنسان سے کلام کرتا ہے اور یوں اپنی مرضی اِنسان پر ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن جبرائیل فرشتہ کے ذریعہ رسول عربی پر نازل لیکن مسیحیت یہ تعلیم دیتی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے۔ جس کی ذات محبت ہے، لہٰذا اس میں اور اِنسان میں کوئی خلیج واقع نہیں۔

(صفحہ ۱۰۳، ۱۴۰)

مجیب: مقام شکر ہے کہ قرآن مجید نے خدا کی نسبت جو تعلیم دی ہے کہ اس کی ذات مخلوق سے بلند اور بالاتر ہے۔ پادری صاحب کو کلیتاً تسلیم ہے۔ ہاں بڑی وجہ فرق

یہ بتائی ہے کہ قرآن جبرائیل کو پیغام رسانی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ لیکن مسیحیت کہتی ہے کہ خدا ہمارا باپ [1] ہے۔ خدا اور اِنسان میں کوئی خلیج نہیں ہے۔ خلیج کا لفظ تشریح طلب ہے۔ اس سے پادری صاحب کی مراد اگر یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کے بموجب خدا اور بندے کے درمیان کوئی چیز رکاوٹ ہے۔ جیسے خلیج خشکی کے دو ٹکڑوں کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے۔ تو ایسا کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ خدا کے متعلق اِرشاد ہے۔

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ---- (پ ۲۷ : ع ۱۷)

ترجمہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔

نیز اِرشاد ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ---- (پ۲۶:ع۱۶)

ترجمہ اور اللہ اِنسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

اگر مراد یہ ہے کہ بقول قرآن جبرائیل پیغام رسانی کا ذریعہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ بائیبل شہادت دیتی ہے کہ حضرت لوط کی قوم پر عذاب لانے والے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ اس کے علاوہ حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس خدا کا فرشتہ آیا اور ان کو بیٹے کی خوشخبری دی۔ ذرا اور قریب آئیے اور میں آپ کے گھر کی بہت بڑی خلیج کا پتہ بتاؤں۔ انجیل لوقا میں لکھا ہے کہ۔

"چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے جلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا۔ بھیجا گیا۔ ایک کنواری کے پاس جس کی یوسف نامی ایک مرد سے منگنی ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ اس فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا۔ اے پسندیدہ سلام"!

(انجیل لوقا: باب اول)

پادری صاحب فرمائیے! فرشتے کی خلیج حائل کرنے والی پہلی کتاب بائیبل ہے۔ یا قرآن؟ سچ ہے۔ ؎

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

[1] خدا کو اب (باپ) اور رب کہنے کی بحث کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات میں درج ہے۔

مسیحیت کی خصوصیت جو پادری صاحب نے بتائی ہے- وہ قابل دید و شنید ہے- فرماتے ہیں-

"مسیحیت یہ تعلیم دیتی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے- جس کی ذات محبت ہے لہٰذا اس میں اور اِنسان میں کوئی خلیج واقع نہیں اور خدا کا کلام خود مجسم ہوا اور اس نے مسیح ہو کر اپنے آپ کو بنی نوع اِنسان پر ظاہر کیا (یوحنا باب عبرا-۸ وغیرہ) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اِسلام میں اِنسان خدا کے ساتھ حقیقی رفاقت نہیں رکھ سکتا- کیونکہ قرآن کے مطابق خدا "بے نیاز" ہے- (سورہ اخلاص وغیرہ) لاپرواہی اور محبت دونوں ایک جگہ ہو نہیں سکتے- محبت ایک رشتہ ہے' جو محب اور محبوب کے درمیان ہوتا ہے- لیکن جہاں بے نیازی ہو وہ نہ کوئی محب ہو سکتا ہے اور نہ محبوب اور نہ محبت کی رفاقت کا امکان ہو سکتا ہے-" ---- (صفحہ ۱۰۴)

مجیب: بس تجسّم خدا کا یہی وہ امتیاز ہے- جس پر عیسائی قوم نازاں ہے اور حضرات انبیاء علیہم اور دیگر عقلاء اس پر نالاں- پہلے ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں- پہلے حوالوں میں آپ نے خود خدا کو مجسم کہا اور یہاں خدا کے کلام کو مجسم کہا ہے- یہ دورنگی قابل غور ہے- "خدا کا کلام مجسم ہوا" یہ فقرہ قابل تشریح ہے- اس کی تشریح اگر یہ ہے کہ جو کلام متکلم کے ساتھ عرض کے درجے میں تھا- وہ مجسم ہوا- تو یہ بالبداہت غلط ہے- کیونکہ یہ فلسفے کا مسئلہ ہے کہ عرض جوہر سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا- اگر یہ مراد ہے کہ خدا کے کلام (حکم) سے مسیح کا وجود ظہور پذیر ہوا تو یہ صحیح ہے- قران مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے- مگر انہی معنی میں دنیا کے کل اعراض و جواہر موجود ہوئے- چنانچہ قران مجید فرماتا ہے-

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

---- (پ ۲۳: ع ۴)

خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے-

ان معنی سے خدا کے کلام سے مسیح کے مجسم ہونے میں کوئی خاص امتیاز نہیں رہتا اگر آپ کو یہ بات کھٹکے کہ اگر خصوصیت نہیں ہے تو مسیح کا نام لے کر قرآن مجید نے کیوں کہا-

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗٓ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْیَمَ

وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ---- (پ٦:ع ٣)

تو جواب اس کا یہ ہے کہ آپ عام سلسلہ توالد کے خلاف خدا کے حکم سے بن باپ محض ماں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے آپ کی شان میں مذکورہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اس میں یہود کی تردید بھی مقصود ہے جو ممدوح کی شان میں ناجائز مولود وغیرہ الفاظ کہہ کر اپنا اعمال نامہ سیاہ کرتے تھے۔

ہاں آپ نے یہ خوب کہا کہ قرآنی تعلیم کے مطابق خدا بے نیاز ہے۔ "لاپروائی اور محبت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔" پادری صاحب! معاف فرمایئے آپ نے خدا کی بے نیازی کا مطلب نہیں سمجھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ سورہ اخلاص کے جس لفظ کو آپ نے مدنظر رکھا ہے۔ اس کے معنی بھی نہیں سمجھے تو بے جا نہیں ہو گا۔

سنئے! اللہ اس لحاظ سے بے نیاز ہے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں کسی مخلوق کا محتاج نہیں۔ جس کو بہادر شاہ (بادشاہ دہلی نے ایک مخمس میں یوں ادا کیا ہے۔ ؎

نہ پرستش کا تو محتاج نہ محتاج عبادت — نہ عنایت تجھے در کار کسی کی نہ حمایت
نہ شراکت ہے کسی سے نہ کسی سے ہے قرابت — نہ نیازت نہ ولادت نہ بفرزند تو حاجت
تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی

اس کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اور آپ دونوں گروہ مانتے ہیں کہ دُنیا کی کل کائنات حادث ہے۔ جس کا نتیجہ صاف ہے کہ ایک زمانہ تھا۔ جب کہ اللہ اکیلا ہی تھا۔ اس کے ساتھ کوئی مخلوق نہ تھی۔ یہ ہے اس کی بے نیازی کا مطلب۔ اس کی مثال بھی (گو گھٹیا ہی سہی) دے سکتے ہیں۔ غور سے سنو!

ایک شخص صاحب اولاد ہے۔ وہ اپنی اولاد کا کسی بات میں محتاج نہیں ہے۔ بلکہ اولاد اس کی محتاج ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باپ اپنی شفقت پدری کے تقاضا کی وجہ سے سب پر یکساں نوازش کرتا ہے۔

پادری صاحب! اگر آپ خود بھی صاحب اولاد ہیں تو اپنے ضمیر سے پوچھئے۔ اگر نہیں ہیں تو کسی صاحب اولاد دوست سے پوچھئے کہ وہ اپنی اولاد سے بے نیاز ہونے کے باوجود ان کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتا ہے یا نہیں؟

اس مثال سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے بے نیازی اور محبت میں جو مغائرت سے سمجھی ہے وہ غلط ہے۔

آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ سورہ اخلاص کی آیت "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" کے اصح معنی وہ ہیں جو حضرت حسن بصری سے منقول ہیں یعنی "اللہ المقصود" صمد کے معنی مقصود کے بھی آتے ہیں اس کی شہادت میں معلقہ کا ایک شعر پیش کرتا ہوں۔ ؎

انطلقت الجمع العظيم تلاقنی
علی ذروة البيت الكريم الصمد

پس آیت زیر بحث کے معنی یہ ہیں کہ دُنیا میں اِنسان کا اصل مقصود خدا کی رضا جوئی ہے دگر ہیچ، اسی بنا پر حضرت مسیح نے کیا ہی سچ فرمایا ہے۔

"اے میرے باپ اگر میرے پیئے بغیر (موت کا) یہ پیالہ نہیں گزر سکتا تو تیری مرضی ہو۔"

(متی ۲۶:۴۴)

اللہ اللہ! کیسی عبودیت اور کیسی رضا جوئی ہے۔ کیا ہی سچ ہے۔ ؎

تیغ بگرفت بکف و گفت کہ نازم ایں است
سرفرو بردم و گفتم کہ نیازم ایں است

باوجود اس کے پادری صاحب نازاں ہو کر لکھتے ہیں۔

"پس خدا کے بلند و بالا ہونے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق جو تعلیم قرآن میں پائی جاتی ہے وہ کامل طور پر انجیل جلیل میں موجود ہے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اِسلام کی تعلیم کے نقائص سے پاک ہے۔۔" ---- (صفحہ ۱۰۴)

قارئین کرام! یہ ہے پادری صاحب کا زور قلم یا بالفاظ دیگر بے جا ضد اور تعصب اس امر کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ قرآن کی تعلیم کامل طور پر انجیل میں پائی جاتی ہے۔ پھر اس کو ناقص بتانے میں کیا نقصان ہے، وہی مرکزی نقطہ کہ "مسیح مجسم خدا ہے۔" جس کی تردید پہلے کافی ہو چکی ہے (کتاب ہذا صفحہ ۶۹) پادری صاحب کو اسی پر ناز ہے، آپ کے خیال میں یہی تعلیم انجیل کی خوبی اور بے نظیری کا ثبوت ہے۔ سچ ہے۔ ؎

آگیا داغ اس کے دِل میں یہ غرور
شکل ہے دُنیا میں لاثانی میری

"قرآن کے مطابق خدا رحمان اور رحیم ہے جو ہمارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔"
(مائدہ ۴۴ وغیرہ) صداقت کا یہ پہلو اپنی بہترین شکل اور پاکیزہ ترین صورت میں انجیل جلیل کی تعلیم میں پایا جاتا ہے۔ (مر۱۱/۲۵' افس ۴/۳۲' کلس ۳/۱۳ وغیرہ) لیکن اِسلامی تعلیم میں بڑا نقص یہ ہے کہ خدا کی رحمت کا اخلاقیات سے تعلق نہیں۔ اس میں اخلاقی عنصر موجود نہیں' کیونکہ رحم کرنا اور گناہوں کا بخشنا اس کی مطلق العنان مرضی پر موقوف ہے۔"۔---
(صفحہ ۱۰۴)

مجیب: پہلے ہم بتا آئے ہیں کہ انجیل نے گناہ کی سزا بڑی سخت بتائی ہے۔ حتیٰ کہ از روئے انجیل کسی کو احمق کہنا دخول جہنم کا موجب ہے (متی باب ۵: ۲۲) اس کے علاوہ انجیل کی سختی مندرجہ ذیل حوالہ سے بھی ثابت ہے' مسیح فرماتے ہیں کہ

"اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلادے اسے نکال ڈال کر خدا کی بادشاہت میں کانا دخل ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے' جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی۔ کیونکہ ہر ایک شخص آگ سے نمکیں کیا جائے گا۔"
(قرص ۹ باب کی ۴۹)

ہاں آپ نے قرآن کے مضامین پر اچھی طرح غور نہیں کیا اور غور کر بھی نہیں سکتے کیونکہ آپ کا منشا عیب جوئی ہے' سنئے جن الفاظ پر آپ کو اِعتراض ہے۔ وہ یہ ہیں۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ---- (پ ۴ : ع ۳)

یہ ایک مجمل کلام ہے۔ جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مجرم کی بڑی شخصیت بھی اس کو عذاب اِلٰہی سے نہیں بچا سکتی اور محسن (نیکو کار) کی ادنیٰ شخصیت اس کی ترقی میں رکاوٹ نہیں ہے۔ باقی رہا یہ مطلب کہ اللہ کس پر رحم کرے گا اور کس کو عذاب دے گا۔ اس کا ذکر دوسری آیت میں مفصل ملتا ہے۔ سنئے! اِرشاد ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِا ---- (پ ۲۷:ع ۱۹)

خدا کسی متکبر اور مغرور سے محبت نہیں کرتا۔

وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ ---- (پ ۱۶ : ع ۱۳)

ترجمہ خدا تائب لوگوں کے لئے بخشن ہار ہے۔

اس آیت کو آپ اپنے فقرہ کے ساتھ ملا کر پڑھیں۔

لہٰذا خدا کی ذات تقاضا کرتی ہے کہ وہ گناہوں کو معاف کرے اور تائب گناہگار کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے----- (صفحہ ۱۰۵)

کہئے اب بھی آپ کی غلطی رفع ہوئی یا نہیں؟

مزید سنئے! قرآن مجید کا عام قانون ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ---- (پ۲:ع۱)

ترجمہ خدا سب لوگوں پر بڑا مہربان اور شفیق ہے۔

مگر خدا تعالیٰ چونکہ باوجود رحیم کریم اور غفار ستار ہونے کے عادل اور انصاف پسند بھی ہے اس لئے وہ طاعی اور طاغی (فرمانبردار اور نافرمان) کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا اپنے عدل و انصاف کے خلاف جانتا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ---- (پ۲۳:ع۱۲)

ترجمہ کیا ہم مومن اور نیکو کار لوگوں کا انجام ملک میں فساد کرنے والوں جیسا کر دیں گے یا پرہیز گاروں کو انجام کے لحاظ سے بدکاروں جیسا بنا دیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔

بس یہی وہ پاک تعلیم ہے، جس کو پادری صاحب محل اِعتراض سمجھتے ہیں۔ مگر اہل نظر اس کی خوبی اور حسن کے پیش نظر کہتے ہیں۔ ؎

اِسلام!:

کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہاں میں کوئی حسین نہیں!!

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"قرآن کے مطابق خدا گناہ کا بانی ہے (اعراف آیت ۱۷۷) نبی اسرائیل ۱۷ شوریٰ ۴۵، ہود (۳۶، ۱۲۰ وغیرہ) کلمتہ اللہ کی تعلیم اس باطل عقیدہ سے پاک ہے۔" ---- (صفحہ ۱۰۵)

مجیب: معلوم ہوتا ہے کہ پادری برکت اللہ صاحب پادری عماد الدین صاحب کا ترجمہ قرآن سامنے رکھتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو قرآن فہمی میں غلطی لگ جاتی ہے۔ ان ساری آیتوں میں صرف سورہ اعراف کی آیت زیر بحث آسکتی ہے۔ باقی آیتوں کا مضمون بالکل صاف ہے' آیت موصوفہ کے الفاظ یہ ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ ---- (پ۹:ع۱۲)

تفصیل: عربی زبان میں لام جارہ دو معنی کے لئے آتا ہے ایک تو معنی علت کیلئے دوسرے معنی غایت کے لئے' جس کو انجام کہتے ہیں علت کا لام وہ ہوتا ہے' جس کا مدخول دوران فعل میں فاعل کی نیت میں موجود ہو۔ جیسے "ضربته للتادیب" (میں نے اس کو ادب سکھانے کے لئے مارا) اس سے معلوم ہوا کہ فاعل کی نیت میں ادب سکھانا داخل ہے۔ غایت کی مثال یہ آیت ہے۔

فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ---- (پ۲۰:ع۴)

یہ آیت حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ میں ہے۔ اس کا ترجمہ پادری عماد الدین نے یوں کیا ہے۔

پھر اسے فرعون کے لوگوں نے اٹھا لیا تاکہ ان کے لئے ایک دشمن اور باعث غم ہو جائے۔

---- (ترجمہ عمادی صفحہ ۱۸۴)

مجیب: یہ ترجمہ اس لئے غلط ہے کہ فرعون والوں کی نیت میں یہ داخل نہیں تھا کہ وہ بچہ (موسیٰ) ان کا دشمن بن جائے۔ کیونکہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ

تا آخر شود برائے ایشاں دشمن

بعض لوگ لام علت اور لام عاقبت میں امتیاز نہیں کرتے بلکہ سرسری طور پر ایسا ترجمہ کر دیتے ہیں کہ لام عاقبت لام علت کے معنی میں نظر آتا ہے۔ پس آیت زیر بحث کے معنی یہ ہوئے کہ۔

خدا کی مخلوق میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا انجام جہنم ہوگا' جس کی وجہ یہ ہے

کہ ایسے لوگ اپنے دل' آنکھ اور کان سے وہ کام نہیں لیتے جن کے لئے یہ اعضاء پیدا کئے گئے ہیں- اور نہ دِل سے صحیح بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں- بلکہ الٹا اِعتراض کئے جاتے ہیں-جس کی طرف شیخ سعدی نے اشارہ کیا ہے- ؎

گل است سعدی و در چشم دشمناں خاراست

ہاں پادری صاحب! اپنے گھر کی بھی خبر لیجئے' خدا نے موسیٰ کو فرعون کے مقابلہ میں بھیجتے ہوئے کہا تھا- میں فرعون کے دِل کو سخت کروں گا اور اپنی نشانیوں اور عجائب کو ملک مصر میں زیادہ کروں گا' لیکن فرعون تمہاری نہ سنے گا----(خروج باب ۷)

پس جس وجہ سے فرعون کے دِل میں یہ سختی پیدا کی گئی تھی- اسی وجہ سے قرآن مجید میں معاندین حق کی گمراہی کی خبر دی گئی ہے- جس کا مختصر مگر جامع ذکر اس آیت میں ہے-

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ---- (پ ۳۰:ع ۸)

ترجمہ "بدکار لوگوں کے دلوں پر ان کی بدکاری بہت برا اثر پیدا کر دیتی ہے-"

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں-

"قرآن میں نماز اور دُعا کا حکم ہے- لیکن وہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد نہیں (نساء ۴۶ روم ۱۷'۱۸' ہود ۱۱۶' بنی اسرائیل ۸۰' طٰہٰ ۱۳۰' بقرہ ۱۲۹)- چنانچہ حکم ہے کہ نماز خاص اوقات پر اور ایک خاص جگہ کی طرف رخ کرکے پڑھی جائے- لیکن مسیحیت میں یہ حکم زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے- کلمتہ اللہ نے فرمایا کہ ہر وقت دُعا مانگتے رہنا چاہئے- (لوقا ۱-۱۸' افسی ۶-۱۸' ا تلینقی ۵-۱۷' تمطا ۲-۸ وغیرہ) آپ نے کسی خاص جگہ کو قبلہ نہ بنایا (یوحنا ۴' ۲۰-۲۵)' اِسلام میں دُعا سے پہلے ظاہری اور رسمی پاکیزگی پر زور دیا گیا- ہے- مائدہ ۸-۹' بقرہ ۱۸۳ وغیرہ) لیکن کلمتہ اللہ کی تعلیم میں ظاہری تکلفات کا ناقص پہلو دور کر دیا گیا ہے-"

دل کہ پاکیزہ بود جامۂ ناپاک چہ سود
سر کہ بے مغز بود لغزی دستارچہ سود

مجیب: اس اقتباس کا جواب کتاب ہذا کے صفحہ ۷۴ پر درج ہو چکا ہے- جس میں بتایا گیا ہے کہ عیسائیوں کی عبادات میں بھی کون و مکاں کی پابندی برابر پائی جاتی ہے-

لطیفہ: پادری صاحب نے جو فارسی میں شعر لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر ہمیں ایک پرانا قصہ یاد آگیا۔ کسی شاعر کے شعر پر طلبائے مدرسہ نے اِعتراضات کیے تو شاعر نے کہا کہ

شعر مرا بمدرسہ کہ برد

یہی مثال پادری صاحب کے اس شعر پر صادق آتی ہے۔ پہلے مصرع کو ایسا خراب کیا کہ اگر شاعر سن پائے تو یہی کہے کہ

شعر مرا بگر جا کہ برد

کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ اس شعر کو پادری سلطان محمد خاں افغان سے صحیح کرا لیتے۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"کلمتہ اللہ (مسیح) نے فرمایا کہ خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں۔" ---- (صفحہ ۱۰۵)

آپ کے سارے اِعتراض کا جواب قرآنی لفظ "خاشعون" میں ملتا ہے۔ اِرشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلاَتِهِمْ خَاشِعُوْنَ

(پ ۱۸: ع ۱)

ترجمہ کامیاب ہو جائیں گے وہ ایماندار لوگ جو خشوع کی حالت میں نماز ادا کرتے ہیں۔

خاشعین کی تشریح ایک دوسری آیت میں یوں آئی ہے۔

اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلاَّ عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلاَقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ---- (پ ۱: ع ۵)

ترجمہ نماز بے شک مشکل ہے مگر خاشعین پر مشکل نہیں جو جانتے ہیں کہ ہم اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف ہمارا رجوع ہے۔

پادری صاحب کیا اچھا ہوتا کہ آپ قرآن مجید پر اِعتراض کرنے سے پہلے کسی قرآن دان استاد سے مطلب سمجھ لیتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن میں یہ بڑی خوبی ہے کہ مخالفین کے

اِعتراضوں کا جواب وہ خود ہی دیتا ہے۔

میرے محبوب کے دو ہی پتے ہیں
کمر پتلی صراحی دار گردن

آگے چل کر پادری صاحب نے روزہ کے متعلق اِعتراض کیا ہے جس کا جواب اس سے پہلے اسی کتاب کے صفحہ ۴۸ پر ہو چکا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کے حج بیت اللہ پر اِعتراض کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ "یہودیت اور اِسلام میں یہ مماثلت ہے کہ جو جگہ اہل یہود کے مذہب میں یوروشلم کی ہیکل دی گئی ہے۔ وہی جگہ اِسلام میں مکہ کو دی گئی ہے۔ جس طرح یہود اپروشلم کی ہیکل میں رہتا تھا۔ اسی طرح اِسلام کا اللہ رب کعبہ ہے۔ انجیل جلیل کی تعلیم اس اصول سے پاک ہے۔"
(صفحہ نمبر ۱۰۶)

مجیب: پادری صاحب نے اگر سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہی غور سے پڑھی ہوتی تو آپ یہ اِعتراض نہ کرتے' خیر ہم خود ہی آپ کو بتاتے ہیں کہ اِسلام کا اللہ کون ہے۔ بزبان قرآن سنئے اِرشاد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ○

بتایئے کہ ان آیات میں رب العلمین کس کی صفت ہے۔ ہم سے پوچھیں تو ہم بتاتے ہیں کہ

"رَبِّ الْعَالَمِيْنَ' اَلرَّحْمٰانِ' الرَّحِيْمِ" اور "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" یہ چاروں صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ہاں ہاں سنئے! اِسلام کا اللہ وہ ہے جو عیسائیوں کے دونوں معبودوں مریم صدیقہ اور ابن مریم (مسیح) کو بلکہ ساری دُنیا کے چھوٹے بڑے اِنسانوں کو للکار کر فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ اِن اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ---- (پ۶:ع۷)

ترجمہ جو لوگ مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ کے منکر ہیں اے نبی تم ان لوگوں کو کہہ دو کہ خدا اگر چاہتا تو مسیح اور اس کی ماں اور تمام دُنیا کو ہلاک کر دیتا' پھر کون تھا جو اس کو روک سکتا' آسمان' زمین اور کل مخلوقات کی بادشاہی اسی کے لئے ہے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

قارئین: یہ اعلان کیسا باہیبت اور پر شکوہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا تکلف اور تصنع (بناوٹ) بھی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ جس کا کسی قدر مضمون فارسی کے اس شعر میں ملتا ہے۔ ؎

ہست سلطانی مسلم مرورا
نیست کس را زہرہ چون وچرا

پادری صاحب! یہ ہے اِسلام کا اللہ جو مسیحیت کے معبود اور اس کی ماں کو بھی للکارتا ہے اور وہ دونوں اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ غور سے سنئے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًالِّلّٰهِ ---- (پ۶:ع ۴)

ترجمہ مسیح کو اللہ کا بندہ بننے میں ہرگز کوئی عار نہیں ہے۔

یہ ہے اِسلام کا اللہ جس کی شان میں مسدس حالی کا ایک بند ہم بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ؎

خرد اور اوراک رنجور ہیں واں — مہ و مہر ادنی سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں — نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے اَحرار و ابرار کی واں

پادری صاحب! یہ ہے ہمارا اللہ۔ جس کی شان کبریائی کا تھوڑا سا حال ہم نے آپ کو سنایا ہے۔ ذرا اپنے معبود کو بھی سامنے لائے اور اِسلام کے اللہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کیجئے۔

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

غنیمت ہے کہ پادری صاحب اِسلام کے اللہ پر اِعتراض کرتے ہوئے اِسلامی تعلیم

کو یہودی تعلیم کے مماثل مانتے ہیں اور پھر اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سمجھتے کہ یہودی تعلیم تو موسوی شریعت کا نام ہے۔ جس کو مسیح نے تسلیم کرکے واجب العمل قرار دیا ہوا ہے۔ جس کا ذکر ہم کتاب ہذا کی تمہید میں صفحہ ۲۳ پر کر آئے ہیں۔ "فتدبر!" آگے چل کر آپ قربانی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اسلام میں قربانی کا حکم پایا جاتا ہے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اور زندگی نے ایک طرف قربانی کے تصور کو کامل کر دیا اور دوسری طرف اس قسم کے ناقص اور باطل تصورات کو خارج کر دیا۔" ---(صفحہ نمبر ۱۰۷)

مجیب: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے جتنی قسم کی قربانیاں تورات وغیرہ کی تعلیم سے مروج[1] تھیں۔ مسیح نے صلیب پر اپنی قربانی دے کر ان سب کو منسوخ یا مرفوع الحکم کر دیا' بہت خوب! اسی لئے اب عیسائیوں میں قربانی کا رواج نہیں ہے بلکہ مسیح کی قربانی پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ انہی معنوں میں پولوس کا قول ہے۔

"یسوع نے ہم کو شریعت کی لعنت سے چھڑایا' وہ ہمارے لئے لعنتی ہوا (گلیتیوں باب ۳۰)

حالانکہ خود مسیح نے موسوی شریعت کی قربانیوں کو بحال رکھا' ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اگر تو قربانگاہ پر اپنی نذر گزارتا ہو تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہیں قربان گاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے۔ اور جاکر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آکر اپنی نذر گزران۔" ---(متی ۵'۲۳)

مجیب: اس عبارت سے بالفاظ صریح قربانی کے حکم کی بحال ثابت ہوتی ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اگر قربانی کا حکم منسوخ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ تب آکر اپنی نذر گذران' بلکہ ارشاد عالی یوں ہوتا کہ

قربانی کو ترک کر دے' یہ ایک بری رسم ہے' اچھے بھائی سے صلح کر' یہ کام بہت ضروری ہے۔

---

[1] احباء باب ۱ تا ۱۰ (مجیب)

قارئین: یہ ہے موسوی شریعت کی قربانیوں کی تکمیل- اللہ اللہ کتنی دلیری اور کتنی جرات ہے- اس پر مزید لکھنے سے ہمارا دِل کانپتا ہے اور قلم لرزاں براندام ہے-

مختصر یہ ہے اِسلامی قربانی موسوی شریعت کے قربانیوں کے مشابہ ہے- مگر شمار میں بہت کم' یہ تخفیف اِسلام کی خوبی ہے نہ کہ برائی ؎

مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں-

"قرآن میں حرام و حلال خوراک میں تمیز کی گئی ہے- (مائدہ ۹۰' ۹۷' انعام ۱۴۶' وغیرہ) اس قسم کی تعلیم ہم پر عیاں کر دیتی ہے کہ قرآن صرف خاص ممالک و اقوام پر ہی حاوی ہو سکتا ہے لیکن کلمتہ اللہ نے اس قسم کی تعلیم کے نقص کو رفع کر دیا اور فرمایا کہ کوئی شے بذاتہ حرام نہیں' انجیل میں اِرشاد ہے کہ خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں' بلکہ راست بازی محبت اور اِتفاق اور اس خوشی پر موقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے- مسیحیت اس قسم کے باطل عناصر سے یک سر خالی ہے-" ---- (صفحہ ۱۰۸)

مجیب: اللہ رے حق سے عداوت! پادری صاحب کو اِسلام پر اِعتراض کرتے ہوئے شریعت موسوی کی بھی پروا نہیں ہوتی- آپ اگر موسیٰ کی کتاب استثنا باب ۱۴ کو سامنے رکھ لیتے تو یہ جرات نہ کرتے' جو آپ نے یہاں کی ہے' دیکھئے خدا حضرت موسیٰ کو حکم دیتا ہے-

"تو کسی گھنونی چیز کو مت کھائیو' وہ چارپائے کہ جنہیں تُم کھا سکتے ہو یہ ہیں ہیل اور جھنڈ میں سے بھیڑ اور بکری اور ہرن اور آہو اور یحمور اور بزکوہی اور ریم اور گاؤمیش اور کَنہ کوہی' اور ہر ایک چارپایہ جس کے کھر چرے ہوئے ہوں- اور اس کے کھر میں شگاف ہو ایسا کہ اس سے دو پنجے ہوتے اور جگالی کرتا ہو تو تُم اسے کھاؤ گے- لیکن ان میں سے کہ جگال کرتے ہیں- یا ان کے کھر چرے ہوئے نہیں ہیں' تُم انہیں مت کھائیو' جیسی اونٹ اور خرگوش اور یربوع' اس لئے کہ جگالی کرتے ہیں- لیکن انکے کھر چرے ہوئے نہیں ہیں' پھر یہ تمہارے لئے ناپاک ہیں اور سور بھی کہ اس کے کھر چرے ہوئے ہیں پر جگالی نہیں کرتے وہ تمہارے لئے

ناپاک ہے تم ان کا گوشت نہ کھائیو نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگائیو!

آبی جانوروں میں سے یہی کھاؤ گے، جتنوں کے پر ہوں اور چھلکے، تم انہیں کھاؤ گے، مگر جس کے پر اور چھلکے نہ ہوں، تم اسے مت کھائیو، وہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔

ہر ایک پرندہ جو پاک ہے تم اسے کھاؤ گے لیکن وہ جن کا کھانا حرام ہے یہ ہیں۔ عقاب اور استخوان خوار اور بحری عقاب اور چیلھ اور سفید چیلھ اور گدھ اور جوان کی جنس سے ہیں۔ ہر ایک جنس کو کوا اور شتر مرغ اور الو اور بحری بگلا اور باز کی ہر ایک قسم اور بوم اور چوہے مارا اور کچورا۔ اور حواصل اور رخم اور ماہیخورا اور لک لک اور بگلا اور جو ان کی جنس سے ہوں اور ہدہد اور چمگادڑ اور ہر ایک حیوان جو رینگ کے چلے اور اڑے تمہارے لئے ناپاک ہے تم اسے مت کھائیو۔ سب وہ پرندے جو پاک ہیں تم انہیں کھاؤ گے۔ جو حیوان آپ سے مرجائے تم اسے مت کھائیو۔" ---- (استثناء: باب ۱۴)

مجیب: پادری صاحب! آپ نے اسی تعلیم پر ہاتھ صاف کیا ہے یا کسی اور پر۔ غور سے سنئے حرام و حلال کے درمیان امتیاز کی نفی کا اثر دور تک پہنچتا ہے۔ ایک مسلمان ایک عیسائی دو شخص ہیں۔ ان دونوں نے ہوٹل میں جاکر کھانا طلب کیا۔ مسلمان نے تو بیرے سے کہا۔ میرے لئے بکری کا گوشت اور پانی کا گلاس لاؤ۔ مگر عیسائی نے کہا کہ میرے لئے سور کا گوشت اور شراب کا گلاس لاؤ۔ دونوں نے اپنا اپنا من بھاتا کھانا کھایا۔

پادری صاحب! فرمایئے کیا یہ دونوں شخص آپ کی نظر میں یکساں ہیں۔ کتاب احبار میں سور کی حرمت دیکھ کر جواب دیجئے، جس میں لکھا ہے کہ

"سور کہ کھر اس کا وہ حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے۔ پر وہ جگالی نہیں کرتا۔ وہ بھی ناپاک ہے تمہارے لئے۔ تم ان (جانوروں کے گوشت سے کچھ نہ کھائیو۔" ---- (احبار باب ۱۱، ۷، ۹)

حرمت شراب کی بابت بائبل کا ارشاد سنئے۔

"مے مسخرہ بناتی ہے اور مست کرنے والی ہر ایک چیز غضب آلودہ کرتی ہے۔ جو اس کا فریب کھاتا ہے۔ وہ دانشمند نہیں" ---- (امثال ۲۰:۱)

مسیحی دوستو! پادری برکت اللہ صاحب سے پوچھو کہ تم اسلام کی تردید کرنے میں اتنے دلیر کیوں ہو گئے کہ بائبل مقدس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ جس سے اہل مذاق کو یہ کہنے کا

موقع ملاکہ۔

بازی　　　　باریش　　　　بابا　　　　بازی

آگے چل کرپادری صاحب لکھتے ہیں۔

"اسلام میں نعمائے بہشت اور عذاب ہائے دوزخ کی تعلیم موجود ہے۔اس تعلیم میں صداقت کا جو عنصر ہے وہ مسیحیت میں اپنی پاکیزہ ترین صورت میں پایا جاتا ہے۔"----(یو ۱۴'۴:۳) مکا ۲-۷'لو ۲۰-۷:۷'۳'متی ۲۲-۲۵-۳۰ باب باب وغیرہ) قرآن میں بہشت کی تصویر شراب اور نہروں' عورتوں' غلاموں وغیرہ پر مشتمل ہے' جس سے سلیم الطبع اشخاص متنفر ہو جاتے ہیں۔ لیکن مسیحیت کے مطابق یہ تمام باتیں ناقص اور باطل ہیں (مرقس ۱۲: ۲۵ وغیرہ) یہ تعلیم صرف ان لوگوں کو ہی بھلی معلوم ہو سکتی ہے جو ترقی کی ابتدائی منازل پر ہوں۔ لیکن اس طبقہ کے باہر یہ تعلیم دیگر ممالک و اقوام کی رہبری نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے اباطیل کو مسیحیت میں جگہ حاصل نہیں۔"----(صفحہ ۱۰۸)

مجیب: بے شک قران مجید میں بہشت اور دوزخ کا ذکر ہے اور مفصل ذکر ہے اور انجیل میں دوزخ کالفظ ادھورے لفظوں میں ملتا ہے۔چنانچہ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔

جو اپنے بھائی کو احمق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہوگا----(متی ۵: ۲۳)

اسی طرح بعض اور مقامات میں بھی کسی قدر جہنم کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن مجید میں بہشت کا مفصل ذکر کر کے ایک مقام پر مجمل الفاظ میں بھی فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ ---- (پ ۱۷:ع ۷)

اس آیت میں زمین کے وارث صالحین کو فرمایا ہے اور زبور کا حوالہ دیا ہے پادری صاحب اگر محققانہ اعتراض کرتے تو یوں پوچھتے کہ قرآن مجید نے زمین کی وراثت نیک بندوں کو دینے کا جو ذکر کیا ہے زبور میں وہ کہاں ہے؟ تو یہ ایک معقول سوال ہوتا۔ خیر آپ نے تو نہیں پوچھا۔ ہم خود ہی بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک فیصلہ کن عبارت ہے۔

حضرت داؤد فرماتے ہیں۔

"صادق زمین کے وارث ہوں گے اور ابد تک اس میں بسیں گے۔ صادق کا منہ دانائی کی بات

کہتا ہے- اس کی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اس کے خدا کی شریعت اس کے دل میں ہے-"----(زبور ۳۷:۳۹)

مجیب: اس کلام حسن التیام میں جن صادقوں کی تعریف بہت اچھے لفظوں میں کی گئی ہے- انہیں کو قرآن مجید نے "الصَّالِحُوْنَ" کے لفظ سے یاد کیا ہے اور قرآن مجید نے صادقوں کو جس زمین کی وراثت دینے کا وعدہ کیا ہے وہ وہی ہے- جس کا ذکر اس اقتباس میں آیا ہے قرآن میں بہشتوں کے لئے جملہ "خالدین فیھا" آیا ہے- مگر زبور کی مرقومہ عبارت میں کہا گیا ہے- کہ وہ صادق ہمیشہ بسیں گے' مطلب ان دونوں جملوں کا ایک ہی ہے- پس ثابت ہوا جنت اور دوزخ کا ذکر قرآن اور بائیبل دونوں کتابوں میں برابر ملتا ہے- فرق صرف یہ ہے کہ بائیبل میں یہ ذکر بالا جمال ہے اور قرآن میں بالتفصیل' ہاں پادری صاحب کا یہ فقرہ بھی محل افسوس ہے- جو آپ نے سلسلہ انبیاء کے منکرین آریہ وغیرہ کے اثر سے لکھ دیا ہے-

"قرآن میں بہشت کی تصویر نہروں' عورتوں' غلاموں شراب وغیرہ پر مشتمل ہے-"

ان چیزوں کے ذکر میں لفظ شراب نے دانستہ بڑھایا ہے- کیونکہ شراب اردو زبان میں نشہ آور پانی کا نام ہے- جو ہر عقلمند کے نزدیک بہت بری چیز ہے- عربی زبان میں شراب کے معنی ہیں پینے کی چیز' دودھ' پانی' شربت' لسی وغیرہ' جنت میں جو شراب اہل جنت کو ملے گی وہ نشہ آور نہیں ہوگی- چنانچہ ارشاد ہے-

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ● ---- (پ ۲۳:ع ٦)

پادری صاحب نے بہشت میں عورتوں کے وجود پر بھی اعتراض کیا ہے- جواب یہ ہے کہ بیشک قرآن مجید نے نعمائے بہشت کے سلسلہ میں عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے- کیا بائیبل کے حوالے سے آپ نے مرد عورت کو بڑے فخر سے ایک تن نہیں کہا

----(دین فطرت صفحہ ۴۵)

پھر جو چیز یہاں نعمت ہے اسی کو وہاں زحمت قرار دے کر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے غلاموں کا ذکر بھی آپ نے کسی خاص نیت سے کیا ہے- قرآن مجید میں لفظ غلمان بے شک آیا

● اس میں نشہ نہیں ہوگا- جس سے اہل جنت کے سر چکرا جائیں-

ہے۔ سنئے! غلمان غلام کی جمع ہے۔ اس کے معنی چھوٹے بچے کے ہیں نہ کہ مملوک کے غلام بمعنی مملوک فارسی زبان کا محاورہ ہے۔ اس لئے دوسری آیت میں ولدان کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ "يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ" ---(پ۲۹: ع۱۹)

ان آیتوں کے معنی یہ ہیں کہ اہل جنت کی اولاد جو دُنیا میں بحالت نابالغی مرچکی ہے یا وہاں ان کے حسب خواہش پیدا ہوگی۔ ان کے پاس پھرے گی جو ان کے لئے موجب راحت ہوگی۔ اقتضائے عقلی یہ ہے کہ جو چیز اس دُنیا میں نعمت ہے۔ وہ آخرت میں بھی نعمت ہوگی مرد عورت کا ملاپ قدرتی امر ہے اور دونوں (میاں بیوی) کے لئے ایک قسم کی نعمت ہے۔ بس یہ چیز جس طرح دُنیا میں نعمت ہے اسی طرح آخرت میں بھی نعمت ہی ثابت ہوگی۔ اسی لئے فرمایا۔

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ---- (پ۱ : ع۳)

ترجمہ: یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں پاک دامن بیویاں ہوگی۔

انجیل مرقس کے حوالہ مذکور میں یہ تو بے شک لکھا ہے کہ دوسری دُنیا میں لوگ فرشتوں کی مانند ہوں گے، یعنی نیک کاموں کی جزا روحانی ہوگی۔ لیکن برے کاموں کی سزا جہنم میں جسمانی ہوگی۔ ملاحظہ ہو حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ۔ آپ فرماتے ہیں۔

"جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے۔ وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کرچکا۔ سو اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔" ---(متی باب ۵، ۲۷ تا ۲۹)

پس آپ کا یہ کہنا کہ سلیم الطبع اشخاص اس سے متنفر ہیں ہم تو ایسے لوگوں کے متنفر ہونے کے قائل اس وقت ہوں گے۔ جب کہ وہ دُنیا میں بھی اس کام سے متنفر کریں گے ورنہ ان کے حق میں کہا جائے گا۔ ؎

منکرمے بودن وہم رنگ مستاں زیستن

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں۔

"اسلام میں جہاد کی تعلیم موجود ہے (توبہ ۲۹، ۱۱۲، ۱۱ تا ۱۵، محمد ۴ وغیرہ) جو صرف خاص قوم اور ملک سے ہی متعلق ہوسکتی ہے، بذریعہ جنگ وجدل لوگوں کو کسی مذہب میں جبریہ داخل کرنے

اور لوٹ کا مال قبضہ میں رکھنے (انفال ۷۰ وغیرہ) کی تعلیم ہرگز اس قسم کی نہیں جس کا اطلاق کل اقوام اور ممالک عالم پر ہو سکے' یہ تعلیم سراسر باطل ہے- لہٰذا کلمتہ اللہ کی تعلیم میں دخل نہیں پاتی' علی ہذا القیاس قران قصاص و انتقام کی تعلیم دیتا ہے-(بقرہ ۱۹۰' مائدہ ۴۹' شوریٰ ۴۴ تا ۴۸' نحل ۲۷ ۲ وغیرہ) لیکن کلمتہ اللہ نے جیسا ہم گذشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں- اس قسم کی تعلیم کو باطل قرار دے دیا ہے-"---(صفحہ نمبر ۱۰۸' ۱۰۹)

مجیب: جہاد کا مسئلہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں اور بائیبل کی شہادت سے اس کا ثبوت دے آئے ہیں اور یہ بھی بتا آئے ہیں کہ مسیح نے جہاد کو پسند کیا ہے' پھر اگر بقول پادری صاحب مسیح کلمتہ اللہ نے اس تعلیم کو باطل قرار دیا ہے تو اِسلام کو نہیں بلکہ بائیبل مقدس کو باطل قرار دیا ہے- حالانکہ پادری صاحب خود لکھتے ہیں کہ

"اس دُنیا میں بائیبل مقدس ہی ایک واحد کتاب ہے جو صدیوں سے ہزاروں ملکوں اور قوموں کے کروڑوں افراد کے نزدیک آج بھی ویسی ہی وقعت کے قابل ہے جیسی وہ اس زمانہ میں تھی- جب وہ تحریر میں آئی-"---(صفحہ نمبر ۶۷)

ہاں یہ بات بھی آپ نے سنے سنائے لکھ دی ہے کہ

"جہاد سے غرض لوگوں کو جبراً مذہب میں داخل کرنا ہے-"

ایسا کہنا بالکل غلط ہے- قرآن شریف میں صاف اِرشاد ہے- "لَآ اِکْرَاہَ فِي الدِّیْنِ" یعنی دِین میں کسی پر کسی قسم کا جبر جائز نہیں ہے-

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ لوٹ کے مال پر قبضہ کرنے کی غرض سے جہاد کا حکم دیا گیا- بالکل غلط ہے- جہاد سے مقصود یہ ہے کہ کفار کی طرف سے اہل اسلام پر جو ظلم روا رکھا گیا ہو اس کو دفع کرنے کے لئے حکومت اِلٰہیہ قائم کی جائے- جس کو آج کل کی اصطلاح میں پورن سوراجیہ یا مکمل آزاد کہتے ہیں- جس کے لئے آج کل ہندوستان سخت جانفشانی اور سرفروشی کا مظاہرہ کر رہا ہے- اس جدوجہد میں مسیحی لوگ بھی شامل ہیں-

مال غنیمت کی بابت بائیبل مقدس کا اِرشاد سنئے! حضرت موسیٰ کا حکم ہوتا ہے-

"جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر' تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے تو صلح منظور اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری

خلق جو اس شہر میں پائی جائے۔ تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے کھائیو۔"

(استثناء باب ۲۰ ۱۰ تا ۱۴)

مجیب: دیکھئے اس اقتباس میں زیر خط الفاظ کس صفائی سے مال غنیمت کو مباح (جائز) قرار دے رہے ہیں۔ ہم نے یہ الفاظ مسیحوں کی شائع کردہ بائیبل سے نقل کئے ہیں۔ کیا مسیحی حضرات نے یہ الفاظ بائیبل سے خارج کر دیئے ہیں تو نئی بائیبل کا ایک نسخہ ہمیں بھی بھیج دیں۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو جو حسب ضرورت جہاد کا حکم دیا ہے آج ساری دُنیا یورپی و ایشیائی قومیں اپنی اپنی اغراض کے ماتحت اس پر عمل کر رہی ہیں' کیا اچھا ہو کہ پادری صاحب یورپ جاکر اٹلی کے پوپ کے ہمراہ ہو کر ان لڑنے والی قوموں کو لڑائی سے منع کریں۔ مگر روانگی سے پہلے اپنے پرائے سے میل ملاقات کرلیں' کیوں؟ ؎

کوئی جا کرکے کہہ دے نامہ برسے
پہنچ کرکے وہیں کے ہو نہ رہنا

باوجود اِسلام کا دامن جہاد کے مسئلہ میں ان بدنما دھبوں سے بالکل پاک ہے۔ جو آج کل یورپ و ایشیا کی جنگ جو اقوام کے دامن پر نظر آرہے ہیں۔ کہ نہ عورتوں کو چھوڑا جاتا ہے۔ نہ بچوں کو نہ بوڑھوں کو نہ بیماروں کو۔ اس کے برخلاف اِسلامی تعلیم جہاد کے متعلق یہ ہے۔

قَاتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا

(پ ۲: ع ۸)

ترجمہ: ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔

پادری برکت اللہ صاحب نے خدا جانے کس نیت سے (بھول کر یا حق کی عداوت کی وجہ سے) قرآنی حکم قصاص پر بھی اِعتراض کیا ہے' قصاص بدلہ لینے کو کہتے ہیں۔ قران مجید نے

قصاص کے مسئلہ میں تورات کو بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ

(پ٦:ع١١)

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کو تورات میں حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور زخم بھی قابل بدلہ ہیں۔

اگر پادری صاحب حق کے متلاشی ہوتے تو ہم سے پوچھتے کہ اس حکایت کا محکی عنہ تورات میں کہاں؟ مگر وہ ایسا کیوں کرتے۔ جب کہ ان کو تحقیق حق سے مطلب ہی نہیں ان کو تو بقول۔ ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلیٰ   نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

مسیحیوں میں مسیحیت کی فضیلت کا اظہار منظور ہے۔ خیر وہ جانیں اور ان کا کام ہم تو اپنا فرض ادا کئے دیتے ہیں۔ قرآن مجید کے حوالے کا ثبوت درج ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"جو اِنسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا اور جو کوئی حیوان کو مار ڈالے تو وہ اس کا عوض حیوان کے بدلے حیوان دے اور اگر کوئی اپنے ہمسائے کو چوٹ لگائے سو جیسا کریگا ویسا ہی پائے گا۔ توڑنے کے بدلے توڑنا' آنکھ کے بدلے میں آنکھ' دانت کے بدلے دانت' جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے اور وہ جو حیوان کو مار ڈالے اس کا بدلہ دے وہ جو اِنسان کو مار ڈالے جان سے مارا جائے۔" ---- (کتاب الاحبار باب ۲۴: ۱۷ تا ۲۱)

اسی کے ساتھ ہی حضرت مسیح کا اِرشاد ذیل بھی سن لیجئے۔

"میں تُم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات میں ہرگز نہ مٹے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھا دے (چاہے سکھانے والا کوئی بڑا پادری ہو) وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔----- (متی باب ۵: ۱۸' ۱۹)

قارئین!: قرآن' تورات اور انجیل کے حوالہ جات مرقومہ پڑھ کر پادری صاحب کی جرات ملاحظہ کیجئے۔ کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ کلمتہ اللہ نے اس قسم کی تعلیم کو باطل قرار دیا ہے مگر یہ نہ سوچا کہ ہمارا یہ حملہ صرف قرآن پر نہیں بلکہ تورات' انجیل اور صحف انبیاء سب پر ہے۔ حیرت ہے کہ آپ مسیحیت کو عالمگیر ثابت کرتے ہوئے قصاص کے حکم کو باطل قرار دے رہے ہیں کیا دُنیا کے ممالک متمدنہ ایسی مسیحی تعلیم کو جو قصاص و انتقام کے خلاف ہو۔ منظور کرلیں گے' حاشا دکلا کیا خوب قرآنی معجزہ ہے کہ پادری صاحب خود ہی اپنے مدعا مقصود کے خلاف لکھتے جارہے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

آگے آپ صفحہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔

"عورت کی حیثیت کے متعلق احکام قرآن میں پائے جاتے ہیں (نساء ۲۳ تا ۲۸) بقرہ ۲۲۳ وغیرہ) یہ احکام عرب جاہلیت کو سدھارنے کی خاطر وضع کئے گئے تھے۔ ان میں سے جو صداقت کے پہلو ہیں وہ بدرجہ احسن انجیل جلیل میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم اس باب کی فصل اول میں ذکر کرچکے ہیں۔ لیکن قرآنی تعلیم کے ناقص پہلو مثلاً تعداد ازدواجی' طلاق وغیرہ' (نساء آیت ۳' بقرہ ۲۳' ۲۳۱ وغیرہ) صرف خاص ملک قوم اور طبقہ کے ساتھ ہی تعلق رکھ سکتے ہیں۔ اور ان کے اصول کا اطلاق کل دُنیا کے ممالک و اقوام پر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ تعلیم عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور یہی وجہ ہے کہ مسیحیت ان تمام ناقص غیر مکمل اور باطل عناصر سے پاک ہے۔" ----- (صفحہ ۱۰۹)

پادری صاحب نے فصل اول کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

"کلمتہ اللہ کے زمانے میں جنسی تعلقات کا فیصلہ مردوں کے ہاتھوں میں تھا۔ تمام روئے زمین کی عورتوں کی قسمت کی باگ دوڑ مردوں کے ہاتھ میں تھی۔ دیگر مذاہب عالم یہ فرض کرلیتے تھے کہ عورت ذات کو کسی نہ کسی کے قبضے میں ہونا ضرور ہے منو سمرتی کی طرح ان مذاہب کے مطابق عورت کا بچپن' عالم شباب غرض کہ اس کی زندگی کی تمام منزلیں آدمیوں کے ہاتھوں میں تھیں اور یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ جس طرف مردان کی باگ کو موڑیں وہ چلیں۔ یہ

کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ عورت کا وجود کسی مرد کے حبالہ نکاح میں آئے بغیر ممکن ہو سکتا ہے۔ دُنیا کے تمام غیر مسیحی مذاہب یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس دُنیا میں عورت کا وجود اس واسطے ہے کہ وہ کسی کی منکوحہ بیوی بن کر اپنی زندگی بسر کرے۔ وہ قوم اور ملک کے لئے بچے پیدا کرنے والی مشین خیال کی جاتی ہے' مسیحیت ہی اکیلا واحد مذہب ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ عورت بغیر نکاح کے اور بغیر مال منقولہ متصور ہوئے اپنی زندگی عزت کے ساتھ بسر کر سکتی ہے۔ ایک مورخ کہتا ہے کہ مسیحیت کا بڑا معجزہ یہ ہے۔ کہ اس دُنیا میں ایک کنواری عورت مدت العمر کنواری رہ سکتی ہے۔ کلمتہ اللہ کی طفیل عورت بذات خود ایک مستقل ہستی ہو گئی ہے۔ وہ خود غرض انسان کے جنسی تعلقات کو پورا کرنے اور اس کی شہوت کا آلہ کار نہیں رہی بلکہ وہ مرد کی طرح خدا کی فرزند بن گئی ہے اور مرد کے ساتھ خدا کی بادشاہت کی ہم میراث ہو گئی ہے اور مسیح کے ساتھ روحانی رفاقت رکھنے والی ہو گئی ہے اور مرد کے بدن کی طرح عورت کا بدن بھی روح القدس کا مسکن بن گیا ہے۔"

(صفحہ ۴۲)

مجیب: ان عبارتوں میں جو کچھ پادری صاحب نے کہا ہے۔ وہ صرف ان کا زور قلم ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے عورت کو جو درجہ دیا ہے۔ اس سے پہلے کسی مذہبی کتاب نے نہیں دیا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن نے یہ درجہ اس وقت دیا جب کہ ساری دُنیا میں عورتوں کو مال موروثہ کی طرح سمجھا جاتا تھا' جیسا کہ پادری صاحب نے مسیحی زمانہ کا نقشہ دکھایا ہے۔

بس اب عورت کی حیثیت کے متعلق قرآنی ہدایت سنئے۔ اِرشاد ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

(پ۲:ع۱۴)

ترجمہ کوئی مرد ہو یا عورت جو نیک عمل کرے ہم اس کو پاک زندگی دیں گے' ازدواجی زندگی کے متعلق ایک ہدایت یہ ہے۔ غور سے سنئے!

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ---- (پ۲:ع۱۴)

ترجمہ جس قدر حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں اسی قدر عورتوں کے

مردوں پر ہیں۔

اطلاع: تورات و انجیل بلکہ وید وغیرہ نے بھی عورتوں کو جس قدر کم درجہ دیا ہے۔ کسی اور کتاب نے اس قدر کم درجہ نہ دیا ہوگا۔ اصولاً عورت کی چار حیثیتیں ہیں۔ کسی کی ماں ہے تو کسی کی بیٹی، کسی کی بہن ہے تو کسی کی بیوی، قرآن مجید نے ان چاروں حیثیتوں میں عورت کو ترکہ میت سے مالی حصہ دلایا ہے۔ مگر غیر قرآن کتب نے ان چاروں مراتب میں عورتوں کو اپنے موروثوں کے ترکہ سے محروم رکھا ہے۔

اس پر ستم ظریفی: ملاحظہ ہو کہ عورت کو جو بچہ جننے کی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بھی گناہ کی وجہ سے بتائی جاتی ہے نہ اس کے اپنے گناہ سے، بلکہ بہت اوپر چل کر مائی حوا کے گناہ کے سبب عورت کو مبتلائے عذاب کہا گیا ہے۔ چنانچہ بقول مسیحی حضرت آدم و حوا کی نافرمانی کی وجہ سے خدا نے عورت کو جو سزا دی اس کے متعلق موجودہ تورات کے الفاظ یہ ہیں۔

"اس (خدا) نے عورت سے کہا کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔"

(پیدائش ۳:۱۶)

قارئین: کیا مزیدار بات ہے اور کیسا انصاف ہے، اسی کو کہتے ہیں۔

کرے داڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا

خدائی حکم کی خلاف ورزی کرے مائی حوا اور سزا بھگتیں مسیحی لیڈیاں [1]

ہاں قرآن مجید عورت پر جبر نہیں کرتا کہ وہ ضرور شادی کرے، کوئی عورت اگر کنواری رہنا چاہے تو بے شک رہے۔ مگر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک شادی کی بجائے کئی ایک خفیہ تعلقات پیدا کریں [2] پس آپ کا یہ کہنا کہ۔

---

[1] سبھی عورتیں دردزہ کی تکلیف میں مبتلا ہوتی ہیں۔ پھر ہم نے مسیحی لیڈیوں کی تخصیص کیوں کی؟ محض ان کے مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے۔ ورنہ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔ ۱۲ منہ

[2] آیۃ کریمہ "وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ" کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

"دُنیا کے تمام غیر مسیحی مذاہب یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس دُنیا میں عورت کا وجود اس واسطے ہے کہ کسی کی منکوحہ بیوی بن کر زندگی بسر کرے' وہ قوم اور ملک کے لئے بچے پیدا کرنے کی مشین خیال کی جاتی ہے۔" ---- (صفحہ ۴۲)

ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے' ہمارے علم میں کسی مذہب کی یہ تعلیم نہیں ہے۔ ہاں آجکل اخباروں میں یہ پڑھا ہے کہ

جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے اپنے ملک میں یہ سرکلر جاری کیا کہ
عورت کا کام بچے پیدا کرنا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

سو یہ اس سے پوچھنا چاہئے۔ ہم اس کے جواب دہ نہیں ہیں۔ البتہ ہم یہ کہنے سے نہیں رک سکتے کہ قانون قدرت کی مخالفت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے بس سمجھ لیجئے کہ آئندہ قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے قدرت کا لحاظ کریں۔ ورنہ قدرت کی مشین کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ کسی نیچرل شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہم ان کو چھوڑ بیٹھے ہیں
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آہی جاتی ہے

نوٹ: عورت کی حیثیت کے متعلق مزید بحث گذشتہ صفحات پر گزر چکی ہے۔

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

"قرآن میں اصول مواخات صرف مسلمانوں کے دائرہ تک محدود کیا گیا ہے ---- (حجرات:۱) مسیحیت میں اخوت کا اصول بدرجہ احسن موجود ہے (متی ۲۳-۸-۹' ۲۲-۴ وغیرہ) اس مضمون پر ہم گزشتہ فصل میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ صداقت کا وہ عنصر جو قران کی تعلیم اخوت میں اپنی اعلیٰ ترین صورت میں انجیل شریف میں موجود ہے (یوحنا ۱۳: ۳۴-۳۵) کر دیا گیا ہے (حجرات ۱۰) اور دوسروں سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ (فتح ۲۹' انفال ۷۴' مائدہ ۶۲' ممتحنہ ۸-۹ وغیرہ) کلمتہ اللہ کی تعلیم نے اس ناقص اور غیر مکمل حد کو توڑ کر نوع انسانی کی اخوت کا سبق دیا ہے۔" ---- (متی ۵: ۴۳-۴۸- لوقا ۱۰' ۳۰' ۷ ۳ مئی ۱۲-۷) (صفحہ ۱۰۹' ۱۱۰)

اخوت کا ذکر بھی کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات پر آچکا ہے۔ اس کے آگے آپ لکھتے

مجیب: ہیں۔

"ہم نے اِسلام اور قرآن کے اہم اصول پر نظر کر کے دیکھا ہے کہ ان اصولوں میں جو صداقت کے پہلو ہیں وہ سب کے سب مسیحیت کی پاکیزہ ترین صورت میں پائے جاتے ہیں لیکن قرآنی تعلیم کے ناقص، غیر مکمل اور باطل پہلوؤں کو مسیحیت میں کہیں دخل نہیں، لہٰذا مسیحیت ان تمام صداقتوں کو اپنے اندر جمع رکھتی ہے۔ جو اِسلام کی کامیابی کا باعث ہیں۔ لیکن ان تمام اباطیل سے پاک ہے۔ جو اِسلام کی ناکامی کا باعث ہیں، ہم نے اس مضمون پر ایک اور کتاب میں مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اِسلام ان ناقص اور غیر مکمل عناصر کی وجہ سے عالمگیر مذہب نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ مسیحی مذہب تمام صداقتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں باطل اصول ہرگز دخل نہیں پاتے، لہٰذا صرف وہی عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" ----(صفحہ ۱۱۰)

مجیب: آپ نے قرآن کی جس جس تعلیم پر یہاں اعتراض کیا ہے۔ ہم سب کا جواب دے چکے ہیں آپ کی اس مایہ ناز کتاب کا جواب تیسرے باب میں آئے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ

ہمیں پادری صاحب سے یہ سخت شکایت ہے کہ آپ جو دعویٰ کرتے ہیں اس کو نباہتے نہیں، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ یا تو مدعی کا منصب جانتے نہیں یا بھول جاتے ہیں۔ اس کتاب کا نام آپ نے "مسیحیت کی عالمگیری" رکھا ہے، یہ نام آپ کے دعویٰ کی تشریح کرتا ہے کہ آپ اس بات کے مدعی ہیں کہ صرف مسیحیت عالمگیر مذہب ہے۔ مگر ہم نے آپ کی جتنی عبارتیں پیش کی ہیں۔ ان سب کا مضمون قرآن مجید پر حملہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی کتاب کا نام اور منصب یاد نہیں رہا مہاشہ دھرم پال بی۔اے نے رسالہ "ترک اِسلام" لکھا تھا۔ وہ ہر ایک نمبر میں قرآن مجید پر اعتراض کرتا تھا اس کی ہمیں شکایت نہ تھی۔ کیونکہ اس کی کتاب کا نام ہی اس کے دعویٰ کے اظہار کے لئے کافی تھا۔ اس کا منصب مسیحیت کی برتری ثابت کرنا ہے۔ اس لئے ازروئے علم مناظرہ آپ کے اور مہاشہ دھرم پال کے منصب میں بہت فرق ہے۔ اگر آپ خود یا آپ کا کوئی مددگار یہ کہے کہ اس رسالہ میں قرآن

مجید کا ذکر ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے مقابلے میں مسیحیت کی عالم گیری ثابت ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ مسیحیت کی عالمگیری کا مقابلہ ہر ایک دین بلکہ لادینی سے بھی ہے' پھر خاص اِسلام پر حملہ کرنے سے اصل دعویٰ کو کیا تقویت پہنچ سکتی ہے۔ ایک آریہ یا دہریہ آپ کے مضمون کو سن کر ہنس دے گا' ہمارا مطلب یہ نہیں کہ آپ قرآن مجید پر اعتراض نہ کریں بے شک کریں اور جی کھول کر کریں۔ اسی لئے قرآن مجید دُنیا بھر کے مخالفین کو للکار کر کہتا ہے۔

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں
میری چھاتی ابھی تیروں سے چھنی خوب نہیں

پادری صاحب اپنا اصل دعویٰ یوں بیان کرتے ہیں۔

مسیحیت کی جامعیت: مختلف مذاہب کے اصول کے مطالعہ سے قارئین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ مختلف مذاہب حق اور صداقت کے صرف مختلف پہلوؤں پر بھی زور دیتے ہیں۔ اور باقی پہلوؤں کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب میں ہمہ اوستی عقیدہ کا قائل ہو کر خدا کے رفیع اور بلند و بالا ہونے پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ خدا اور انسان میں ایک وسیع خلیج حائل کر دی گئی ہے۔ علی ہذا القیاس اگر اِسلام ایک صداقت پر زور دیتا ہے تو دوسری کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ اگر ہندو مذہب ایک قسم کی صداقت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور دوسری قسم کی صداقت کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ لیکن مسیحیت میں صداقت کے مذکورہ بالا دونوں عناصر پہلو بہ پہلو ایک ہی نظام میں منظم ہو کر ہم کو نظر آتے ہیں۔ کلمتہ اللہ کی تعلیم کے مطابق خداوند قدوس محبت کا خدا ہے جو بنی آدم سے بلند و بالا بھی ہے اور اپنی ازلی محبت کی وجہ سے ہر فرد و بشر کے ساتھ رفاقت رکھتا ہے۔ بدھ مت میں عدل و انصاف پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ لیکن اس مذہب میں محبت کو جو انسان کے دِل کو فی الحقیقت بدل دیتی ہے۔ نظرانداز کر دیا گیا ہے' مسیحیت میں خدا کی محبت اور خدا کا عدل دونوں پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ چین کے کنفوشیش کا مذہب دنیوی تعلقات کی پاکیزگی پر زور دیتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو نظرانداز کر دیتا ہے کہ یہ تعلقات اس ازلی تعلقات کا عکس ہیں جو خدا اور انسان کی ذات سے متعلق ہیں مسیحیت میں ازلی اور دنیاوی تعلقات دونوں پر زور دیا گیا ہے۔

جاپان کا شنتو مذہب حب الوطنی کا سبق سکھاتا ہے لیکن اس مذہب کے نزدیک ملک کی محبت صرف ایک ملک یعنی جاپان تک محدود ہے۔ لیکن مسیحیت صداقت کے اس عنصر کو کامل کر کے تعلیم دیتی ہے کہ ہم نہ صرف اپنے ملک اور قوم کے ساتھ بلکہ تمام ممالک و اقوام کے ساتھ محبت کریں۔"----(صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱)

مجیب: اس جامعیت کا جواب ہم گذشتہ صفحات میں دے چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے۔ دُنیا کی ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے چارہ ہے۔ باوجود اس کے خدا اور بندے کے درمیان کوئی خلیج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ صاف لفظوں میں فرماتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِہ

ترجمہ "خدا انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔"

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُم

ترجمہ "تم جہاں کہیں ہو گے، خدا تمہارے ساتھ ہو گا۔"

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ "خدا سب لوگوں کے حال پر مہربان ہے۔"

چین و جاپان کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے جواب وہ ہم نہیں۔ بلکہ وہی لوگ ہیں۔ گو ہم اس اعتراض کو بھی غلط سمجھتے ہیں۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"حق تو یہ ہے کہ ادیان عالم کی مختلف صداقتیں صرف مسیحیت میں ہی جمع ہو کر محفوظ رہ سکتی ہیں۔ کیونکہ ان مذاہب میں صداقت کا عنصر بطالت کے عناصر کے ساتھ اس قدر ملا جلا ہوتا ہے کہ صداقت کے عنصر کی ہستی ہمیشہ معرض خطر میں رہتی ہے۔ ان مذاہب میں صداقت اور بطالت کے عناصر ایک جگہ باہم غلط ملط پائے ہیں۔ مثلاً اگر کسی الہامی کتاب میں ایک صفحہ پر خدا کی قدوسیت کی تعلیم دی گئی ہو اور اس کے اگلے صفحہ پر ایسی باتیں ہوں جو مخرب اخلاق ہیں تو صداقت کا عنصر انسانی زندگی کو کس طرح متاثر کر سکے گا؟ ان مذاہب میں غلط تصورات کے بادل اور کالی گھٹائیں صداقت کے عناصر کی شعاعوں کو چھپا لیتی ہیں اور صداقت کی طاقت

کمزور پڑ جاتی ہے اور روحانی تاریکی چھا جاتی ہے۔"----(صفحہ ۱۱۲)

مجیب: یہ اعتراض تو الٹا مسیحیت پر وارد ہوتا ہے کہ ایک طرف تو مسیح کی شخصیت کو خدائے مجسم بتایا جاتا ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ سب قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے۔ ادھر اس کو دشمنوں کے ہاتھوں چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح سولی پر چڑھایا جاتا ہے۔ جس پر یہ صادق آتا ہے۔

سپنے اندر راجہ بھئو جاگت بھئو کنگال

مسیح اس عاجزانہ حالت میں صلیب پر لٹکے [1] ہوئے گویا یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

ضعف نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

بطور نتیجہ پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"کلمتہ اللہ کے اصول کی روشنی میں کل دُنیا کے مذاہب اس بات کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے اصولوں کی اصلاح کریں۔ ہندو دھرم اب وہ نہیں رہا جو پچاس سال پہلے تھا۔ اِسلامی تعلیم اب وہ نہیں رہی جو پچھلی صدی میں مکتبوں اور مسجدوں میں ممبروں پر سے دی جاتی تھی۔ دقیانوسی ملانوں کے وعظوں پر اِسلامی ممالک مثلاً مصر، ایران، ترکی وغیرہ میں کوئی صحیح العقل شخص دھیان نہیں دیتا۔ چین اور جاپان کے مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ مسیحی تصورات نے ان کے عقائد اور رسوم کی بطالت کو ایسا ظاہر کر دیا ہے۔ کہ ان کے پیرو مسیحیت سے متاثر ہو کر ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔"----(صفحہ ۱۱۴)

مجیب: پادری صاحب ایسے روشنی کے زمانہ میں آپ جیسے تعلیم یافتہ کے قلم سے ایسے الفاظ کا نکلنا اعجب العجائب سے ہے۔ سب سے زیادہ مسیحی مذہب کے حامی زار اور اس کی رعایا برایا تھی جو ترکی سلطنت کی عیسائی رعایا کی ہمدردی کی آڑ لے کر ہمیشہ ترکی سے برسرپیکار رہتے تھے کہ ہم چونکہ عیسائی مذہب کے پیرو ہیں اس لئے ترکی کی عیسائی رعایا کی امداد کرنا ہمارا فرض ہے۔ بتائیے آج کل روس میں مذہب کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے وہ کلمتہ اللہ کے اثر سے ہے؟ اس کے بعد جرمنی میں دیکھئے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ وہاں بائیبل کی بجائے

[1] صلیب پر مسیح کی تصویر کتاب ہذا میں صفحہ 120 پر دیکھو۔ ۱۲ منہ

کون سی کتاب پڑھائی جاتی ہے' پھر اٹلی میں آجائے اور دیکھئے کہ پوپ اعظم چلا رہا ہے اور کوئی اس کی بات نہیں سنتا' پھر فرانس' یونان اور انگلستان کی سیر کیجئے۔

آہ! کلمۃ اللہ کی یہ تعلیم کیسی صاف' سنہری اور چمک دار ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کر بلکہ تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔" ---- (متی باب ۵:۳۹)

موجودہ جنگ (۱۹۴۰ء میں یورپ جو آتش فشانی کر رہا ہے۔ شاید کلمۃ اللہ کی اسی تعلیم کی روشنی میں کرتا ہوگا دقیانوسی ملانوں کو غلط تعلیم کے ترک ہونے سے اسلام کی اصلی تعلیم پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

ہم نے یورپ کے ان ممالک کی جو مثالیں دی ہیں ان میں کسی دقیانوسی پادری کی تعلیم نہیں چھوڑی گئی۔ بلکہ خود مسیح کلمۃ اللہ کی پاکیزہ تعلیم کے اصول چھوڑے گئے ہیں اسی طرح پادری صاحب نے یہ کیسا معقول فقرہ فرمایا ہے کہ

"کلمۃ اللہ کی تعلیم نے ہندوستان کو اس قدر متاثر کر رکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کی کانٹ چھانٹ کر کے ان کو مسیحی تصورات کے مطابق کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔"

(صفحہ ۱۱۵) مسیحی مذہب کا اعلیٰ تصور اور بنیادی پتھر مسیح کی شخصیت (الوہیت) ہے جس کا ذکر آپ نے بار بار سینکڑوں صفحات پر کیا ہے' کیا مسلمان اس تصور کی روشنی کو تسلیم کر چکے ہیں' ہم نے جہاں تک دیکھا اور دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان علی الاعلان کہتے ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

----(پ۶:ع۱۴)

ترجمہ کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔

معلوم نہیں آپ کو ایسے مسلمان کہاں ملے جو مسیحی مذہب کی روشنی میں اسلامی تعلیم کی کانٹ چھانٹ کر رہے ہیں۔ البتہ ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں دکھائیں گے کہ بعض اشخاص جو مخالف اسلام تصنیفات کے مصنف ہیں آیت موصوفہ "لقد کفر الذین" کی

تصدیق کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں۔

ہم نے اس رسالہ کے باب اول میں لکھا تھا کہ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ اس کا بانی ایک عالمگیر نمونہ ہو۔ نوع انسانی کی زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے ایک کامل انسانی نمونہ کی ضرورت ہے۔" ----(صفحہ ۱۱۶، ۱۱۷)

مجیب: بالکل ٹھیک ہے اور سولہ آنے صحیح ہے۔ اس کے ساتھ اپنا یہ فقرہ بھی ملا لیجئے۔

"جب ابن اللہ اس دُنیا سے آسمان پر صعود فرما گئے تو آپ ورثہ کے طور پر اپنے پیچھے کوئی کتاب نہ چھوڑ گئے۔ [1] جو اصول پر مشتمل ہو۔ بلکہ آپ نے مسیحی کلیسا کو ورثہ کے طور پر کو ورثہ کے طور پر اپنا کامل نمونہ دیا (صفحہ ۱۱۷) باقی تمام مذاہب اپنی دینی کتب کو پیش کرتے ہیں۔ جو مختلف اصولوں کا مجموعہ ہیں۔ لیکن مسیحیت کسی کتاب یا اصول پر مشتمل نہیں۔ اگرچہ اس کے اصول اعلیٰ و ارفع اور ہمہ گیری ہیں۔ مسیحیت کا تمام دارومدار کلمۃ اللہ کی زندہ شخصیت پر ہے۔" -----(۱۱۸)

مجیب: ہم پادری صاحب کے شکر گزار ہیں کہ وہ اس بحث کو اب مرکز پر لے آئے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ مسیحیت مروجہ کا مدار کار مسیح کی شخصیت ہی ہے۔ اگر پوچھو کہ مسیح کی شخصیت کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ پادری صاحب ہی کے اصل الفاظ میں بتاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"برزخ کبریٰ اور انسان کامل اور مظہر جامع صرف وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جو کہ کامل خدا اور کامل انسان ہو۔ صفات قدیمہ الہیہ اور صفات ممکنہ انانیہ کے ساتھ متصف ہو۔ کیا اہل اِسلام آنحضرت میں ان صفات کا وجود مانتے ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ نبی اِسلام کو مظہر ذات قرار دینا

---

[1] قرآن مجید میں حضرت مسیح کو جو انجیل ملنے کا ذکر آتا ہے۔ عیسائی لوگ اس کے ثبوت میں آیات قرآنیہ پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں مذکور ہے۔" اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ" (خدا نے مسیح کو انجیل دی) مسلمان عیسائیوں کے جواب میں پادری برکت اللہ صاحب کا یہ مقولہ پیش کر دیا کریں کہ مسیح نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ یہ چار کتابیں حقیقۃ مسیح کے حواریوں کی تصنیفات ہیں۔ ہم پادری صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کا یہ بوجھ ہلکا کر دیا۔ --- (مجیب)

اصول اِسلام کو بدلنا ہے۔ لیکن ربنا المسیح ان تمام اوصاف سے متصف ہیں اور وہ آپ میں انسب اور اکمل طور پر موجود ہیں۔"---(یوحنا ۱۰: ۳۰ صفحہ ۱۲۹)

اِسی مضمون کو عیسائیوں کے رسالہ "اخوت" لاہور نے ذرا واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ لکھا ہے کہ

"مسیحی مذہب نے نہایت ہی وضاحت اور بے باکی کے ساتھ یہ تعلیم دی ہے کہ خدا نے انسانی شکل اختیار کی۔ انسانوں کے درمیان خیمہ زن ہوا اور اپنے جملہ الٰہی اوصاف کا کامل مظاہرہ یسوع ناصری میں ہو کر کیا۔"---(اخوت لاہور بابت دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۳)

مجیب: ان دونوں عبارتوں پر غور کر کے ہمارے دِل میں یہ بات آئی کہ ہم یسوع مسیح کے الٰہی اوصاف کا نمونہ تصویر کی شکل میں دکھائیں۔ کیونکہ الفاظ کی شکل میں مفصل بحث ہم اس کتاب میں گذشتہ صفحات پر کر چکے ہیں۔

شاعر لوگ اپنا دلی جذبہ اور محبت اکثر اوقات لفظوں میں بیان کیا کرتے ہیں۔ مگر گاہے گاہے مصوروں سے تصویر کشی کی درخواست کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں۔ ؎

مصور کھینچ وہ نقشہ جس میں یہ رسائی ہو
ادھر تلوار کھینچی' ہو ادھر گردن جھکائی ہو

اسی بنا پر ہم بادل نخواستہ بقول نصاریٰ مسیح کی شخصیت الٰہیہ کا خوفناک انجام تصویر میں دکھاتے ہیں۔ یہ تصویر خود عیسائیوں نے شائع کی ہوئی ہے۔

اعتراز: مسلمان قارئین ہمیں معاف رکھیں۔ کیونکہ ہم ایک مکروہ فعل کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اِسلامی حیثیت سے ہماری مثال اس صلح کی ہوگی جو دو شخصوں کے درمیان صلح کراتا ہو اور خود کو مصلحت آمیز بات کہہ دیتا ہے۔

انجیل متی میں لکھا ہے کہ

"یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ اس کے ہاتھوں کو تختے کے بالائی حصے کے ساتھ ملا کر میخیں گاڑی گئیں اور اس کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اس حالت میں اس نے نہایت عاجزی و زاری کے ساتھ چلا کر جان دی۔"---(انجیل متی باب ۲۷)

جس کا نقشہ ص ۱۲۲ کی تصویر دیکھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

باانصاف قارئین اگر اس تصویر کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ہماری اس آواز سے متفق ہوں گے کہ ہم حسب مضمون آیہ کریمہ "لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ" ایسی کمزور شخصیت کو خدائی کے لئے پسند نہیں کرسکتے۔ بلکہ ہمارا یقین ہے کہ کوئی بھی اہل بصیرت اس کو پسند نہیں کرے گا۔ اسی لئے مسیحی رسالہ اخوت کے فاضل ایڈیٹر نے انجیل سے مسیح کا قول کہ "میں اور باپ ایک ہیں۔" نقل کرکے نہایت راستی سے اس پر ان الفاظ میں ریمارک کیا ہے۔

> بلا ریب اس قسم کے بیانات نہایت وحشت انگیز اور لرزہ خیز ہیں اور آج بھی انہیں سن کر اہل دُنیا کے دلوں میں (مسیحیت سے) کچھ کم کراہیت اور نفرت پیدا نہیں ہوتی----

(اخوت لاہور بابت جنوری ۴۱ صفحہ ۱)

مجیب: معاصر "اخوت" کا یہ ریمارک بالکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ باوجود اختلاف ملک زبان اور معاشرت کے ہر ایک قوم بلکہ ہر ایک شخص کا خدا کی نسبت یہ یقین ہے کہ۔

پناہ بلندی و پستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

قرآن شریف نے خدا کی بہت سی صفات بیان کی ہیں۔ مگر ایک آیت میں ایک ہی صفت ایسی بیان کی ہے۔ جس پر سارا مدا ہے اور اسی صفت پر الوہیت کو متفرع کیا ہے۔

اِرشاد ہے۔

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ---- (پ ۲۴ : ع ۱۲)

ترجمہ خدا تعالیٰ ازلی ابدی طور پر زندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پس کوئی مسلمان بلکہ کوئی عقلمند انسان ایسی ہستی کو خدا نہیں مان سکتا جو چلا کر جان دے۔

مولانا حالی مرحوم نے اِس مضمون کی ایک رباعی کیا ہی اچھی لکھی ہے۔

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کیلئے طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

اے میرے خُدا اے میرے خُدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

(مقولہ مسیح درانجیل)



(یسوع مسیح صلیب پر)

ع

دیکھئے مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہے

قارئین: باتیں کرنے کو تو بہت ہیں جو انسان کر سکتا ہے اور قلم بھی چلا سکتا ہے۔ لیکن مرکزی نقطہ ایک ہی ہوتا ہے۔ جس سے دانا لوگ رمز پاجاتے ہیں۔ باقی سب زبانی ہیر پھیر ہوتا ہے۔

حکایت ماضیہ!: میر عبدالرحمان خاں مرحوم والی کابل فرزانہ روزگار تھے ہم نے ان کی زندگی میں ان کی بابت ایک حکایت سنی تھی کہ کسی شخص نے ان کی عدالت میں دعوی دائر کیا کہ فلاں شخص کے پاس میں نے اتنا روپیہ امانت رکھا تھا۔ اور وہ واپس نہیں دیتا۔ عدالت کی طرف سے مدعا علیہ کو طلب کیا گیا۔ اپنے بیان میں اس نے روپیہ لینے سے انکار کیا۔ اس پر مدعی سے گواہ طلب ہوئے' اس نے کہا "حضور! جس پیڑ کے نیچے میں نے اس کو روپیہ دیا تھا۔ وہی گواہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی گواہ نہیں ہے۔" امیر موصوف نے بظاہر غصے کے لہجے میں مدعی سے کہا کہ جاؤ اسی پیڑ کو گواہ لاؤ اور مدعا علیہ کو کہا کہ یہیں بیٹھے رہو' تھوڑی دیر کے بعد آپ نے مدعا علیہ سے پوچھا کہ وہ اس پیڑ کے پاس پہنچ گیا ہوگا؟ مدعا علیہ نے کہا نہیں جناب! وہ پیڑ بہت دور ہے یہ جواب سن کر امیر موصوف حقیقت حال سمجھ گئے اور آپ نے فورا مدعی کو تلاش کرایا۔ جب وہ واپس آگیا تو اس سے کہا۔ تیری اس پر ڈگری ہوگئی ہے۔ کیوں ہوئی۔ مدعا علیہ اتنا تو جانتا ہے کہ وہ پیڑ بہت دور ہے۔

یہ ہے فرزانگی۔ اسی فرزانگی کے ماتحت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ان ڈوبنے والوں کو خدائی کے لئے پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو ڈوبنے یا تنزل کرنے والوں کو خدائی کے لئے پسند نہیں کیا تھا۔ ہم ان کے اتباع ہو کر مرنے والوں کو کیسے خدا مان سکتے ہیں۔ جس حال میں کہ خدا کے متعلق ہمارا عقیدہ راسخہ یہ ہے۔

نہ تجھے دوست کی حاجت ہے نہ اندیشہ دشمن   نہ تجھے کام ہے عشرت سے نہ شیوہ تیرا شیون

نہ تجھے چاہئے مادی نہ تجھے چاہئے مسکن

بری از خوردن و خفتن بری از تہمت مردن

بری از بیم و امیدی بری از رنج بلائی!!   ظفر شاہ دہلی۔

قرآن مجید نے دُنیا کے لوگوں کو جس خدا کی طرف بلایا اس کا وصف اعلیٰ (خالقیت)

مکمل بیان کیا' پھر اس وصف کو دوسرے معبودوں سے پورے طور پر منفی کر کے حقیقت حال پر یوں اطلاع دی۔ غور سے سنئے!

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ

(پ۲۲:ع ۱۳)

ترجمہ (اے لوگو! اپنے حال پر اللہ کی مہربانیاں یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو تم کو اوپر (بادلوں) سے اور نیچے (زمین) سے رزق دیتا ہے۔ (کوئی نہیں کیونکہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں (جو ایسا کر سکے) پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو۔

پھر اپنے سوا غیروں سے خالقیت کی نفی کرنے کو فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ---- (پ۱۴:ع ۸)

ترجمہ جن جن معبودوں کو یہ مشرک لوگ پکارتے ہیں۔ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ محل موت ہیں (بعض مر چکے ہیں اور بعض مر جائیں گے) دائم الحیات نہیں ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کب اٹھائے جائیں گے۔

یہ ہے خدائے برحق کے متعلق اِسلامی تعلیم کہ وہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ ہے اور ساری مخلوق کو زندگی بخشتا ہے۔ جس میں یہ صفت نہیں ہے۔ وہ معبود نہیں ہو سکتا اسی لئے قرآن مجید میں مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق اِرشاد ہے۔

كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ ---- (پ۶:ع ۱۴)

ترجمہ مسیح اور اس کی ماں کھانا کھایا کرتے تھے۔ یعنی غذا کے محتاج تھے۔

پھر معبود کیسے ہوئے؟ ایسی واضح حقیقت پر اظہار تعجب کرتے ہوئے فرمایا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

(پ۶:ع ۱۴)

ترجمہ دیکھو ہم کس طرح لوگوں کے لئے اپنے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر

دیکھو مسیح کو ماننے والے کس طرح بہکائے جاتے ہیں۔
اِسی مضمون پر تفریع کرنے کو پیغمبرِ اسلام علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ابن مریم انما انا عبدالله ورسوله۔ (--- الحدیث)

جس کا مطلب مولانا حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں یوں ادا کیا ہے۔

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکہ — کہ سمجھے ہیں عیسیٰ کو بیٹا خدا کا
مجھے تُم سمجھنا نہ زنہار ایسا — میری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا
سب انسان ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

قارئین کرام!: یہ ہے اِسلام اور مسیحیت کی تعلیم۔ اب اس امر کا فیصلہ کہ کون سا مذہب اہل عقل کے نزدیک قابل قبول ہے اور کون سا قابل ترک' آپ کے ہاتھ میں ہے۔

پادری صاحب:

میرے دِل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

مسیحیت کا دوسرا بنیادی پتھر یا کفارہ مسیح

مسیحیت مروجہ کا دوسرا بنیادی پتھر مسیح کا کفارہ ہے۔ شروع سے احکام شریعت خدا تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام پر نازل ہوتے رہے تاکہ لوگ ان پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔ چونکہ شرعی احکام پر عمل کرنا نفس پر بہت مشکل ہے۔ اس لئے ابتداء ہی سے بہت سے لوگ ان احکام کے نافرمان رہتے چلے آئے ہیں۔ ان نافرمانوں کو دیکھ کر مسیحیت کی اشاعت کرنے والوں کو یہ تجویز سوجھی کہ مصلوب قرار دے کر گنہگاروں کے لئے کفارہ مان لیا جائے۔ کفارہ سے مراد ایسا معاوضہ ہے جو گناہوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہو۔ سب سے پہلے اس کی بنیاد پولوس کے کلام میں ملتی ہے۔ جس نے اپنے ایک خط میں اپنے مکتوب الیہ (گلیون) کو لکھا کہ۔

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔"

(گلیون باب ۳: ۱۳ از بائیبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء)

اسی لئے عیسائیوں کی اصطلاح میں مسیح کا نام منجی جہاں ہے۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی کتاب "مسیحیت کی عالمگیری" کا چوتھا باب مسیح منجی جہاں کے عنوان سے معنون کیا ہے۔

قارئین کرام!: زیر نظر کتاب کے نام "مسیحیت کی عالمگیری" کو ملحوظ رکھئے اور مسیحی کفارہ پر غور کیجئے۔ جو اس مذہب کا اصل الاصول ہے۔

پادری صاحب نے احکام شرعیہ کو بے حقیقت بتانے کے لئے تمہید میں لکھا ہے۔

اصول اور احکام نجات نہیں دے سکتے:

"روئے زمین کے تمام مذاہب اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو شرعی احکام بتلا دیں۔ اور ساتھ ہی نصیحت کر دیں کہ اگر ان پر تم عمل کرو گے۔ تو نجات حاصل کرو گے۔ مثلاً یہودیت اور اسلام شریعت پر اور شرعی احکام پر زور دیتے ہیں اور یہ تلقین کرتے ہیں کہ بنی

نوع انسان ان الٰہی احکام کو اپنا نصب العین بنا کر ان پر عمل کریں (استثناء ۲۴-۱۳' حزقی ۱۴-۱۴'
سورہ توبہ ۱۰۶ سورہ کہف ۱۱۰ وغیرہ) اگر کوئی انسان صالح اعمال کرے گا تو اس کا اجر پائے گا (حزقی
۵-۱۸ سورۃ بقر ۲۳' ۶۷ سورہ نساء ۲ ۷ ا وغیرہ) اگر وہ اعمال بد کا مرتکب ہو گا تو اس کو سزا ملے
گی۔ (ایوب ۲۰-۱۱ سورہ طٰہٰ ۷۶' قمر ۴۷)---- (مسیحیت کی عالمگیری ۳۰۶' ۳۰۷)

مجیب: احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی تاکید صرف موسوی شریعت (تورات) اور اسلامی شریعت قرآن ہی سے مخصوص نہیں۔ بلکہ مسیح بھی یہی فرماتے ہیں۔

اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو---- (یوحنا ۱۴:۱۵)

بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ

"پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا---- (متی ۵:۱۹)

معلوم نہیں کہ مسیحیوں کو حضرات انبیاء خصوصاً مسیح سے بلکہ خود خدا سے کیا ضد ہے کہ احکام شرعیہ کو بے کار اور فضول قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ بلکہ بقول مقدس پولوس شریعت کو لعنت قرار دیتے ہیں---- (گلیتون ۲:۱۳)

"اس سے آگے پادری صاحب اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لیکن یہ مذاہب اور دیگر مذاہب عالم گناہگار شخص کو کوئی موثر طریقہ نہیں بتلاتے جس سے وہ اپنے گناہوں پر فتح حاصل کر سکے۔ یہ مذاہب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس دُنیا میں اور روحانیت کی دُنیا میں مغائرت ہے۔ لیکن کوئی ایسی راہ نہیں بتلاتے جس سے یہ مغائرت دور ہو سکے۔ وہ روحانی دُنیا کے قوانین اور احکام کے بارے میں تلقین کرتے ہیں۔ لیکن کوئی وسیلہ نہیں بتلاتے۔ جس سے انسان گناہ اور بدی کو ترک کر کے نیکی کی راہ کو اختیار کرنے کے قابل ہو جائے۔ وہ صرف یہ تاکید کرتے ہیں کہ ایک کو ترک کرو اور دوسرے کو اختیار کرو۔ لیکن ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ گنہگار انسان کو قوت عطا کریں اور انسان ضعیف البیان کو طاقت عطا کرے۔ اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنی اعلیٰ ترین آرزوں اور امنگوں پر عمل کر سکے' وہ نجات کے راستہ کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن تھکے ماندے کمزور اور نڈھال راہرو کو یہ طاقت اور

توفیق عطا نہیں کرتے کہ وہ اس شاہراہ پر چل سکے۔" ---- (صفحہ ۲۰۷)

مجیب: پادری صاحب کا یہ کلام نہ صرف اسلام کے خلاف بلکہ کل انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم کی تردید کرتا ہے۔ جو انہی کی بائبل میں بصورت صحف سابقہ موجود ہے۔ خیر ہمیں اس سے مطلب نہیں' آپ جانیں اور آپ کا اعتقاد' ہاں ہمیں اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ آپ نے قرآن مجید سمجھنے پر کافی وقت نہیں لگایا۔ آپ کے اس شے کو قرآن مجید نے کئی جگہ حل کیا ہے۔ لطف یہ ہے' نہایت مختصر لفظوں میں حل کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے۔

(۱) وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِ یَنَّھُمْ سُبُلَنَا [1] ---- (پ۲۱:ع ۳)

(۲) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی [2] ----(پ۳۰:ع۱۷)

(۳) اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ [3] (پ۳:ع۲)

ان سب سے مختصر اور موثر ارشاد یہ ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ○ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ [4]

(پ۳۰:ع۲۴)

غور کیجئے! اس آیت میں کیسے مؤثر طریق سے انسان کو نیکی کرنے سے اور بدی سے بچنے کی راہ دکھائی گئی ہے۔ اگر ایسی ہدایات کو بھی کوئی شخص اپنے لئے کافی سمجھے تو اس کے حق

---

[1] جو لوگ ہمارے دین میں کوشش کریں گے۔ ہم اپنا راستہ ان کو دکھائیں گے ۱۲ منہ

[2] جس شخص نے خدا کی راہ میں دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھی باتوں کی تصدیق کی تو بہت جلد ہم اس کو آسانی کی توفیق دیں گے۔ ۱۲ منہ

[3] اللہ تعالیٰ مومنوں کا والی ہے۔ ان کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نور ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[4] جس شخص نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی۔ وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی۔ وہ اسے دیکھ لے گا۔ ۱۲ منہ

میں کہا جائے گا۔

اگر صد باب حکمت پیش ناداں بخوانی
آیدش بازیچہ درگوش

پادری صاحب اس مضمون کی مزید تشریح کرتے ہوئے حسب عادت خوب طول دیتے ہیں۔ چونکہ ان کا مضمون قارئین تک پہنچانے میں ہمیں بخل نہیں۔ اس لئے ہم ان کا اصل کلام نقل کردیتے ہیں۔

"سطور بالا سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مجرد اصول اس قابل نہیں ہوتے کہ کسی گنہگار انسان کی قوت ارادی کو از سرنو بحال کر سکیں۔ اصول بظاہر خوب صورت نظر آتے ہیں لیکن وہ اپنے اندر یہ طاقت نہیں رکھتے کہ جس شخص کی قوت ارادی سلب ہو چکی ہے اس میں نئی جان ڈال دیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کی حادثہ کی وجہ سے ٹانگ ٹوٹ گئی ہو اور وہ نیم جان ہو کر سڑک کے درمیان مجبوری اور لاچاری کی حالت میں پڑا ہو اور سڑک پر ایک موٹر بے تحاشا اس کی جانب چلی آتی ہو تو اگر تماشائی برلب سڑک کھڑے ہو کر اس کو چلا چلا کر آنے والے خطرہ سے آگاہ کرنے پر ہی اکتفا کریں تو اس غریب کو کیا فائدہ ہوگا؟ اس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ چل پھر تو درکنار ہل نہیں سکتا اس کی آنکھ تیز رفتار موٹر کو دیکھ رہی ہے۔ لیکن وہ لاچار پڑا ہے۔ موت اس کو سامنے نظر آرہی ہے۔ اس کو تماشیوں کی آگاہی کی ضرورت نہیں۔ وہ آنے والے خطرہ سے خود آگاہ ہے۔ اس کو کسی نذیر کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ تماشائیوں میں سے کوئی شخص اس سے ایسی محبت رکھے کہ وہ اس کی خاطر اپنی جان کی پرواہ نہ کرے اور موٹر کے پہنچنے سے پہلے اس کو سڑک پر سے اُٹھا کر سلامتی کی جگہ پر لے جائے۔ اسی طرح ہر گناہگار جو گناہ کی غلامی میں لاچار اور گرفتار ہے۔ جانتا ہے کہ اس کا حشر کیا ہوگا۔ بلکہ اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے اور اس کی قوت ارادی کو جو سلب ہوگئی ہے۔ از سرنو تقویت دے۔ دیگر مذاہب میں یہ اہلیت ہی نہیں ہوئی کہ گناہگار انسان کو اعمال صالح کی تحریک و ترغیب دے سکیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ اعلیٰ اصول پر عمل کرسکے۔ یہ لازم ہے کہ اس میں اس قسم کی تحریک پیدا ہو جائے۔ جو اعلیٰ اصول پر چلنے کی خواہشمند ہو۔ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری امر ہے کہ وہ گنہگار انسان کی مردہ قوت

ارادی مین از سرنو زندگی کی روح پھونک دے اور اپنی قدرت سے اس کو قوت عطا کرے۔ گنہگار انسان اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے اور عادت کا غلام ہو کر بدی کا مقابلہ کرکے چور اور لاچار ہو جاتا ہے اور ایسا تھک جاتا ہے کہ اس کی کمرہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ایسے اشخاص کے سامنے خداوند مسیح نہ صرف اعلیٰ اور ارفع اور اپنا کامل اور اکمل نمونہ پیش کرتا ہے۔ بلکہ علی الاعلان دعوت دیتا ہے۔ اے زحمت کشو اور گناہ کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگو تم سب میرے پاس آؤ۔ میں تم کو آرام دوں گا۔" ---- (متی ۱۱-۲۸' یوحنا ۷-۳۷ وغیرہ) ---- (صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۹)

مجیب: آپ نے جو کسی لنگڑے کی مثال دی ہے۔ وہ اول تو جسمانی مثال ہے۔ روحانی نہیں۔ مذہب روحانی طریق کا نام ہے۔ علاوہ اس کے وہ ہمارے مخالف بھی نہیں۔ قرآن مجید اس کا حل نہایت مختصر لفظوں میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ---- (پ ۲۵:ع ۳)

ترجمہ "جو شخص خدا کی طرف ذرا سا بھی رجوع کرتا ہے خدا اس کو ہدایت کر دیتا ہے۔"

جس طرح یہ ٹانگ کٹا (لنگڑا شخص) جب چیختا چلاتا ہے تو اس کو اٹھانے والا کوئی رحم دِل آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا کی طرف ذرا سا بھی جھک جاتا ہے اور دِل میں لنگڑے کی طرح عذاب الٰہی سے بچنے کی خواہش رکھتا ہے۔ خدا اس کی دستگیری کرتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس اقتباس میں آپ نے یہ فقرہ عجیب لکھا ہے کہ

دیگر مذاہب میں یہ اہلیت ہی نہیں کہ گناہگار انسان کو اعمال صالح کی تحریک و ترغیب دے سکیں۔" ---- (صفحہ ۲۰۹)

سبحان اللہ! جس مضمون سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ آپ اسی کا انکار کرتے ہیں غور سے سنئے! ارشاد ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

(پ ۲۴:ع ۳)

ترجمہ "اے پیغمبر! میرے گناہگار بندوں سے کہہ دو کہ وہ میری رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں- بلکہ میری طرف آئیں- میں ان سب کے گناہ بخش دوں گا- کیونکہ میں بخشنہار ہوں-"

تُم میرے پاس آؤ میں تُم کو آرام دوں گا---- (متی ۱۱:۸)

اس سوال کے جواب میں نہ ہم اپنی کہیں اور نہ آپ سے پوچھیں گے- بلکہ خود مسیح کی زندگی کے حالات پڑھیں گے تو اس کا جواب پالیں گے- جس کا حوالہ اوپر نقل ہو چکا ہے کہ متلاشی نجات بڑی تڑپ سے سوال کرتا ہے کہ نجات پانے کے لئے میں کیا کروں؟ تو مسیح کی طرف سے جواب ملتا ہے تو حکموں پر عمل کر-

یہ تو ابھی مسئلہ کفارہ کی تمہید ہے- اس کی تصویر کیا ہے- بقول پادری صاحب تصویر حسب ذیل ہے-

"منجی عالمین نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگرچہ گناہگار انسان خدا کی محبت سے بغاوت کی وجہ سے منہ موڑلیتا ہے- تاہم خدا کی محبت اٹل ہے-" ----(یسعیاہ۱۰-۴۵'۵۱-۶وغیرہ)

خدا کی محبت یہ نہیں چاہتی کہ اس کا گناہگار فرزند ہلاک ہو (۱۴-۱۸) بلکہ اس بات کی خواہاں ہے کہ بدترین گناہگار ہمیشہ زندگی پائے (یوحنا ۳-۱۶) خدا کی محبت ہمیشہ اس انتظار میں رہتی ہے کہ گناہ گار اس کی طرف رجوع کرے (لوقا ۱۵باب) اور اگر وہ رجوع نہیں کرتا تو وہ گناہگار کی تلاش میں نکلتی ہے (لوقا ۱۰-۱۹ ۴۷-۵۷' متی ۶-۱۰' ۸-۱۲وغیرہ) جس طرح ایک باپ اپنے گم گشتہ فرزند کو تلاش کرتا ہے- خدا کی محبت گنہگار کو تلاش کرتی ہے- (حرقی ۱۱-۳۴'لوقا ۱۵-۲۰' متی ۹-۱۳' یو ۱۰-۲۸' پطر ۲-۲۵وغیرہ) جس طرح ماں کی ممتا اپنے ناخلف بیٹے کے لئے بے چین رہتی ہے- اور اس کا دِل اپنے بچے کے لئے تڑپتا رہتا ہے- جب تک وہ بچہ اپنے گناہوں کا اقرار کرکے اس کی طرف رجوع نہیں کرتا- اسی طرح خدا کی محبت بے قرار اور بے چین رہتی ہے (یسعیاہ ۱۵-۴۹) جب تک اس کا گناہگار بیٹا اس کی لازوال محبت کو دیکھ کر توبہ کرکے یہ نہیں کہتا- "اے باپ میں تیری نظر میں گناہگار ہوا اور اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں-" (لوقا ۱۵-۲۲) جب گناہگار تائب ہو کر رجوع کرتا ہے تو منجی عالمین فرماتے ہیں کہ ایک توبہ کرنے والے گناہگار کی بابت آسمان کے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے-" ----

(لوقا ۱۰-۱۵) پس خدا کی محبت گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔" خدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔"

(یوحنا ۳-۱۶) صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱)

پادری برکت اللہ صاحب سے پہلے بھی مسیحی مصنفوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ہم ایک انگریز پادری ڈبلیو گولڈ سیک صاحب کے رسالہ الکفارہ سے چند فقرے نقل کرتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں۔

"جو لوگ توبہ کو گناہ کی معافی کا کافی ذریعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ بے شک خدا کے رحم کو پیش کرتے ہیں۔ اس میں تو کلام نہیں کہ خدا رحیم ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ منصف اور عادل بھی ہے وہ عادل ہو کر گناہگار کو کس طرح معاف کر سکتا ہے۔ جب تک کہ عدل کے تقاضے کو پورا نہ کرلے۔ سچ تو یہ ہے کہ گناہگار انسان کی نجات صرف ایسے طریقے سے ہو سکتی۔ جس میں خدا کے تمام اوصاف قائم رہیں۔" ---- (الکفارہ صفحہ ۴)

مجیب: یہ اصول جو ہم نے الکفارہ سے نقل کیا ہے۔ پادری برکت اللہ صاحب کو بھی مسلم ہونا چاہئے۔ اس لئے اب پادری صاحب اور ان کے ہم نوا ہمارے سوالات ٹھنڈے دِل سے سن کر ان پر غور کریں۔

۱۔ کفارہ عدل خداوندی کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایک بے گناہ شخص (مسیح) کو سزا دینا اور ان اصل گناہگاروں کو چھوڑ دینا عدل و انصاف کے صریح خلاف ہے۔

۲۔ تمام دُنیا کے گناہگاروں کا شمار کیجئے۔ پھر ان کی عمروں کا حساب لگا کر گناہوں کا اندازہ کیجئے تو یہ گناہ عدد و شمار کی حد سے گزر جائیں گے۔ مگر ان سب گناہوں کے بدلے میں سزا صرف ایک شخص (مسیح) کو اتنی دی گئی جو چند منٹوں میں ختم ہو گئی۔ خدا کا ایسا کرنا اپنے بیٹے کی رعایت میں قانون شکنی کرنا نہیں تو کیا ہے؟

۳۔ واقعہ صلیب سے پہلے کروڑہا گنہگار انسانوں کی بخشش کے لئے کیا انتظام ہوا؟ کیا ان کے حق میں رحم ہوا یا عدل کیا گیا؟ اگر کہو کہ ان پر رحم کیا گیا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ کفارہ مسیح سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس پر اِیمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پادری

برکت اللہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"خدا کی محبت گناہگاروں کی مغفرت کا باعث ہے۔ خدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر اِیمان لائے۔ ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔"
----(صفحہ ۲۱۱)

مسیح سے پہلے لوگوں کو مسیح کی خبر بھی نہ تھی۔ اس لئے وہ آپ کے کفارے پر اِیمان کیسے لاسکتے تھے۔ نیز یہ کیا انصاف ہے کہ پچھلے لوگوں کو تو کفارے سے فائدہ دیا جائے اور پہلے لوگوں کو اس نعمت غیر مترقبہ سے بالکل محروم رکھا جائے۔

۴- پادری ڈبلیو صاحب مصنف رسالہ الکفار لکھتے ہیں کہ

"جب کوئی جرم ایک بار ثابت ہوچکا تو قانونی تقاضا لازمی امر ہے۔ اگر قانونی تقاضا ملحوظ نہ رکھا جائے اور مجرم سزا نہ پائے تو قانونی اصول پامال ہوں گے اور انسان خاک میں مل جائے گا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عدل و انصاف کے تمام اصول و قواعد انسان کو خدا ہی نے سکھائے ہیں۔ پس کیا خدا خود ان قواعد و قوانین کے برخلاف کرسکتا ہے۔ جن کو اس نے خود بنایا ہے۔"----(الکفارہ صفحہ ۳)

مجیب: پادری ڈبلیو صاحب کے اس قول کی روشنی میں پادری برکت اللہ بتائیں گے کہ اگر مجرم لوگ محض کفارہ مسیح پر اِیمان لاکر چھوٹ جائیں تو خدا کا عدل کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

۵- بقول عیسائیاں عموماً اور بقول پادری برکت اللہ صاحب خصوصاً مسیح کامل خدا اور کامل انسان تھا۔ پھر اس مرکب کا کون سا جز کفارہ ہوا۔ الوہیت کفارہ ہے یا انسانیت یا دونوں کا مجموعہ؟ الوہیت کا کفارہ ہونا تو ناممکن ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ الوہیت بھی مجرم ٹھہرے۔ اس لئے کہ جو مجرموں کے گناہ کو اٹھاتا ہے وہ حکما مجرم ہے "تعالٰی اللہ عَنْ ذالِک عُلُوًّا کَبِیْرًا" اکیلی انسانیت بھی کفارہ نہیں ہوسکتی کیونکہ کوئی انسان جو ماں کے پیٹ سے نکلا ہے بے گناہ نہیں ہوسکتا' (ایوب باب ۱۵' ۱۴) جو خود بے گناہ نہیں ہے۔ وہ گناہگار انسان کا کفارہ کیسے ہوگا۔

۶- پادری برکت اللہ صاحب سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے جو لکھا ہے کہ

"خدا نے دُنیا کو اپنا بیٹا بخش دیا۔" ----- (صفحہ ۲۱۱)

اس جملہ میں تین شخص نظر آتے ہیں (۱) واہب (۲) موہوب (۳) موہوب لہ۔ واہب تو خدا ہوا اور موہوب لہ' سب بنی آدم۔ موہوب کیا چیز ہے۔ اگر آپ کہیں کہ موہوب مسیح ہے تو یہ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ آپ اسی کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ مسیح کا قول ہے کہ "میں اور باپ ایک ہیں۔" اس کے علاوہ رسالہ "اخوت" کی عبارت کتاب ہذا کے صفحہ پر نقل ہو چکی ہے۔ جس کا مضمون ہے کہ خود خدا نے تجسّم اختیار کیا۔ ان دونوں قولوں کا مفہوم یہ ہے' واہب اور موہوب ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ الگ الگ دو ہستیاں نہیں ہیں کیا اس پر یہ شعر صادق نہ آئے گا۔

وہی قاتل وہی مخبر وہی خود منصف ٹھہرے
اولیاء میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

کفارے پر ایک معنی خیز سوال:

کفارے کے مضمون سے فارغ ہو کر ہم پادری صاحب سے ایک معنی خیز سوال کرتے ہیں۔

سوال: انسان کی زندگی کے تین زمانے ہیں۔ ماضی' حال اور مستقبل۔ ان تینوں زمانوں میں انسان گناہ کرتا ہے یا کر سکتا ہے۔ فرض کرو آج کوئی شخص دن کے بارہ بجے مسیحی ہو کر کفارے پر اِیمان لایا ہے کیا اس کے صرف زمانہ ماضی کے گناہ معاف ہوئے یا ان کے ساتھ زمانہ حال اور مستقبل کے بھی؟ اگر صرف زمانہ ماضی کے گناہ معاف ہوئے ہیں تو اس کا ثبوت قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ جس میں نہ کسی قسم کی رعایت ہے نہ بے انصافی چنانچہ صاف اِرشاد ہے۔

قُلْ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ----(پ۹:ع۱۹)

منکروں کو کہہ دو کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

یہ ایسا کفارہ ہے کہ اس کے لئے نہ سولی کی ضرورت ہے نہ کسی بے گناہ کے کشت و خون کی۔ اگر کفارہ سے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو شریعت مطہرہ جو انبیاء کرام کی معرفت دُنیا میں نازل ہوئی ہے بے کار ہو جاتی ہے۔

پھر عیسائیوں کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ

"بائیبل مقدس اظہار کرتی ہے- خداوند تعالیٰ کی مرضی انسان کی حالت نجات کی راہ گناہگار کے انجام اور اہل ایمان کی خوشنودی کا اس کے قوانین متبرک آمین حاوی العامہ اس کی تواریخ صادق و راست اور اس کے فیصلے لا تبدیل ہیں- اس کی تلاوت کروانا ہونے کے لئے اس میں روشنی ہے- تمہاری رہبری کے لئے خوراک ہے- تمہاری زندگی کے لئے اور راحت ہے- تمہاری خوشنودی کے لئے یہ سیاحوں کا نقشہ ہے- زائروں کا عصا اور جہاز رانوں کا قطب نما- سپاہیوں کی شمشیر اور مسیحیوں کا دستور العمل- اس کی طفیل جنت از سر نو نصیب ہو جاتی ہے- آسمانی بادشاہی کے در کھل جاتے ہیں اور جہنم کے پھاٹک بند ہو جاتے ہیں-" ----

(رسالہ المائدہ لاہور بابت فروری ۱۹۴۱ء)

قارئین! اس عبارت میں اس بائیبل کی تعریف کی گئی ہے- جس میں انجیل کے علاوہ تمام گذشتہ نبیوں کے صحیفے درج ہیں- نیز آپ کے رسالہ زیر جواب (مسیحیت کی عالمگیری) کے صفحہ ۶۷ پر بائیبل کی تعریف میں آپ کا رطب اللسان ہونا کیا حقیقت رکھتا ہے کیا اسی کے حق میں یہ مثل مشہور ہے-

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور

پادری برکت اللہ صاحب سے پہلے ایک بڑے پادری (ٹامس ہاول) نے اپنی کتاب اثبات الکفارہ میں جو جواب دیا ہے- وہ بھی قابل دید اور شنید ہے- موصوف لکھتے ہیں-

"واضح ہو کہ کفارہ اس لئے نہیں ہوا کہ اس وقت گناہ کے امکان کو مٹا ڈالے بلکہ وہ تو اس لئے ہوا ہے کہ گناہگار کو خدا کی سزا اور عدل کی حقیقی سزا سے بچائے اور گذشتہ حال و آئندہ کے گناہوں کی معافی کے لئے تو کفارہ کافی ہو چکا ہے- لیکن انسان کی فعل مختاری چھینی نہیں گئی- اور نہ عرضی، عبرتی، تنبیہی سزاؤں کو جو جرائم کے روبہ تنزل کرنے کے لئے انتظامی ہیں- وہ دور کرتا ہے- انسان کو اختیار رہتا ہے کہ جس گناہ سے بچالیا گیا ہے- پھر اس میں پڑ کر چاہے تو اپنا نقصان کرلے یا اس سے بچا رہے- سو کفارہ ہمیں گناہوں اور ان کی سزا حقیقی سے بچاتا ہے- بشرطیکہ ہم ثابت قدم رہ کر اپنا ایمان خداوند یسوع المسیح کفارہ دینے والے پر رکھیں- پس کفارہ ہمیں سزا وہ عدل کی حقیقی سزا سے بچانے کے لئے ہوا نہ کہ گناہ کے امکان کو مٹا ڈالنے کے لئے یا انسان کی خود مختاری کو چھین لینے کے لئے-"

(اثبات کفارہ حصہ اول صفحہ ۲۰، ۲۴)

پادری برکت اللہ صاحب!:

بقول "گونگے کی بولی گونگے کی ماں سمجھے":

آپ ہی بتائیے کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں؟ پہلے تو کفارے کے ذریعہ سے تینوں زمانوں (گذشتہ، حال اور آئندہ) کے گناہوں کی معافی کا اعتراف کرلیا۔ پھر گناہگار کو آئندہ کے گناہوں سے نقصان اٹھانے کا ذمہ دار قرار دیا۔ عبارت مذکورہ میں دونوں فقرے (جو زیر خط ہیں) ملاحظہ ہوں۔

شہادت ضمیر: ہر ایک انسان کا ضمیر شہادت دے سکتا ہے کہ جس شخص کو یقین ہو جائے کہ میرے پہلے سب گناہ بخشے گئے اور آئندہ بھی بخشے جائیں گے۔ وہ بظاہر چاہے۔ کتنا ہی پرہیز کرے۔ مگر اس کی طبیعت میں گناہ سے خوف نہیں ہوگا۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت مسیح ایسے معمولی گناہوں پر کیوں اتنی سزا تجویز فرماتے ہیں۔

"جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے۔ تو اسے نکال اپنے پاس سے پھینک دے۔ کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔" ----- (متی ۵: ۲۷ تا ۲۹)

پادری صاحب ہمیں بتائیں کہ سزا کا یہ حکم جو انجیل کی اس عبارت میں مذکور ہے۔ آپ جیسے راسخ الاعتقاد مسیحیوں کے لئے بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو یہ حکم بے کار ہے۔ اگر سب کے لئے ہے تو کفارہ بے کار ہے۔ غرض کفارے کے حق میں یہ شعر صادق آتا ہے۔

مصیبت میں پڑا ہے۔ سینے والا چاک داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ٹانکا تو یہ ادھڑا

قارئین کرام!: مسیحی مذہب کے دو ہی رکن ہیں۔ ایک الوہیت مسیح دوسرے کفارہ مسیح، جن پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اس بحث کو ملحوظ رکھ کر کوئی اہل

بصیرت ہم کو بتا سکتا ہے کہ مسیحی مذہب اہل فہم کے نزدیک قابل قبول ہونے کی وجہ سے عالمگیر ہو سکتا ہے ہمارے خیال میں دو دو نے پانچ اور پانچ دو نے گیارہ کا اعتقاد رکھنا اتنا غلط ہے جتنا غلط الوہیت مسیح اور کفارہ مسیح کا عقیدہ رکھنا۔

پادری صاحب! ایسے عقائد کی تعلیم دینے والے مذہب کو آپ عالمگیر کہتے ہیں سچ ہے۔

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانے میں دستور دیکھا

الحمد اللہ! ہم بحث کفارہ سے بھی فارغ ہو گئے ہیں۔

باب سوم

دین فطرت اِسلام ہے

بجواب

دین فطرت مسیحیت ہے

یہ باب پادری صاحب کی اس کتاب کے جواب میں ہے- جس کا نام ہے- "دین فطرت اِسلام یا مسیحیت" اس کتاب میں (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے- پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دِین فطرت مسیحیت ہے' اسلام نہیں' مضمون کے لحاظ سے تو یہ بحث پہلی کتاب کے ضمن میں آچکی ہے- مگر ظاہری صورت کے لحاظ سے یہ کتاب بھی عیسائی تثلیث کا اقنوم ثالث ہے- اس لئے اس پر توجہ کرنا بھی ضروری تھا- چنانچہ کی گئی- خلاصہ اس کتاب کا یہ ہے کہ انسان میں جتنی فطری خصلتیں (نیچرل عادات) ہیں- صرف مسیحیت ہی ان کے مناسب حال تعلیم دیتی ہے- اِسلام اس تعلیم سے خالی ہے- مگر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ قدرت بھی اپنا تصرف اندر ہی اندر کر جاتی ہے- چنانچہ قدرت نے پادری صاحب سے اسی کتاب میں لکھوا دیا کہ ہر شخص فطرۃ اکلاپے سے گھبراتا ہے- اس میں کیا شک ہے کہ مسیح ساری عمر مجرد رہے اور یہ تو پادری صاحب نے فخریہ لکھا ہے-

"مسیح نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی بلکہ مسیحی کلیسیا کو اپنا کامل اور اکمل نمونہ دیا (مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۱۱۷)

اس کا نتیجہ صاف ہے کہ کسی مسیحی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ تجرد (کنوارا پن) چھوڑ کر تاہل (خانہ داری) اختیار کرے' کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ اپنے ہادی کے نیک نمونہ سے منحرف ہو کر نجات سے محروم رہ جائے گا- پادری صاحب نے یہ بڑی مہربانی کی ہے کہ لفظ فطرت کی تشریح خود ہی فرما دی- چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

"اس رسالہ میں ہم لفظ فطرت کو صرف ان جبلی قویٰ کے لئے استعمال کریں گے جو انسان میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ یہ جبلی قویٰ وہ طبعی میلانات ہیں۔ جو ہر انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔ اور جن کے جائز اور مناسب استعمال سے ہر انسان اس منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ جو اس کی ہستی کی علت غائی ہے۔" ----(دین فطرت صفحہ ٦)

مجیب: فطرت کی یہ تعریف ہمیں منظور ہے۔ آپ نے اس تعریف پر جو تفریع کی ہے کہ اس رسالے میں ہم مسیحیت اور اِسلام کو صرف اس کسوٹی پر پرکھیں گے صفحہ ٦ اس کے لئے بھی ہم تیار ہیں۔ مگر آپ کا یہ مقولہ بحث طلب ہے کہ:

"مسیحیت کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف خداوند مسیح انسان کے جبلی قویٰ اور طبعی میلانات کو خدا کے ازلی ارادے اور مقصد کے مطابق پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے مسیحیت کا یہ دعویٰ ہے کہ ان معنوں میں وہی اکیلا مذہب ہے جو دین فطرت کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔"

(صفحہ ٦، ٧)

ہم آپ کی اس خالی خولی عنایت کے بھی شکر گزار ہیں۔ جس کا اظہار آپ نے یوں کیا ہے۔

"مسیحیت اپنے مخالفین کو ہر طرح کی رعایت دینے کو تیار ہے۔ کیونکہ ان تمام مراعات کے باوجود اس میں اپنے سب حریفوں پر غالب آنے کی صلاحیت موجود ہے۔" ----(صفحہ ٧)

تشریح: اس جسارت کو ہم ایک مثال کی صورت میں پیش کریں تو غالباً اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔

مثال: کسی منڈی میں کوئی ساہوکار اتنا مالدار ہے کہ باقی سب دوکاندار اس کے مقروض ہیں اور وہ اپنے قرضداروں کو کافی رعایت دے کر کہتا ہے تو تُم لوگ مجھے اصل رقم کا پچاس ساٹھ فی صدی ادا کردو۔ باقی رقم میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ اتنی رعایت دینے کے باوجود وہ اتنا مالدار ہے کہ باقی سب دوکانداروں میں اس کا نمبر اول ہے۔

اس مثال کے مطابق ہم خود دیکھیں گے اور اپنے قارئین کو دکھائیں گے پادری صاحب ہم کو رعایت دیتے ہیں یا الٹا ہم سے سود لیتے ہیں۔ آپ کا مندرجہ ذیل مقولہ شائد رعایت ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

"ہم نے اس رسالہ میں اہل اِسلام کو ایک اور رعایت دے دی ہے یعنی ہم نے اسلامی عقائد بیان کرتے وقت صرف قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔"---- صفحہ ۷)

شائد پادری صاحب کو معلوم نہ ہوگا کہ یہ طریقہ رعایت نہیں ہے۔ بلکہ مخاطب کو ایک تنگ دائرے میں محبوس کرنا ہے۔ ایسا کرنے میں آپ سوامی دیا نند کے متبع ہیں۔ جو سیارتھ پرکاش کے دیباچہ میں مسلمانوں کو ایسی ہی رعایت دے چکے ہیں۔ رعایت ہم اس صورت میں سمجھتے ہیں کہ آپ دونوں مذہبوں (مسیحیت اور اِسلام) کو ایک ہی ترازو میں تولتے۔ اپنے لئے تو یہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم کے علاوہ حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں کے خطوط بھی الہامی نوشتوں کے ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں۔ جو اہل اِسلام کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہاں تک بھی ہاتھ مارتے ہیں کہ

منجئی عالمین کی تعلیم کے نام سے یسعیاہ کا حوالہ دیتے ہیں جو مسیح سے سینکڑوں برس پہلے کی تصنیف ہے۔"----- (مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۲۱۰)

پادری صاحب نے جبلی میلانات کی تفصیل ضرورت سے بہت زیادہ طویل عبارت میں کی ہے۔ مگر پھر بھی فطرت کا تقاضا پورا نہیں ہوسکا۔ پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"ہر ایک انسان کی سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ خوفناک اشیاء سے ڈرتا ہے اور اپنے بیوی بچوں سے پیار کرتا ہے۔ پس دین فطرت وہ مذہب ہے جو ہمارے جبلی قوئ کو ان کی فطرت کی مطابق نشوونما پانے میں راہنما ہو اور ان کے جائز اور مناسب استعمال کے وسائل کو اختیار کرنے میں مدد و معاون ہو۔ پس عالمگیر مذہب کا یہ کام ہے کہ ان جبلی قوئ کو جو انسانی فطرت میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ الٰہی منشاء اور ارادے کے مطابق کامل کرے۔"

(دین فطرت صفحہ ۹، ۱۰)

مجیب: ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ قارئین اب پادری صاحب کا دعویٰ متنازعہ سنئے آپ فرماتے ہیں کہ

"مسیحیت کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف خداوند مسیح ہمارے جبلی قوئ کو خدا کے ازلی ارادے اور منشا کے مطابق پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔"----- (صفحہ ۱۱)

پس یہ ہے ساری کتاب کا موضوع بحث۔ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے

آپ نے کتاب کے انیس صفحے محض تمہید سے پر کر دیئے ہیں۔ آخر کار بڑی طول کلامی کے بعد اصل مضمون کے متعلق آپ کے منہ سے بمشکل الفاظ ذیل نکلے ہیں۔

"اسلام اور دیگر کل مذاہب اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ گناہگار کو نیکی کا درس دے دیں اور نصیحت کر دیں۔ اس سے زیادہ وہ نہیں کرتے اور نہ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن ہر شخص تجربہ سے جانتا ہے کہ نصیحت کی قوت جبلت کی زبردست طاقت کے سامنے ہیچ ہوتی ہے۔ للہذا وہ کارگر نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔"---- (صفحہ ۱۹، ۲۰)

مجیب: اسلام کے ساتھ دیگر کل مذاہب کو شامل کرنے سے آپ کا مقصد غالباً اپنے مسلمہ صحف انبیاء پر بھی ہاتھ صاف کرنا ہے۔ اگر لفظ کل بے خبری میں لکھا گیا ہے۔ تو پادری صاحب اس کو واپس لے لیں۔ آپ کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ایک گناہگار بندہ دربار محمدیؐ میں آئے تو آنخضرتؐ اس کو محض اتنا ہی فرمائیں گے کہ تو فلاں فلاں کام مت کر۔" اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اگر وہ مسیح کے پاس آئے گا تو آپ علاوہ اس نصیحت کے کہ اس کو گناہ چھوڑنے کی طاقت بھی بخشیں گے۔ جس سے وہ گناہ کی بری عادت کا مقابلہ کر سکے گا۔ آپ کا یہ دعویٰ دراصل اسی بنیادی پتھر (الوہیت مسیح) پر مبنی ہے جس پر کتاب ہذا میں گذشتہ صفحات میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ چونکہ پادری صاحب اور ان کے ہم نوا ابھی تک مسیح کو مجسم الہ مانتے ہیں۔ اس لئے وہ اسی اصول پر مسیح کو حقیقۃ ہدایت بخش اور توفیق بخش کہے جاتے ہیں۔ مگر قرآن چونکہ پیغمبر اسلام کو درجہ الوہیت سے خالی اور منصب نبوت پر فائز ٹھہراتا ہے۔ اس لئے وہ اس اصول کے ماتحت صاف کہتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ --- (پ۳:ع۵)

ترجمہ اے پیغمبر! تمہارے اختیار میں ان کو ہدایت کرنا (منزل مقصود تک پہنچا دینا) نہیں ہے بلکہ خدا جس کو چاہے خود ہی ہدایت کرتا ہے۔

تمہارا منصب تبلیغ ہے۔ "اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ"---- (پ۲۵:ع۶)

لیکن اس میں شک نہیں کہ آنحضرت کی تبلیغ اور ایک عالم کی تبلیغ میں بہت بڑا فرق ہے اور آپ کے مرتبہ کے لحاظ سے ایسا فرق ہونا ضروری ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ جہاں تک انسانی کمال کی حد ہے آپؐ کے اثر صحبت سے متلاشیان حق پاکیزگی حاصل کرتے۔

جیسا کہ قرآنی اِرشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ

(پ۲۸:ع۱۱)

ترجمہ وہی خدا ہے جس نے ان پڑھوں میں اپنا پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور پاک کرتا ہے اور ان کو اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے۔ اس سے پہلے وہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

یہ آیت آنحضرتؐ کا منصب اور حیثیت صاف بتاتی ہے کہ آپؐ قرآن کو سمجھاتے اور روحانی حکمت سکھاتے اور اپنے اثر صحبت سے اپنے متبعین کو پاک کرتے۔ لیکن یہ تزکیہ اور تطہیر انسانی کمال کی حد تک ہوتا۔ الوہیت کی شان اس میں نہ ہوتی۔ جس کا ذکر اس شعر میں ہے۔ ؎

صحبت صالح ترا صالح کند   صحبت طالع ترا طالع کند

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں۔

"مسیحیت ہی ایک واحد مذہب ہے جو یہ نئی پیدائش ہم کو عطا کرتا ہے۔ خداوند مسیح ہی اکیلا ہادی ہے جو نہ صرف ہم کو راہ ہدایت بتاتا ہے۔ (یوحنا ۱۴:۰۶) بلکہ ہم کو وہ زبردست طاقت عطا فرماتا ہے۔ جس کی مدد سے ہم اپنی جبلت کی طاقت کو ایک جانب سے ہٹا کر دوسری طرف راغب کر سکتے ہیں۔ اس کے ہی فضل سے ہم کو یہ توفیق عطا ہوتی ہے۔" ----(صفحہ نمبر ۳۲)

مجیب: یہ اقتباس پہلے اقتباس کا اعادہ ہے یا اس پر تفریع ہے۔ اس میں مسیحیت کی فضیلت کا ذکر ہے۔ خاص کر یہ فقرہ کہ۔

"مسیح ہی اکیلا ہادی ہے۔ وہ ہم کو زبردست طاقت عطا فرماتا ہے۔"

قابل غور اور محل بحث ہے' کیونکہ اس میں مسیحی مذہب کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اس لئے مسیحی کتب کے حوالوں سے ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں۔

دُنیا کی تاریخ کتب اور مسیحی اناجیل بالاتفاق شہادت دیتی ہیں کہ یہود مسیح کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر

آپ کو صلیب پر چڑھا دیا اور ہاتھوں میں میخیں گاڑ دیں۔ اس حالت میں یسوع مسیح کی یہ فریاد کہ:

"اے میرے خدا' اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔"

آپ کا صحیح مقام (عبودیت) متعین کرنے کے لئے ایک فیصلہ کن جملہ ہے۔

"یہودیوں پر آپ کی قوت بخشی نے کوئی اثر نہیں کیا' بلکہ آپ کے خاص حواریوں پر بھی اثر نہیں کیا۔ جنھون نے یوم صلیب کی صبح ہونے سے پہلے ہی یسوع مسیح پر لعنتیں بھیجیں اور ان سے اپنی علیحدگی کا اظہار کیا۔" ----(متی باب ۲۶)

کیا اس کا نام قوت بخشی ہے کہ اپنے صحبت یافتہ اشخاص کو بھی بے نصیب رکھا۔ جس پر انہوں نے بزبان حال یہ شعر پڑھا۔ ؎

بس سمندر دیکھ لی ہم نے تیری دریا دلی
تشنہ لب رکھا صدف کو بوند پانی کی نہ دی

ذرا اور نیچے آجایئے' مسیحی دُنیا میں اول نمبر یورپ کا ہے۔ اس کی نیک بختی اور صلاحیت کی جو کیفیت شروع سے رہی ہے۔ وہ عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے۔ شراب خوری' خنزیر خوری' زناکاری' غلط کاری کوئی جرم ہی نہیں' شائد کفارہ مسیح کے عقیدہ نے ان لوگوں کو گناہوں کی سزا سے بے خوف کر دیا ہو۔ پادری صاحب۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بیروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

پادری صاحب کا یہ مقولہ کیسی ناواقفیت پر مبنی ہے کہ

"قرآن نیک اعمال کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن نہ تو نئی پیدائش کی تعلیم دیتا ہے کہ کسی شخص کو نیا مخلوق بنانے پر قادر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دین فطرت کے لوازم اس میں سرے سے نہیں ہیں' تمام ادیان عالم میں مسیحی دین کو یہ طغرائے امتیاز حاصل ہے۔" -----(صفحہ ۲۲)

مجیب: اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن اور ملہم قرآن میں الوہیت کی طاقت نہیں ہے۔ ہاں اپنی کمال تاثیر کے لحاظ سے تمام مخلوق میں ان کا درجہ سب سے بلند ہے یہ صرف ہمارا دعویٰ ہی نہیں' بلکہ اس کا واضح نمونہ بھی سنئے۔

قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ صاحب قران کے انقلاب انگیز اثر کے اظہار کرنے کو فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْا كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ -

(پ۴:ع۲)

ترجمہ: اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (قرآن) کی برکت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے پر تھے پھر اس نے تم کو بچا دیا۔ اسی طرح سے اللہ اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

قارئین: اس انقلاب کو ملاحظہ کیجئے، قرآن مجید کی تاثیر کا کیسا بین ثبوت ہے۔ جس کا اظہار مولانا حالی مرحوم نے مندرجہ ذیل بند میں کیا ہے۔ ؎

وہ دین جس نے اعدا کو اخواں بنایا   وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غم خوار دوراں بنایا   گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلہ
گراں کر دیا اس کا عالم سے پلہ

پادری صاحب! قرآن مجید نے دُنیا میں جو روحانی انقلاب بپا کیا۔ اس کی شہادت تو تمام جہاں دے رہا ہے کہ صرف تئیس سال کے عرصہ میں اپنے اتباع کو ذلت و خواری کے تختہ سے اٹھا کر عزت و حکومت کے تختہ پر بٹھا دیا اور ہر قسم کی غلط کاری میں مبتلا لوگوں کو متقیوں کا امام بنا دیا۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں طاقت نہیں ہے۔ کس قدر بے انصافی پر مبنی ہے۔ ہاں مسیحیت نے اس قوت کا جو اظہار کیا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ کفارہ مسیح کا سبز باغ دکھا کر مجرموں کو گناہوں کی پاداش سے بے خوف کر دیا اسی لئے اب ان کی زبان پر یہ کہاوت جاری ہے۔

سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کس کا

خوف کی جبلت: پادری صاحب نے اس سرخی کے ماتحت بڑی طویل گفتگو کی ہے جبلت خوف سے پادری صاحب کی مراد فطری خوف ہے' یعنی کسی زبردست طاقت سے ڈرنا جو انسان کی طبعی عادت ہے- پادری صاحب اس کو جبلت خوف سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں-

"خوف کی جبلت تمام حیوانات کی بقا کے لئے ضروری ہے- انسانی سرشت میں یہ جبلت قوی ترین جبلتوں میں سے ہے-" ----- (صفحہ ۲۳)

اتنا مضمون تو فریقین کو مسلم ہے- آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ

"لازم ہے کہ دین فطرت کے عقائد ایسے ہوں جن سے اس جبلت کی غیرمعتدل برانگیختگی واقع نہ ہو تاکہ انسان ہول اور دہشت کا نشانہ بنا رہے-"

اس پر بھی ہمارا اصاد ہے' اسی معیار پر پادری صاحب تفریع کرتے ہوئے لکھتے ہیں-

"حق یہ ہے کہ جس قدر کسی مذہب میں دہشت کا عنصر غالب ہوگا- اسی نسبت سے وہ مذہب ادیان عالم میں ادنی پایہ کا شمار کیا جائے گا-" ---- (صفحہ ۲۵)

یہ اصول بھی ہمیں مضر نہیں- ان تمہیدات کے بعد آپ خاص اِسلام پر اوچھے ہتھیاروں سے حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں-

"اسلام میں خوف کا عنصر اسی طرح کارپرداز ہے جس طرح وحشی اقوام کے مذاہب باطلہ میں دیوتاؤں کا خوف کام کرتا ہے-" ----- (صفحہ ایضا)

مجیب: قرآن مجید نے خوف اور محبت کو ایسے اعتدال پر رکھا ہے کہ باید و شاید بہت سی آیات نقل کرنے کی ضرورت نہیں' نمونہ کے طور پر ایک ہی کافی ہے-

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ

(پ ۱۴: ع ۴)

ترجمہ "اے پیغمبر! میرے بندوں کو یہ اطلاع دے دو کہ میں بڑا ہی بخشن ہار اور مہربان ہوں اور یہ بھی کہہ دو کہ مجرموں کے لئے میرا عذاب بڑا ہی درد ناک ہے-

کیسا معتدل کلام ہے کہ خوف اور محبت کو اعتدال پر رکھا گیا ہے اس کے مقابلہ میں مسیحیت نے جو تعلیم دی ہے اسے ہم آگے چل کر نقل کریں گے۔ اس سے آگے پادری صاحب مسیحیت کا طغرائے امتیاز بتانے کو لکھتے ہیں کہ

"مسیحیت ہم کو یہ تعلیم دیتی ہے کہ خداوند کا خوف دانش کی ابتدا ہے (مثال ۱-۷) خداوند کا خوف پاک ہے (زبور ۹-۱۹) خداوند تمہارا تُم سے سوائے اس کے اور کیا چاہتا ہے کہ تُم اپنے خدا کا خوف مانو اور اس کی سب راہوں پر چلو اور اس سے محبت رکھو۔" ----(استثناء ۱۰-۱۲)

ان حوالہ جات کو پیش کرکے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

"کتاب مقدس کے مذکورہ بالا اقتباسات بطور مشتے نمونہ از خروارے دیئے گئے ہیں ان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مسیحیت میں خدا کا خوف کس قسم کا ہے۔"

"یہ خوف دانش کی ابتداء اور پاک ہے اس سے خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے۔"

(صفحہ ۳۳)

مجیب: پادری صاحب! آپ کو اِسلامی تعلیم متعلقہ خوف تو وحشیانہ نظر آتی ہے۔ جو بالکل اعتدال پر مبنی ہے۔ جس کا ثبوت ہم قرآنی آیت کے حوالہ سے دے چکے ہیں۔ لیکن مسیحیت کی تعلیم آپ کی نظر سے کیوں اوجھل رہی' بائیبل خدا کے غضب اور انتقام وغیرہ کے متعلق جو تعلیم دیتی ہے اسے توجہ سے سنیئے اور اپنے ہم نوا ممبروں کے ساتھ بیٹھ کر غور کیجئے! خداوند موسیٰ کو فرماتا ہے۔

"خداوند خدا رحیم اور مہربان قہر میں دھیما رب الفیض و وفا ہزار پشتوں کے لئے فضل رکھنے والا گناہ اور تقصیر اور خطاء کو بخشنے والا۔ لیکن وہ ہر حال میں معاف نہ کرے گا۔ بلکہ باپوں کے گناہ کا ان کے فرزندوں سے اور فرزندوں کے فرزندوں سے تیسری اور چوتھی پشت تک بدلہ لے گا۔" ---(خروج ۳۴:۶'۷)

مجیب: اللہ اللہ کس قدر جوش غضب ہے کہ زار روس کے مظالم بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں کہ گناہ کا بدلہ گناہگار کے بیٹوں' پوتوں اور پڑپوتوں وغیرہ سے لیا جاتا ہے۔ مسیحی دوستو! دُنیا کی کسی حکومت میں ایسا قانون دیکھا یا سنا ہے۔ جیسا آپ کے مسیحیت خدا کے حق میں بتاتی ہے کہ ایک گناہگار کے گناہ کی سزا کئی ایک بے گناہوں کو دی جائے۔ مگر

مذہب میں یہ پہلا ہی واقعہ نہیں ہے اور نہ اس کے لحاظ سے یہ کوئی عجیب بات ہے۔ کیونکہ مسیحیت نے دُنیا کے بہت بڑے معزز اور خدا کے مقرب اور معصوم (ناکردہ گناہ) بندے کو پھانسی پر چڑھا کر گناہگاروں کی نجات کا ذریعہ سمجھا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کو نہ تو عدل وانصاف کا اصول مانع آیا اور نہ خدائی رحم نے اس کو اس ظلم سے باز رکھا۔ پادری صاحب ایسے کمزور ہتھیاروں سے قرآن مجید کے مضبوط قلعے پر حملہ کرکے خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ قران کا قلعہ ایسا مضبوط ہے کہ مٹی کے گولوں سے اسے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اس کا حملہ اتنا زبردست ہے کہ انٹورپ کا قلعہ بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے اِسلام اپنے مخالفوں کو للکارتا ہوا بزبان حال کہتا ہے۔ ؎

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں
میری چھاتی ابھی تیروں سے چھنی خوب نہیں

اس سے آگے آپ لکھتے ہیں کہ

"اسلام کے خدا کی ذات صفات ایسی ہیں جن سے ہر لحظہ خوف اور دہشت ٹپکتی ہے۔ لیکن مسیحیت کے خدا نے ہم کو دہشت کی روح نہیں، بلکہ قدرت محبت اور تربیت کی روح دی ہے۔" -----(صفحہ ۳۶)

مجیب: ابھی ہم جواب دے چکے ہیں کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کو ہر جگہ غفور و رحیم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور بار بار کہتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" (خدا سب لوگوں پر شفقت اور رحم کرنے والا ہے) رؤف اور رحیم دونوں صیغے مبالغے کے ہیں۔ جن کے معنی ہیں بہت بڑا مہربان اور بہت زیادہ رحم کرنے والا اس سے بھی زیادہ گناہگاروں کو تسکین دینے والی آیت سنئے۔ اِرشاد ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ---- (پ ۱۳:ع ۷)

خدا گنہگاروں کے لئے بخشن ہار ہے۔

اللہ اللہ رحمت اور مغفرت کا سمندر کس قدر جوش مار رہا ہے کہ لوگوں کے ظلم و ستم کے باوجود خدا ان کے لئے بخشن ہار ہے۔ البتہ یہ ہم مانتے ہیں کہ مسیحیت جیسا رحم قرآن میں واقعی نہیں ہے کہ ظالم بدکاروں کی خاطر ایک بے گناہ انسان کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا

جائے اور غصے کی آگ بھڑک اُٹھے تو بے گناہ بچوں کو بھی فنا کر دے۔ جس کے مقابلہ میں ظالم حملہ آوروں کے حملے بھی ہیچ معلوم ہوں۔ ایسے خونخوار اور ظالم خدا کے حق میں بجز اس کے کیا کہا جائے۔ ؎

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا　　　تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

آگے چل کر پادری صاحب جبلت تولید کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی مراد ازدواجی تعلق ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"نر اور مادہ کے باہمی تعلقات اسی جنسی جبلت کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ انسانی معاشرت کے لئے یہ جبلت (ازدواجی تعلق) نہایت ضروری ہے۔" ---- (صفحہ ۳۹)

مجیب: اس پر ہمارا بھی صاد ہے۔ اس مبحث میں آپ کو اِسلام میں دو نقص نظر آئے ہیں۔ یعنی تعداد ازواج اور طلاق۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ

"جن اقوام میں وحدت ازواج کی بجائے کثرت ازدواج رائج ہے اور بیاہ کے رشتے کی طرف سے لاپرواہی اختیار کی جاتی ہے اور طلاق عام روز مرہ کا واقعہ ہو جاتا ہے۔ ان اقوام میں زوال پیدا ہو جاتا ہے۔"

مجیب: تعداد ازواج کا جواب پہلے صفحہ ۴۴ پر بھی آچکا ہے۔ یہاں بھی کچھ لکھا جائے گا۔ طلاق کا ذکر آگے آتا ہے۔ تعداد ازواج کے متعلق پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

دین فطرت کا کام یہ ہے کہ (۱) وحدت ازدواج کی تعلیم دے (۲) نر اور مادہ کے رشتہ کے قیام' استواری اور پائیداری اور اس کی دوامی حالت کی تلقین کرے (۳) طلاق کی ممانعت کرے اور اس بات کا محرک ہو کہ جبلت جنسی کی وافر اور فاضل طاقت اور عظیم توانائی' اعلیٰ ترین مقاصد اور اغراض کو حاصل کرنے کی جانب راغب ہو جائے۔" ---- (صفحہ ۴۴)

مجیب: یہ ہے پادری صاحب کے نزدیک دِین فطرت کے معیار جس کا کچھ حصہ مسلم ہے اور کچھ غیر مسلم۔ متنازعہ حصے کا ذکر آگے آتا ہے۔ پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:

"کلمتہ اللہ کی تعلیم نے آدمی [1] اور عورت کے باہمی ----------------------

[1] پنجابی اردو۔ ۱۲ منہ

--- جنسی تعلقات کی کایا پلٹ دی- جو نر اور مادہ کے تعلقات آپ کے زمانہ میں رائج تھے- وہ موسوی شریعت کے ماتحت تھے آپ نے ان کے تمام غیر مکمل عناصر کو خارج کر کے اس رشتہ کو کامل طور پر پاکیزہ بنا دیا- عورت بچے جننے کی مشین اور مرد کی شہوت کا آلہ کار نہ رہی- بلکہ مرد کی طرح ایک آزادانہ ذمہ دار ہستی ہو گئی- جس سے خدا لازوال محبت کرتا ہے اور جس کی روح کی خاطر ابن اللہ نے اپنی جان دے دی- خدا کی نظر میں مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں- پس انجیل جلیل یہ تعلیم دیتی ہے کہ جنسی جبلت کے جائز استعمال کے لئے ہر مرد اپنی بیوی اور ہر عورت اپنا شوہر رکھے! شوہر بیوی کا حق ادا کرے اور بیوی شوہر کا حق ادا کرے-" (ص ۴۴-۴۵)

مجیب: پادری صاحب نے اس بیان میں اِسلام ہی پر حملہ نہیں کیا- بلکہ اپنی مسلمہ موسوی شریعت پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے- چنانچہ اس کو نامکمل اور قابل اخراج قرار دیا ہے حالانکہ مسیح کا قول ہم بارہا نقل کر چکے ہیں کہ

"موسوی شریعت یعنی تورات کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں ہو گا-" (انجیل متی باب ۵)

آپ کا یہ لکھنا کہ "خدا کی نظر میں مرد و عورت کے حقوق مساوی ہیں-" اس بارے میں قرآن مجید کی آیت ذیل ایسی صاف ہے کہ آپ کا یہ فقرہ گویا اسی کا ترجمہ ہے-!

ارشاد ہے-

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ---- (پ ۲ : ع ۱۲)

ترجمہ "عورتوں کے حقوق خاوندوں پر ویسے ہی ہیں- جیسے خاوندوں کے عورتوں پر-"

آپ کا یہ فقرہ کہ شوہر بیوی کا حق ادا کرے- دراصل اس آیت کریمہ کا ترجمہ ہے-

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ---- (پ ۴ : ع ۱۴)

ترجمہ "عورتوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا کرو-"

یہ تو اصل اعتراض کا جواب ہے- اب ہم پادری صاحب کی ہوشیاری کا ذکر کرتے ہیں- آپ نے آگے چل کر موسوی شریعت کی کتاب پیدائش سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ:

"مرد عورت ایک جان ہوں گے۔"----(باب ۲: ۲۴)

پھر اس فقرہ کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ:

"انجیل جلیل نے یہ تعلیم دی ہے کہ مرد عورت کے جنسی حقوق مساوی ہیں۔

----(صفحہ ۴۵)

اس اقتباس میں پادری صاحب نے جس ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے اگر کسی اور سے ایسی ہوشیاری سرزد ہوتی تو ہم اس کا نام مکاری اور عیاری رکھتے۔ کتاب پیدائش میں اصل واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب حضرت آدم اور حوا سے گناہ سرزد ہوا۔ چنانچہ پیدائش کے پورے الفاظ یہ ہیں۔

"مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی جوروں سے ملا رہے گا اور وے ایک تن ہوں گے۔"-----(پیدائش باب ۲: ۲۴)

اس عبارت میں دو فقرے ہیں۔ پادری صاحب کے طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب اپنے منقولہ فقرات کو شرعی حکم کے معنی میں واجب العمل سمجھتے ہیں۔ اگر دوسرا فقرہ شرعی حکم واجب العمل ہے تو پہلا فقرہ بھی واجب العمل ہونا چاہئے۔ یعنی ماں باپ کو چھوڑ دینا اور بیوی سے ملے رہنا۔ قارئین غور کریں کہ یہ تعلیم کیسی عمدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فقرے خبریہ جملے ہیں' انشائیہ جملے بمعنی شرعی حکم نہیں ہیں۔ ورنہ بڑی خرابی لازم آئے گی۔ کیونکہ ان میں انسان کی بد اعتدالی کا ذکر ہے کہ وہ ماں باپ کو چھوڑے گا اور بیوی کی محبت میں غلو کرے گا۔ اس سے تو مذمت نکلتی ہے نہ کہ شرعی حکم' دوسری ہوشیاری آپ نے یہ کی ہے کہ پیدائش کے اس حوالہ کو انجیل جلیل کہہ کر عزت بخشی ہے چنانچہ پس لفظ نتیجہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ کتاب پیدائش موسوی شریعت میں داخل ہے حالانکہ اس شریعت کو آپ غیر مکمل کہہ کر عیسوی شریعت سے خارج کر چکے ہیں اور اب اسی کو پیش کرتے ہیں۔ اس موقع پر موسوی شریعت آپ کی عنایت کو ملحوظ رکھ کر بزبان حال یہ شعر پڑھے تو بجا ہے۔ ؎

وفا کے واسطے میری تلاش ہوتی ہے
کوئی زمانے میں جب دوسرا نہیں ملتا!

اسی ضمن میں پادری صاحب نے طلاق کا مسئلہ بھی چھیڑا ہے اور اپنے دعویٰ پر انجیل مرقس باب ۱: ۲ نقل کی ہے۔ مسئلہ طلاق جس حقیقت پر مبنی ہے اسے سمجھ لینے سے یہ مسئلہ صاف حل ہو جاتا ہے۔ پس قارئین غور سے سنیں۔

نکاح ایک مصنوعی تعلق ہے قدرتی نہیں ہے۔ یعنی جس طرح انسان کا تعلق ماں باپ بہن کے ساتھ قدرتی ہے اسی طرح بیوی کے ساتھ قدرتی نہیں ہے۔ اس کی مثال بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں میں چچا زاد اور ماموں زاد بہنوں سے رشتہ نکاح جائز ہے جب تک عقد نکاح نہ ہو جائے وہ لڑکی چچا زاد بہن تو ہے۔ مگر منکوحہ بیوی نہیں ہے۔ انہی معنی میں عقد نکاح کو قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی کہا جاتا ہے اور جو تعلق مصنوعی ہو وہ قابل انفکاک (ٹوٹنے والا) ہوتا ہے اس کے برعکس قدرتی تعلق ناقابل انفکاک (نہ ٹوٹنے والا) اسی لئے باپ بیٹے کی مذہبی تبدیلی کی وجہ سے نسبت ولدیت معدوم یا منسوخ نہیں ہو جاتی۔ مگر ازدواجی تعلق تبدیل مذہب سے ٹوٹ جاتا ہے۔ موسوی شریعت تو عام طور پر طلاق کی اجازت دیتی ہے۔ مسیح نے بھی عورت کے بدکار ہو جانے کی حالت میں طلاق دینے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ مسیح کے الفاظ یہ ہیں۔

"یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے۔" ---- (متی باب ۵: ۳۱، ۳۲)

یہ دونوں اِرشادات (موسوی اور عیسوی) اسی اصول پر مبنی ہیں جو ہم نے عرض کیا ہے کہ نکاح مصنوعی تعلق ہونے کی وجہ سے قابل انفکاک ہے۔ جس پر عمل درآمد صرف سخت ضرورت کے وقت جائز قرار دیا گیا ہے۔ معمولی کراہت طبعی یا ناراضگی کو موجب طلاق نہیں ٹھیرایا گیا۔ بلکہ اس کے متعلق صاف اِرشاد ہے۔

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ---- (پ ۴: ع ۱۴)

ترجمہ "عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کیا کرو اگر تم ان کو کسی وجہ سے ناپسند کرو تو بھی نباہ کرتے رہو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور

خدا اسی میں بہت خیر و برکت پیدا کر دے۔"

طلاق کی مکروہ صورت ہر وقت پادری صاحب کی آنکھوں میں پھرتی ہے۔ وہ کوئی بھی عنوان قائم کریں اس کے ذیل میں طلاق کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۷۶ پر آپنے "ماں باپ کی جبلت یا والدینی جبلت" کا عنوان قائم کر کے صفحہ ۷۸ پر "طلاق" کی بحث دوبارہ شروع کر دی ہے اس کے ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ

"کلمتہ اللہ نے صاف تعلیم دی ہے کہ زنا کا گناہ ازدواج کے پاک رشتے کو خود بخود توڑ دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے پاک رشتہ ناپاک ہو جاتا ہے۔" ---- (صفحہ ۸۰)

مجیب: یہ الفاظ مسیح کے نہیں ہیں۔ آپ کے اصل الفاظ نقل ہو چکے ہیں کہ

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے۔"

یہاں ہم صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ ان صورتوں میں مرد کیا کرے۔؟

۱۔ کسی مرد کی بیوی غیر مرد کے ساتھ سیر کرنے جاتی ہو۔

۲۔ غیر مرد کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی ہو یا خفیہ خط و کتابت کرتی ہو۔

۳۔ چوری کرنے کی عادی ہو۔

۴۔ بد اخلاقی سے گالی گلوچ کرتی ہو۔

۵۔ خاوند کی پہلی بیوی کے بچوں سے دشمنی رکھتی ہو۔

۶۔ خاوند کے والدین یا دوسرے معزز رشتہ داروں کی توہین کرتی ہو۔

۷۔ اپنے پرائے سے خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے کی عادی ہو۔

ان جیسی تمام صورتوں میں مرد کو انجیل کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ ایسی بیوی کو اپنی گردن کا طوق بنا کر اپنی زندگی کو ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رکھے یا مخلصی کی کوئی راہ اِختیار کرے۔ قانون قدرت کو ملحوظ رکھ کر جواب دیجئے۔

ایسے واقعات ہمارے مشاہدے میں بکثرت آئے ہیں کہ مرد عورت میں ناچاقی اور سوء مزاجی بعض دفعہ طبعی طور پر ہوتی ہے اور بعض دفعہ قدرتی طور پر۔ طبعی طور پر تو یوں ہوتی

ہے کہ مرد یا عورت اپنی شکل و شباہت میں اس درجہ پر ہوتے ہیں۔ جس کا ذکر شیخ سعدی نے اپنے ایک شعر میں یوں کہا ہے ؎

تو گوئی تا قیامت زشت روئی — بروختم است و بر یوسف نکوئی

اس قسم کا ایک واقعہ زمانہ رسالت میں بھی پیش آیا تھا۔ اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ ایک عورت نے دربار نبویؐ میں آکر شکایت کہ کہ حضور! میں اپنے خاوند کے دِین اور اخلاق میں کوئی نقص نہیں پاتی۔ مگر جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو میرا دِل چاہتا ہے کہ اس کے منہ پر تھوک دوں۔ حضرت نے اس عورت کا عذر معقول قرار دے کر اس کو خاوند سے علیحدگی اِختیار کرنے کی اجازت دے دی۔

قدرتی اسباب کے کیس بھی ہمارے سامنے بہت آئے ہیں۔ مثلاً مرد غرض' نکاح کے لحاظ سے ناقابل ہے یا آوارہ گرد ہے یا کسی خاص مرض میں مبتلا ہے۔ فریقین جوان ہیں۔ پھر کیا پادری صاحب ان دو قسم کے اسباب میں انجیل مرقس باب ۱۰: ۲ کو پیش کر کے بیوی خاوند کو یہی حکم دیئے جائیں گے کہ تُم دونوں ایک تن ہو کر رہو۔ واللہ اگر آپ یہی کہیں گے تو وہ آپ کو جواب میں یہ شعر سنا دیں گے۔ ؎

شب فراق کی ہم جانیں یا خدا جانے
بلا کشوں پر جو گزرے تیری بلا جانے

ایسی صورتوں میں قرآن مجید اور شریعت سابقہ نے اگر اس مصنوعی تعلق کو قابل انفکاک قرار دیا ہے تو کیا جرم کیا ہے؟ اس ضمن میں پادری صاحب نے تعداد ازواج پر بھی بحث کی ہے۔ مگر قدرت کا عجیب تصرف ہے کہ اندر ہی اندر اپنا کام کر جاتا ہے اور فاعل کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ آپ کی ساری بحث کا ملخص یہ ہے جو آپ فرماتے ہیں۔

"چونکہ ازدواجی تعلقات در حقیقت بچوں کی شخصیت کی نشوونما اور ترقی کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا لازم ہے کہ یہ تعلقات صرف ایک زوجہ سے متعلق ہوں اور مدت العمر پائیداری ہوں۔"

(صفحہ ۴۷)

مجیب: اس اقتباس میں پادری صاحب سے ایک لفظ چھوٹ گیا۔ جس کا اضافہ پادری صاحب کی منقولہ عبارت کے خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اس لفظ کو ساتھ ملا

کر عبارت یوں ہونی چاہئے کہ۔

ازدواجی تعلقات در حقیقت قضائے حاجت نفسانی اور اولاد کی پیدائش اور بچوں کی شخصیت کی نشوونما کا ذریعہ ہیں۔

یہ عبارت انہی لفظوں میں ہونی چاہئے۔ کیونکہ یہ مضمون قانون قدرت کے مطابق ہے اس پر یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ صرف ایک زوجہ سے تعلق ہو۔ کسی طرح صحیح نہیں بلکہ اصل مقصد کے خلاف ہے۔ غور کیجئے کہ کسی کی منکوحہ عورت بانجھ یا دائم المریض ہو تو اس کا خاوند اولاد کی غرض سے کیوں دوسرا نکاح نہ کرے۔ ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے۔

جنوری ۱۹۴۱ء میں کوئی عورت حاملہ ہوئی۔ نو ماہ تک حمل رہا۔ عام دستور کے مطابق ولادت کے بعد وہی عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے گی۔ کیونکہ اس کے پستانوں میں دودھ قدرت نے اسی غرض سے پیدا کیا ہے۔ پس یہ تین سال کے لگ بھگ کا زمانہ تولید اولاد (بچے پیدا کرنے) کے لئے موزوں نہیں ہے اور اسی تولید اولاد کو آپ نے جبلت تولید سے تعبیر کرکے زیب عنوان کیا ہے۔

پس ضروری ہے کہ اس غرض کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے۔ ایسی حالت میں آپ کا یہ نتیجہ کسی طرح صحیح نہیں کہ ایک ہی عورت سے نکاح کیا جائے۔ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں جو صاحب اولاد بھی ہیں اور اپنی اپنی اولاد کی پرورش بھی کرتی ہیں تو اس میں عقل سلیم کی روح سے کون سی قباحت لازم آتی ہے۔ فتدبر!

دہلی کے علماء میں سے ایک صاحب مولوی محمد جوناگڑھی حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ [1] آپ کی تین بیویاں زندہ ہیں۔ جن کی اولاد انیس کس ہیں۔ آپ کی تینوں بیویاں ان کی زندگی میں بھی بطیب خاطر اپنی اپنی اولاد کی پرورش کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی مرد اس قدر جسمانی اور مالی طاقت رکھتا ہے کہ ایک بیوی اس کی ضرورت کو کفایت نہیں کرسکتی تو وہ کیوں دوسری عورت سے نکاح نہ کرے۔

[1] آپ کی وفات ۲۸ / فروری ۱۹۴۱ء مطابق یکم صفر المظفر ۱۳۶۰ھ کو ہوئی۔ ۱۲ منہ

نمونہ انبیاء: حضرات انبیاء کرام امت کے لئے اسوہ حسنہ (اچھا نمونہ) ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں تو بائیبل میں ہمیں ملتا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی متعدد بیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو اسموئیل باب ۳، ۱ اور اسلاطین باب ۱۱، ان کے اس فعل پر بائیبل میں کوئی ملامت نہیں ہے، کیونکہ یہ فعل کسی قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ازدواج شریعت الٰہیہ کے خلاف نہیں ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کا غیظ و غضب کس بنا پر ہے اور یہ فقرہ کس طرح صحیح ہے کہ

"ازدواج کی نسبت جو تعلیم کلمتہ اللہ نے دی ہے صرف فطرت کے لوازمات کے مطابق ہے۔ کیونکہ وحدت ازدواج اور اس تعلق کی مدت العمر پائیداری اور قیام ہی نوع انسانی کی بقا اور ترقی کا موجب ہو سکتی ہے۔" ---- (صفحہ ۴۸)

اس عبارت کا جواب ہمارے سابقہ بیان میں آ گیا ہے۔

اظہار تعجب: پادری صاحب نے جبلت جنسی یعنی ازدواج کو جتنی اہمیت دی ہے۔ اتنی اور کسی جبلت کو نہیں دی۔ اسی کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ انسانی معاشرت کے لئے یہ جبلت نہایت اہمیت رکھتی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ بیاہ اور ازدواج کا وجود نہایت ضروری ہے ----- (صفحہ ۳۹)

غالباً اسی لئے پادری صاحب کے دل میں کھٹکا ہوا کہ اس سے تو مسیحی مذہب پر بمب کا گولہ پڑے گا۔ کیونکہ مسیح ساری عمر مجرد رہے۔ انہوں نے جبلت جنسی کا تقاضا پورا نہیں کیا۔ جب بانئ مذہب نے خلاف فطرت زندگی بسر کی تو اس کی تعلیم کا کیا حال ہو گا۔ حالانکہ آپ خود ہی لکھ چکے ہیں کہ مسیح نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی بلکہ اپنا اسوہ چھوڑا (مسیحیت کی عالم گیری صفحہ ۵۴) اس سوال کے جواب میں پادری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ انہیں کے الفاظ میں بالاختصار درج ذیل ہے۔

"منجی کونین (مسیح) نے اس جبلت کی تمام کی تمام توانائی اور عظیم طاقت کو راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ خدا نے آسمان کی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے کی مبارک خدمت آپکے سپرد کی تھی۔ پس آپ نے اپنی ساری عمر کو بے نظیر ایثار نفسی کے ساتھ فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔"

---- (صفحہ ۴۹، ۵۰)

مجیب: مطلب یہ ہے کہ مسیح کا مدت العمر بے نکاح رہنا ان کی خاص دینی خدمت کی وجہ سے تھا- ہم نہیں سمجھتے کہ پادری صاحب اپنے پہلے دعویٰ کو کیوں بھول گئے- جس میں بلا استثناء تعلق ازدواج کو ضرور قرار دیا تھا- اب اس سے استثناء کرکے اپنے دعویٰ کو کیوں کمزور کردیا' خیر ہمیں اس سے بھی تعرض نہیں ہاں اس عبارت سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امت کا ہر فرد اپنے مقتدا کی اتباع کرنے کا مجاز بلکہ مامور ہے- پس ثابت ہوا کہ ہر مسیحی پر واجب ہے یا کم سے کم اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ ساری عمر کے لئے تجرد اختیار کرے- علاوہ اس کے ہم پوچھتے ہیں کہ دینِ الٰہی کی خدمت کرنے کیلئے مسیح سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام دنیا میں آتے رہے اور ان کی تبلیغ سے بہ نسبت اتباع مسیح کے بہت زیادہ لوگ مستفیض ہوئے اس کے باوجود انبیاء کرام اہل و عیال بھی رکھتے تھے- قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً

----(پ ۱۳: ع ۱۲)

ترجمہ "اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے ان کے لئے بیویاں اور اولادیں بنائیں-"

تعجب ہے!: پادری صاحب مذہب عیسوی کی کمزوری اپنے زور کلام سے دبا دینا چاہتے ہیں- چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مجید میں اللہ کی ذات کی نسبت آیا ہے- "لم یلد ولم یولد" اور "ولم تکن له صاحبة" یعنی نہ وہ جنا گیا اور نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کی کوئی جورو ہے- چونکہ کلمتہ اللہ کو ہر طرح کی مناسبت صرف خدا کے ساتھ ہے لہٰذا دنیاوی اعتبار سے نہ آپ کا کوئی باپ ہو سکتا تھا- نہ کوئی اولاد نہ کوئی جورو-" ----(صفحہ ۵۱)

مجیب: قرآن مجید کے تین لفظوں میں سے ایک لفظ جو آپ کے دعوے کے صریح خلاف تھا اس کو آپ چھوڑ گئے- وہ لفظ "لَمْ يُوْلَدْ" ہے- جس کے معنی ہیں کہ خدا کسی سے پیدا نہیں ہوا- اس کے برعکس مسیح کی نسبت انجیل میں آیا ہے کہ

یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی (انجیل متی باب اول)

اس صفت "لَمْ یُولَدْ" پر بھی تو کچھ توجہ کی ہوتی۔ ایسا آپ کیوں کرتے جب کہ مسیحیت کی الوہیت توڑنے کو یہی صفت کافی تھی۔ جو آپ کو کسی طرح پسند نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں۔

ع دِل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

مقام مسرت: مسلمان اس موقع پر جس قدر خوشی کا اظہار کریں بجا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اس خصوص میں اپنا نمونہ جو دکھایا ہے وہ حضورؐ کے کمالات میں سے اعلیٰ کمال ہے اپنی ساری عمر دینی خدمت میں صرف کر دی۔ جاہل اقوام سے جو تکالیف اٹھائیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ ایک طرف بت پرستوں سے مقابلہ ہے دوسری طرف یہودیوں سے تیسری طرف خدا کے منکریں (دہریوں) سے اور چوتھی طرف تین معبودوں کے ماننے والے عیسائیوں سے ان مشکلات کے باوجود آپ زن و فرزند کے ساتھ صاحب عیال نظر آتے ہیں۔ کیا مجال کہ عیال داری خدمت دِین سے کسی طرح مانوس ہو سکے۔ انہی معنی میں کہا گیا ہے۔ ع

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس سے آگے پادری صاحب نے اپنی عادت کے مطابق طول کلامی سے کام لیتے ہوئے اسی مضمون کو ربڑ کی طرح کھینچ کر صفحہ ۵۷ تک پہنچا دیا۔ جس کا جواب ہماری تحریر میں آچکا ہے ہاں اسی ضمن میں آپ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ

۱۔ نکاح متعہ قرآن سے ثابت ہے۔

۲۔ نکاح متعہ اور رنڈی بازی میں فرق نہیں

چیلنج: فقرہ نمبر اول کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے ہم پادری صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ آپ لاہور میں جلسہ منعقد کر کے قرآن مجید کے متن میں سے متعے کا ثبوت دیں تو ہم شکر گزاری کے علاوہ کچھ مٹھائی بھی پیش کریں گے۔

لطیفہ: ایک عیسائی واعظ کے ساتھ تثلیث پر گفتگو ہو رہی تھی۔ موصوف نے کہا کہ آپ خواہ مخواہ تثلیث کا اِنکار کرتے ہیں۔ تثلیث تو مسلمانوں کی بسم اللہ میں بھی

پائی جاتی ہے۔ دیکھئے اللہ' رحمان' اور رحیم تین الفاظ ہیں اور تینوں کا مصداق ہے۔ بس یہی تثلیث ہے۔

ایسے فہم قرآنی کی دوسری مثال یہی ہے جو قرآن مجید سے متعہ کے ثبوت میں پادری برکت اللہ صاحب کی تحریر میں ہمیں ملتی ہے۔ غنیمت ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہیں۔ ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ قرآن خوانی کے وقت قرآن کو اپنی رائے کے تحت نہ کیا کریں ورنہ کہا جائے گا۔ ؎

گر تو قرآن بریں نمط خوانی ببری دعویٰ ہمہ دانی

آگے چل کر پادری صاحب نے صفحہ ۷۶ پر یہ عنوان قائم کیا ہے۔

"والدینی جبلت کی خصوصیات"

یہ عنوان اپنے معنی بتانے میں صاف ہے کہ اس کے ماتحت والدین اور اولاد کے تعلقات مذکور ہوں گے مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پادری صاحب ایسے صاف عنوان کے ماتحت (جو انہوں نے خود ہی قائم کیا ہے) مسئلہ طلاق کو زبردستی گھسیٹ لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۷۸ تا صفحہ ۸۴ خیر یہ تو آپ جانیں اور آپ کا کام۔ آپ کی تصنیفات پبلک میں شائع شدہ ملتی ہیں وہ خود اندازہ کرے گی۔ اس عنوان کے ماتحت آپ نے عجیب و غریب رنگ دکھائے ہیں۔ ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لئے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کرلیں گے کہ پادری صاحب اِسلام اور اہل اِسلام پر ظلم کرتے ہیں یا اپنے علم و دیانت کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ۔

"ماں باپ کی جبلت کے عمل میں جب ممانعت یا مزاحمت ہوتی ہے تو اس سے غصہ ظہور میں آتا ہے اور یہ اِنسان کی معاشرتی زندگی کے لئے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ مثلاً جب کوئی ہمارے بچوں کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے تو ہم کو طیش آتا ہے' یہ غصہ غضب اور جوش در حقیقت تمام اخلاقی ناخوشنودی اور اخلاقی استحقار کی جڑ ہے۔ جو بچوں یا بے کس لوگوں یا نادانوں کی تکلیف یا ان پر ظلم اور زیادتی دیکھ کر ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ دور حاضرہ میں اِنسان کی معاشرتی زندگی میں اس جبلت کا میدان بہت وسیع ہوگیا ہے اور لطیف اور

نازک جذبے اسی جبلت کی وجہ سے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ مثلاً غلامی کے خلاف تحریک' بچوں' حیوانوں' اچھوت اقوام پر ظلم کی بندش اور ممانعت کی انجمنوں کا قیام۔ کاشتکاروں کے غلامانہ سلوک کا انسداد وغیرہ وغیرہ اسی کی وجہ سے ہیں۔ یہ نازک جذبات ہم کو مصیبت زدوں کے رفیق بنا دیتے ہیں۔ اور ہمدردی اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ آپ کی مصیبت کو کم یا ختم کر دیا جائے۔ پس ماں باپ کی جبلت یا ولادینی جبلت صرف والدین کی شفقت کی ہی ماخذ نہیں۔ بلکہ جملہ نازک جذبات کی ماخذ ہے۔ چنانچہ خیرات اور سخاوت کا ظہور' شفاخانوں کا اجرا اور زر خطیر کا خرچ وغیرہ بھی اسی جبلت کی وجہ سے ہیں۔" -----(۷۶'۷۶)

مجیب: کوئی صاحب علم ہمیں بتائے کہ والدینی جبلت یعنی والدین کی فطرت کا تقاضا ان سب شاخوں کو حاوی ہو سکتا ہے۔ غلاموں کی آزادی کی خواہش' حیوانوں کی حفاظت اور اچھوت اقوام کی ترقی کا خیال کیا یہ سب شاخیں والدینی فطرت پر مبنی ہیں۔ ہم پادری برکت اللہ صاحب سے نہیں بلکہ علمائے مسیحیہ سے پوچھتے ہیں۔ کہ آپ نے ایسے اِنسان دیکھے ہوں گے جو باوجود بے اولاد ہونے کے غلاموں کی آزادی چاہتے ہیں۔ اچھوتوں کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ کاشتکاروں سے حسن سلوک کے لئے کوشاں رہتے ہیں' غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ مروت اور نیک سلوک سے پیش آتے ہیں۔ پھر ان باتوں کو والدینی جبلت پر متفرع قرار دینا کہاں کا فلسفہ ہے آگے چل کر اسی عنوان کے ماتحت آپ صفحہ ۷۸ پر والدینی جبلت اور طلاق' مسیحیت اور طلاق اور صفحہ ۸۱ پر اِسلام اور طلاق وغیرہ ضمنی سرخیاں لکھ ماری ہیں اور صفحہ ۸۴ پر لکھا ہے "جبلت والدینی کی راہ میں طلاق کی اِسلامی تعلیم ایک ناقابل گذر رکاوٹ ہے۔"

پھر جی خوش کرنے کو خود ہی یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

پس اِسلام دِین فطرت نہیں ہو سکتا (چلو چھٹی شد)

آخر بڑی طول کلامی کے بعد آپ اصل لائن پر آگئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

والدینی جبلت اور بچوں کے فرائض

اس عنوان کے ماتحت آپ نے تسلیم کیا ہے کہ

"انجیل اور قرآن میں فرزندوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق احکام ہیں۔"
----(صفحہ ۸۴)

اس موقع پر جملہ معترضہ کی صورت میں ہم ایک فقرہ کہنا چاہتے ہیں کہ انجیل میں بچوں کے فرائض نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو جناب یسوع مسیحؑ ان پر ضرور عمل کرتے۔ حالانکہ بقول یوحنا مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا۔ وہ قصہ سننے کے قابل ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

"تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوع اور اس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی اور جیسے (شراب) گھٹ گئی۔ یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہ رہی۔ یسوع مسیح نے اس سے کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔" -----(یوحنا باب ۲)

قارئین!: اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ الفاظ کہ "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام" ادب کے ہیں یا سوء ادبی کے؟ پادری صاحب کی طرف سے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ وہ مجلس شراب خوری کی تھی اس لئے اس کے اثر سے اگر یہ فقرہ منہ سے نکل گیا ہو تو قابل درگذر ہے شیخ سعدی نے بھی اسی لئے کہا ہے۔

محتسب گرمے خورد معذور دار و مست را

اس کے مقابلہ میں قرآن مجید کی تعلیم سنئے۔ اولاد کو حکم ہوتا ہے۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا
(پ۱۵:ع ۳)

ترجمہ اے لوگو! اپنے والدین کو اف (ہوں) بھی نہ کہا کرو اور نہ ان کو جھڑکا کرو بلکہ ان کو عزت سے خطاب کیا کرو۔

اس موقع پر ہم یہ کہنے سے نہیں رک سکتے کہ پادری صاحب نے قرآن مجید کو اس تعمق و تدبر سے نہیں پڑھا جس کا وہ حقدار ہے۔ سنئے خود قرآن میں مذکور ہے کہ قرآن دانی کے دو درجے ہیں ایک درجہ تلاوت ہے۔ جس کا ذکر "يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ" کے الفاظ طیبہ میں ہے۔ دوسرا درجہ تدبر و غور کا ہے۔ جس کے متعلق اِرشاد ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ---- (پ ۲۶ : ع ۷)

یہ آیت صاف لفظوں میں اِرشاد کر رہی ہے کہ قرآن خوانی سے اوپر بھی ایک درجہ ہے۔ جس کا نام تدبر ہے۔ یعنی قرآن مجید میں گہری نظر سے غور کرنا۔

ہم بلا تعصب کہتے ہیں کہ ہم نے مخالفین اِسلام کو آریہ ہوں یا عیسائی زیادہ سے زیادہ تلاوت کے درجہ تک پہنچا ہوا پایا ہے۔ ان میں سے کئی ایک تو اس سے بھی نچلے درجے میں ہیں۔ خیر یہ مقام اس گلہ کی تفصیل کرنے کا نہیں ہے۔ ورنہ ہم عیسائیوں کے متعلق بھی بہت گھٹیا درجے کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے آریوں کے متعلق ایک مستقل رسالے میں دکھائی ہوئی ہیں۔ جس کا نام ہے۔ سوامی دیانند کا علم۔

اب اصل سوال کا جواب سنئے! قرآن مجید میں بچوں کی ماؤں کو اِرشاد ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ---- (پ۲ : ع ۱۴)

ترجمہ (مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائیں۔)

یہ حکم کیسا صحیح اور قانون قدرت کے موافق ہے۔ چونکہ ماؤں کے ذمے دودھ پلانے کی خدمت لگائی گئی ہے۔ اس لئے باپوں کو اِرشاد فرمایا۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِلَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ---- (پ۲:ع ۱۴)

ترجمہ یعنی بچوں کے باپوں پر باپ ہونے کی حیثیت سے واجب ہے کہ عورتوں کے تمام اخراجات پورے کرے۔

اور سنئے! ہر مسلمان کو بلکہ ہر انسان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تُم اپنے ماں باپ کے حق میں یوں دُعا کرو۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ---- (پ ۱۵ : ع ۳)

ترجمہ اے میرے خدا میرے ماں باپ پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے میری پرورش کی جبکہ میں کم سن بچہ تھا۔

یہ آیت اشارہ النص کے طریق پر بچوں کی پرورش کرنا ماں باپ کا فرض بتا رہی ہے کیونکہ بیٹا اس نسبت کو ملحوظ رکھ کر ماں باپ کے لئے دُعا کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی تربیت حسب حیثیت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ جس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی آپ نے حضرت مسیح کا قول نقل کیا ہے کہ "کسی بچے کو ناچیز نہ جانو۔" آپ قرآن مجید پر تدبر کرتے

تو اس سے بڑھ کر پاتے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ عرب نصف اولاد (لڑکیوں) کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ جس کا نقشہ مولانا حالی مرحوم نے اس بند میں دکھایا ہے۔" ؎

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر   تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی تھی جو خاوند کے تیور   کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جاکر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

اس رسم قبیح کے متعلق جو ارشاد باری پہنچا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ---- (پ۱۵:ع۴)

ترجمہ اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے مت قتل کرو ہم ہی رزق دیں گے ان کو بھی اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

پھر اس ممانعت ہی پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ روز قیامت کا ہیبت ناک نظارہ سامنے ارشاد فرمایا۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ---- (پ۳۰:ع۶)

ترجمہ اس زندہ گاڑی ہوئی بچی کے متعلق سوال ہو گا کہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی۔

کس قسم کا ہیبت ناک نظارہ ہے۔ امیر خسرو مرحوم نے اسی طرح کو لے کر کیا ہی لطیف شعر کہا ہے۔ آپ اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ ؎

بروز حشر گر پرسند خسرو راچرا کشتی
چہ خواہی گفت قربانت شوم تامن ہماں گویم

قارئین!: ان ہر دو ارشادات کو ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن مجید نے جبکہ صنف نازک (عورت) کی حفاظت کے متعلق احکام دیئے ہیں تو اس سے ایک مدبر آدمی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اولاد نرینہ کی حفاظت کہاں تک ملحوظ ہو گی۔ اسی لئے لڑکیوں کے قتل کی ممانعت کے موقع پر "لَا تَقْتُلُوْا بَنَاتِكُمْ" نہیں فرمایا بلکہ "لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ" ارشاد

فرمایا- تاکہ یہ حکم اولاد کے دونوں صنفوں (لڑکے 'لڑکی) کو شامل ہو جائے- ہم نے اپنے دعوے کو آیت سے استنباط ہی نہیں کیا بلکہ "رَبَّیَانِی" کا صریح لفظ پیش کر دیا جو ماں باپ کا فعل ہے اور یہ بات قرآن دان حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان مختلف ہے- بعض جگہ تو صراحتہ صیغہ امرونہی سے حکم دیتا ہے اور بعض جگہ جملہ خبریہ کی صورت میں حکم یا منع ہوتا ہے- جیسا کہ اِرشاد ہے-

(۱) وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا [1]
(پ۱۹: ع ۴)

(۲) وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ [2]
(پ۱۹: ع ۴)

"والدینی جبلت اور ذات اِلٰہی"

اس سرخی کے نیچے آپ یوں گویا ہوئے ہیں-

"خالق نے والدینی جبلت ہماری شریعت میں ودیعت فرمائی ہے پس اس جبلت کے تقاضاؤں کو اِنسان بخوبی جانتا ہے- پس اگر کو مذہب ایسا ہو جو اس جبلت کے ذریعہ خدا کی ذات کا علم ہم پر منکشف کرے تو ہم تم اس علم کو جان سکیں گے- چونکہ یہ جبلت دیگر جبلتوں سے قوی اور طاقت ور ہوتی ہے- لہٰذا اگر کوئی مذہب خدا کی ذات و صفات علم جبلت والدینی کے ذریعہ ہم پر ظاہر کرے تو ہم اس کو اس جبلت کے ذریعہ خدا کی ذات و صفات کا علم زیادہ حاصل ہو سکتا ہے-" ----- صفحہ ۸۶)

مجیب: معلوم نہیں پادری صاحب اِسلام کی مخالفت میں کیوں ایسی روش اِختیار کئے ہوئے ہیں- جس کو کوئی عقل مند پسند نہ کرے- ہمارا گمان ترقی کر رہا ہے- (مگر ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ جیسے ذی علم مصنف کے حق میں یہ گمان غلط ہو کہ آپ اپنے

---

[1] خدائے رحمان کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں- ۱۲ منہ

[2] نیک بندے وہ ہیں جو کسی جاں کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زناکاری کا ارتکاب کرتے ہیں- ۱۲ منہ

تجویز کردہ عنوانات کو خود نہیں سمجھتے- ایک مثال کے ذریعہ ہم اس کی تشریح کرتے ہیں- غور سے سنئے!

مثال: ایک شخص (زید) کسی جگہ بیٹھا ہے- اس کے سامنے اس کا باپ ہے- اس کے ساتھ ہی دائیں طرف اس کی ماں اور بہن ہیں اور بائیں طرف اس کا خسر' ساس اور سالی ہیں- پیچھے کی طرف اسکا بیٹا ہے- جس کے ساتھ اس کا ایک دوست اور ایک دشمن ہے زید جو درمیان میں بیٹھا ہے- اس کی حیثیتیں اور تعلقات مختلف ہیں- باپ کے ساتھ اس کا جو قدرتی تعلق ہے (جس کو پادری صاحب جبلت کہتے ہیں) وہ بیٹے کے ساتھ نہیں ہے- بلکہ اس کے برعکس ہے- یعنی زید اپنے باپ کے لئے مطیع اور اپنے بیٹے کے لئے مطاع ہے- اسی طرح زید کے ساتھ ماں کا تعلق ساس کے تعلق سے مغائر ہے اور بیوی کا تعلق بہن کے تعلق سے مغائر ہے- ان سب تعلقات کے احکام الگ الگ ہیں- لیکن پادری صاحب اِسلام پر نہیں' بلکہ اپنے علم پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ والدینی جبلت میں تصور اِلٰہی کو داخل کرتے ہیں حالانکہ خالق و مخلوق کا تعلق اِنسان کے باہمی تعلقات سے بالکل الگ ہے- اس میں کیا شک ہے کہ ہمارے مشاہدہ میں بہت سے لوگ ہیں جو خدا سے منکر ہیں- مگر ماں باپ کی عزت کرتے ہیں اور بہت سے لوگ والدین کے تو فرمان بردار ہیں- مگر بچوں پر ظلم کرتے ہیں- اس کے برعکس بعض بچوں پر جان فدا کرتے ہیں- مگر والدین کے سخت نافرمان ہوتے ہیں- اسی طرح بعض لوگ اپنی عیش پسندی کی وجہ سے والدین کے بھی نافرمان ہوتے ہیں اور اپنے بچوں سے بھی بے پروا الغرض یہ سب تعلقات الگ الگ ہیں- اس لئے ان کے ثمرات بھی جداگانہ ہیں- اہل علم کے نزدیک اس کی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ورنہ ہم بہت کچھ دکھاتے- پس آپ کا جبلت والدین میں تصور اِلٰہی کو داخل کرنا علم کی شان سے بعید ہے-

چونکہ پادری صاحب تصور اِلٰہی کو جبلت والدین میں داخل کرچکے ہیں- اس لئے اس کا جواب دینا ہمارے خیال میں مناسب ہے- گو ضروری نہیں- آپ لکھتے ہیں-

والدینی جبلت اور مسیحی اور تصور خدا:

مسیحیت کے دینِ فطرت ہونے کا یہ بین ثبوت ہے کہ ہم خدا کی ذات کا علم اس طور پر حاصل

کرسکتے ہیں۔ مسیحیت کی یہ تعلیم ہے کہ خدا بنی نوع اِنسان کا باپ ہے پس ہر اِنسان اپنی والدینی جبلت کے ذریعہ خدا کی ذات کا تصور قائم کرسکتا ہے۔ اور اپنے تجربہ کی بنا پر خدا کی محبت اور اس کے ایثار کا اندازہ کرسکتا ہے۔"----(صفحہ ۸۶)

مجیب: خدا کو اب یارب کہنے کی بحث کتاب ہذا میں صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۳۰ تک ہو چکی ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کو اب کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔ مزید تشریح کے لئے پادری صاحب کو ان کی کتاب دِین فطرت کے صفحہ ۴۵ پر توجہ دلائی جاتی ہے۔ جہاں انہوں نے اپنی کتاب مقدس پیدائش کی عبارت ادھوری نقل کی ہے اور ہم نے کتاب ہذا میں پوری نقل کرکے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا ہے۔ اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ہم واقعات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ اِنسان کی اولاد کی اکثریت ماں باپ کی قدر ناشناس ہے۔ کتاب مقدس تورات کا بیان بصورت پیش گوئی اس کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے کہ

مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا---(پیدائش باب ۲:۲۴)

عارف باللہ حافظ شیرازی نے اِنسانی اولاد کا نقشہ کیا اچھا بتایا ہے کہ۔ ؎

دختراں راہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسراں راہمہ بد خواہ پدرے بینم

بس اس مشاہدے اور کتاب مقدس کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو باپ ماننے سے باہمی اتصال حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے مسیحی تعلیم فطرت کے خلاف ہے اور پادری صاحب کا تصور خدا کو والدینی جبلت میں داخل کرنا تو بہت ہی غلط ہے آگے چل کر آپ نے مسیحی مذہب کے مقابلہ میں اِسلام کا ذکر یوں کیا ہے کہ

"اسلام میں اس قسم کا تصور نہیں پایا جاتا۔ قرآن کے مطابق خدا کی ذات محبت نہیں اس کے برعکس اللہ بے نیاز ہے (سورہ اخلاص ۲ بقرہ ۲۷، آل عمران ۹۲، نساء ۱۳ یونس ۶۹، حج ۲۶۵ وغیرہ) پس اللہ اور اِنسان میں رفاقت ناممکن ہے۔"----(صفحہ ۸۷)

مجیب: خدا کی بے نیازی کا ذکر اور اس اِعتراض کا جواب کتاب ہذا میں صفحہ ۹۱ پر درج ہو چکا ہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ پادری صاحب کا خیال کہاں تک ترقی کر گیا ہے آپ لکھتے ہیں

کہ:

خدا بنی نوع اِنسان کے ساتھ ابدی اور اٹل محبت رکھتا ہے۔ لہٰذا اپنی پدرانہ محبت اور پیار کی وجہ سے خدا اِنسان کی خاطر ہر قسم کا دکھ اور رنج برداشت کرتا ہے۔ والدین کی محبت کا ظہور اسی میں ہے۔۔۔۔ (صفحہ ۸۵)

مجیب: صفحہ ۸۴ کے اقتباس میں آپ نے یہ نتیجہ استخراج کیا تھا کہ

"لازم ہے کہ دین فطرت بچوں کو ان کی ذمہ داریوں کے متعلق آگاہ کرے۔"

اس کا جواب ہو چکا۔ اس اقتباس میں آپ خدا کی ذمہ داری اور اس وجہ سے اس کے دکھ اٹھانے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن آپ اس عقیدہ کی مضرت کا خیال نہیں کرتے۔ یہ عقیدہ بنی نوع اِنسان کو گمراہی میں کہاں تک ترقی دے سکتا ہے۔ اس لئے ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ اِسلام نے خالق اور مخلوق کے درمیان کسی ایسی نسبت یا تعلق کو پسند نہیں کیا جو اِنسانوں کی گمراہی کا سبب ہو سکے۔

قارئین!: پادری صاحب نے چونکہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا اِنسان کے لیئے دکھ اٹھاتا ہے اس لئے اس کی تشریح آپ نے مندرجہ ذیل فقرے میں یوں کی ہے جو پہلے سے عجیب تر ہے آپ فرماتے ہیں۔

"خدا کی پدرانہ شفقت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ جب ہم کمزور تھے تو عین وقت پر مسیح بے دینوں کی خاطر ہوا۔" ۔۔۔۔ (صفحہ ۹۰)

مجیب: جل جلالہ! یہ بیان دراصل مسئلہ کفارہ ہے جس کا جواب ہم کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات میں دے چکے ہیں۔ اِسی طرح آپ کا مندرجہ ذیل فقرہ بھی اہل انصاف کی توجہ کے قابل ہے جو آپ لکھتے ہیں کہ

"قرآنی تعلیم کے مطابق خدا کی ذات میں محبت اور ایثار نہیں۔ پس صرف مسیحیت کی تعلیم ہی فطرت کے مطابق ہے۔۔۔۔ (صفحہ ۹۰)

اللہ اللہ! کس قدر حق سے دشمنی ہے کہ قرآنی تعلیم کے مقابلہ میں دو دونے چار کا بھی اِنکار ہو رہا ہے۔ خدا کی محبت کا ذکر ہم کتاب ہذا کے صفحہ ۱۲۶، ۱۳۰ پر بالتفصیل کر چکے ہیں۔ یہاں پھر ایک آیت پیش کرتے ہیں۔ اِرشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ---- (پ۲:ع۱)

ترجمہ "خدا لوگوں کے حال پر بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔"

کیا ہی سچ ہے۔ ؎

تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری
تو معزی تو مذلی ملک ' العرش بجائی

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

جبلت والدینی اور مسیحی اور اِسلامی اخوت اِنسانی:

کلمتہ اللہ نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ چونکہ خدا ہمارا باپ ہے۔ لہٰذا کل بنی نوع اِنسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اخوت اِنسانی ابوت خداوندی کا لازمی اور منطقیانہ نتیجہ ہے آپ نے فرمایا "میرا حکم یہ ہے کہ جیسا میں نے تُم سے محبت رکھی تھی تُم بھی ایک دوسرے سے محبت رکھو۔" یوحنا ۱۲-۱۵' یوحنا ۴-۷' ۳-۱۳' ۲-۱۰ وغیرہ) جیسا تُم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو۔ اگر تُم اپنے محبت کرنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے۔ تُم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ اور ان کا بھلا کرو تو تم خدا تعالیٰ کے بیٹے ٹھہرو گے۔" (لوقا ۶-۳۱) کلمتہ اللہ کے اصول ابوت اِلٰہی اور اخوت و مساوات اِنسانی مسیحیت کو تمام ادیان عالم سے ممتاز کر دیتے ہیں اور حقیقی معنوں میں اس کو عالمگیر مذہب اور دِین فطرت بنا دیتے ہیں۔ نوع اِنسانی کے متعلق آپ (مسیح) کا نصب العین ایک خاندان کا نصب العین ہے۔ جس میں کل اقوام عالم کے تمام افراد ایک ہی خاندان کے متعلق کیئے گئے ہیں۔ پس کلمتہ اللہ نے والدینی جبلت کے ذریعہ خدا کی محبت اور ابوت اور اِنسانی اخوت و مساوات کے اصول کی حقیقت ہم پر منکشف کر دی۔ اِسلام میں اخوت اِنسانی کا اصول ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ قرآن میں ایک جگہ یہ دائر ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی ہیں (حجرات آیت ۱۰) اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اہل اِسلام کے ساتھ برادرانہ سلوک کریں۔ لیکن ان پر یہ فرض نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم سے محبت رکھیں۔ کیونکہ غیر مسلموں سے محبت کرنا قرآن میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ان کے برعکس ان کے ساتھ دشمنی

رکھنے اور لڑنے کے احکام قران میں بکثرت موجود ہیں۔ (مائدہ آیت ۵۶' ۶۲) ممتحنہ آیت ۹ وغیرہ وغیرہ' اہل اِسلام کو حکم ہے کہ یہودی شرع کی طرح اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو اور اپنے دشمن سے عداوت رکھو۔" یہاں تک کہ اِسلام نے دُنیا کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ ایک دارالسلام اور دوسرا دارالحرب اور مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا ہے۔ کہ غیر مسلموں کو قتل کریں۔ خواہ یہ بات مسلمانوں کو بری لگے۔"

(بلقر آیت ۲۱۴) ---- (صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۹۲)

اس مضمون کا جواب ہم کتاب ہذا میں گذشتہ صفحات پر دے آئے ہیں۔ وہیں آپ کے مندرجہ ذیل فقرے کا جواب بھی مذکور ہے کہ:

"اسلام میں اخوت' اِنسانی کا اصول ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔"

ہاں آپ کا یہ فقرہ واقعی قابل غور ہے۔

"کلمتہ اللہ کا نصب العین ایک خاندان کا نصب العین ہے۔ جس میں کل اقوام عالم کے تمام افراد ایک ہی خاندان سے متعلق کئے گئے ہیں۔" ---- (صفحہ ۹۳)

مجیب: ہمیں تعجب ہے کہ پادری صاحب قرآن مجید پر اِعتراض کرتے ہوئے قرآن سے بے خبر رہنے کے ساتھ انجیل سے بھی کیوں بے خبری کا ثبوت دیتے ہیں۔ سنئے!

اِنسانی برادری اور اخوت اِنسانی کی مفصل بحث ہم صفحہ ۲۲-۳۰ پر کر آئے ہیں یہاں اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں مسیحی تعلیم متعلقہ اخوت اِنسانی کا نمونہ دکھاتے ہیں۔

کلمتہ اللہ نے اپنے مخالفین کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ

"اے سانپوں کے بچوں کے بچو! تُم برے ہو کے کیونکر اچھی بات کہہ سکتے ہو۔"

---- (متی ۱۲: ۳۴)

اور سنئے! ایک کنعانی عورت کی تلاش دُعا پر مسیح نے فرمایا۔

"مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں [1] کو پھینک دیں۔" ---- (متی ۱۵: ۲۶)

[1] غیر بنی اسرائیل کو۔ ۱۲ منہ

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول پادری صاحب مسیحی مذہب میں تثلیث کی طرح اِنسانی برادری کے بھی تین اقنوم (اصناف) ہیں۔ ایک آدم زاد' دوسرے سانپوں کے بچے اور تیسرے کتوں کے بچے۔ بس بقول پادری صاحب یہ تینوں اصناف اِنسانی برادری میں داخل ہیں۔ معاف فرمایئے قرآن مجید ان تینوں گروہوں کو اِنسانی برادری میں شمار نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اِنسانی برادری کے متعلق یوں اِرشاد فرماتا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ---- (پ ۲۶:ع ۱۴)

ترجمہ (اے لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ آدم اور حوا کی اولاد ہو)

ليس لعربى على عجمى فضل كلكم بنو ادم وادم من التراب (الحدیث)

ترجمہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں تُم سب اِنسان آدم کے بیٹے ہو۔ اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔

آگے چل کر صفحہ ۹۳ پر پادری صاحب نے جہاد سے متعلق چند احادیث پر اِعتراض کیا ہے۔ مسئلہ جہاد کی تفصیلی بحث کتاب ہذا میں گذشتہ صفحات پر گزر چکی ہے۔ آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"جبلت والدینی" اور مسیحی اور اِسلامی فضائل:

"ولادینی جبلت کے ساتھ وہ تمام لطیف جذبات وابستہ ہیں جن پر مسیحی تعلیم زور دیتی ہے۔ چنانچہ کلمۃ اللہ کی تعلیم میں دل کی غریبی' حلم' رحم' صبر' صلح' پاکیزگی' محبت' ایثار نفسی' خود فراموشی وغیرہ کو افضل جگہ دی گئی ہے اور یہ نسوانی فضائل شمار کی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اِسلام نے ہمیشہ مردانگی' شجاعت' جنگ' جہاد' حکومت' سیاست غنیمت' قصاص وغیرہ پر زور دیا ہے جو مردانہ فضائل ہیں۔ والدین جبلت کا تعلق نسوانی فضائل' نازک' جذبات اور لطیف خیالات کے ساتھ ہے۔ لیکن مردانہ فضائل نازک اور لطیف جذبات کو ٹھکراتی ہیں۔ پس اس پہلو سے بھی اِسلام کی نسبت مسیحیت کا تعلق والدینی جبلت اور اِنسانی فطرت کے ساتھ زیادہ قریب ہے۔" ----- (صفحہ ۹۴)

مجیب: معلوم نہیں پادری صاحب جبلت والدینی کو کہاں تک کھینچ کر اپنی کتاب کو طول دیتے جائیں گے۔ ان سب باتوں کے جوابات اگرچہ اس سے پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ تاہم یہاں بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں قرآن کریم ایک حکیمانہ کتاب ہے اور ہر چیز اور ہر کام میں اعتدال رکھنا حکمت کا اصول ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" ہر کام میں اعتدال رکھا کرو کیونکہ اعتدال ہی تقویٰ کے درجے تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے)

دُنیا میں کوئی قوم حاکم ہوتی ہے اور کوئی رعایا۔ اس کے علاوہ مختلف قوموں کی ایک دوسرے سے لڑائی بھی ہو جاتی ہے اس لئے جہاد کا حکم دے کر اس کا بوجھ مردوں کے کندھوں پر ڈالا گیا جو اس کو برداشت کر سکیں۔ باوجود اس کے رحم، معافی، صبر وغیرہ سب اوصاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

(۱) وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (پ۴:ع۵)

(۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (پ۲۵:ع۵)

(۳) وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ---- (پ۵:ع۱۶)

(۴) يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ۲۸:ع۴)

(۵) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِ الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا (پ۵:ع۳)

۱۔ مومن وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں۔ اللہ نیکو کار بندوں کو دوست رکھتا ہے۔

۲- جو صبر کرے اور بخش دے تو بے شک یہ بات پختہ ہے۔

۳- صلح سب سے اچھی چیز ہے۔

۴- ایمان دار لوگ اپنی حاجت کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔

۵- اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور آس پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور پہلو میں بیٹھنے والے رفیق اور مسافر اور لونڈی غلام کے ساتھ (نیکی کرتے رہو) بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور شیخی مارنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

ان آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں۔ جن میں نہایت خوبی سے اخلاق حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے جو کسی سے مخفی نہیں اس کے باوجود پادری صاحب اگر قرآن پر اِعتراض کریں تو کہا جائے گا۔ ؎

گل است سعدی ودر چشم دشمنان خاراست

آگے چل کر پادری صاحب نے ایک عنوان بالفاظ جبلت "والدینی اور غصہ" قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے ماتحت آپ نے کوئی بات قابل اِعتراض نہیں کہی تاہم اس کے متعلق ہم قارئین کو آیت "وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ" کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

آگے چل کر آپ نے ذیلی عنوان یوں رکھا ہے "جبلت والدینی اور ایثار نفسی" اس عنوان کے ماتحت بھی آپ نے کوئی نئی بات نہیں بتائی۔ صرف حیوانوں، بچوں اور بے کسوں وغیرہ پر رحم کرنا جبلت والدینی پر متفرع قرار دیا ہے۔ اس کا جواب کتاب ہذا کے پچھلے صفوں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ صفحہ ۲۲۴ پر ملاحظہ ہو۔

آگے چل کر ایک سرخی یوں لکھتے ہیں۔ "مسیحی اور اِسلامی ایثار" اس سرخی کے نیچے آپ نے پھر وہی باتیں دہرائی ہیں۔ جن کا جواب پہلے کئی دفعہ ہو چکا ہے۔ اس عنوان کے ماتحت جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ وہ آپ ہی کے الفاظ میں درج ہے۔

دین فطرت کا کام یہ ہے کہ والدین جبلت کے میدان عمل کو وسیع کردے اور اس باب میں مسیحیت کو کل ادیان عالم پر فوقیت حاصل ہے۔ بچوں، بے کسوں مظلوموں، محتاجوں، بے یارو مددگار لوگوں کی خاطر اپنی خودی اور انانیت کو دبانا اور ان کی خاطر ہر طرح کی ایثار نفسی کو کام

میں لانا مسیحیت کا جزو اعظم ہے۔۔۔۔(مرقس ۸-۳۵)

ایک دفعہ ایک دولت مند شخص کلمتہ اللہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ "اے استاد میں کونسی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟" آپ نے جواب میں فرمایا "اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے تجھ کو آسمان پر خزانہ ملے گا۔" (متی ۹۱-۲۲' ۹۶-۹۷)

مجیب: **اس اقتباس کے پہلے حصے کا جواب ہماری پیش کردہ آیات میں کافی ملتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور آیت پیش کرتے ہیں۔ جن کے الفاظ بہت وسیع المعنی ہیں۔ ارشاد ہے۔**

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ --- (پ۲۸:پ۴)

ترجمہ جو لوگ اپنے نفس کی شح یعنی غصہ حد وغیرہ نفسانی اوصاف سے بچ جائیں۔ وہی لوگ نجات پانے والے ہوں گے۔

مالدار کے قصہ کا جواب پہلے صفحات پر ہو چکا ہے۔ آگے چل کر آپ نے ایک عجیب بات کہی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"جبلت والدینی کے میدان عمل کے وسعت کے مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ لازم ہے کہ اس بات کی جانچ پڑتال کی جائے کہ خیرات کا صحیح مصرف کیا ہے؟ اور کون اس کے مستحق ہیں۔ قرآن اس معاملہ میں ایک نرالی تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ زکوۃ کا مال ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل لالچ دے کر "اسلام کی جانب راغب کرنے منظور ہیں۔ (سورۃ توبہ آیت ۶۰) اور خیرات کا مال جہاد کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے ہے کیا لالچ دے کر مسلمان بنانا اور دشمنوں پر جہاد کرنے کے لئے خرچ کرنا خیرات کو صرف کرنے کا اچھا طریقہ ہے؟ ہر صحیح العقل شخص اس کا جواب نفی میں دے گا۔ اس کے برعکس انجیل میں وارد ہوا ہے اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے روٹی کھانے کو دے پیاسا ہے تو اسے پانی پینے کو دے۔" (روم ۱۲-۲۰) قرآن کہتا ہے کہ خیرات کے مال سے دشمنوں کا قلع قمع کر دے۔ انجیل کہتی ہے کہ خیرات کے مال سے بھوکے پیاسے دشمن جان تک کا پیٹ پال۔ قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کونسا مذہب جبلت والدین کے میدان عمل کو وسعت دیتا ہے۔" ۔۔۔(صفحہ ۹۹)

مجیب: اگر ہم نے قرآن مجید کی روشنی میں فطرت اِنسانی کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو ہمیں پادری صاحب کے ایسے اِعتراضات پر بہت تعجب ہوتا۔ لیکن اب یہ نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہوا ہے کہ ضد اور دشمنی اِنسان سے بہت سی غلط کاریاں کرا دیتی ہے۔ سنئے! جہاد کا فعل چونکہ انبیاء علیہم السلام کی سُنت ہے اور دُنیا کا انتظام بھی اسی پر موقوف ہے اس لئے اس فعل کے اچھا ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کی تفصیل صفحہ گذشتہ صفحات پر درج ہو چکی ہے۔ جہاد کرنے والے بعض دفعہ مالی حیثیت سے کمزور ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو خیرات و زکوۃ کے مال سے سامان جنگ بہم پہنچانا۔ یا ان کی ضروریات میں مدد دینا بلاشبہ نیکی کا کام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کی تعلیم و تربیت کرنا یقیناً نیک کام ہے۔ اسی لئے اس کی تعلیم و تربیت میں جن چیزوں کی ضرورت ہو۔ مثلاً سامان از قسم خوراک و پوشاک وغیرہ مہیا کرنا نیکی میں داخل ہے۔

یہ جواب ہم نے علی وجہ التسلیم دیا ہے ورنہ قرآن شریف میں مصارف زکوۃ کے بیان میں خاص جہاد کا ذکر نہیں ہے بلکہ عام حکم ہے کہ فی سبیل اللہ (ہر ایک نیک کام میں زکوۃ کا مال خرچ کرو۔ جہاد بھی ایک نیک کام ہے۔ اس لئے اس میں بھی خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ ساری آیت یوں ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

(پ۱۰،ع۱۴)

ترجمہ سوائے اس کے نہیں کہ صدقات محتاجوں کا حق ہے اور مسکینوں کا اور صدقات وصول کرنے والوں کا اور ان کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے۔ نیز غلام آزاد کرنے میں اور قرضداروں کے لئے اور راہ خدا میں اور مسافروں کی امداد میں (خرچ کئے جائیں)

اس آیت کا میدان کتنا وسیع ہے۔ کوئی لفظ اس میں ایسا نہیں ہے جو مساکین اور غربا میں کفر و اِسلام کی تمیز کرتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو بھی مسکین اور غریب ہو اس کو زکوۃ میں سے حصہ دے سکتے ہو۔ ہاں آپ نے مولفتہ القلوب کے معنی سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔

حالانکہ آپ کا تبلیغی مشن اسی روش پر چل رہا ہے۔ ہر شہر اور ہر قریہ میں عیسائی مشن میں یہ طریقہ جاری ہے کہ زیر تبلیغ غرباء کی امداد کی جاتی ہے۔ ہم اس پر کوئی اِعتراض نہیں کرتے۔ مولفہ القلوب کے معنی ہیں۔ زیر تبلیغ لوگ یعنی جن کو مذہب کی خوبیاں بتائی جائیں اور وہ ان خوبیوں کو تسلیم کرکے اپنی ضروریات کو قبولیت مذہب میں مانع کے طور پر پیش کریں۔ ان کی مالی امداد کرنا ہر ایک مذہب بلکہ عام اِنسانیت کا بھی تقاضا ہے۔

ایک صحیح واقعہ: ایک روز میں اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی حاجی نور احمد صاحب سوداگر دہلی بارہ ہندو راؤ کے مکان میں بطور مہمان ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک پادری صاحب آگئے جو اِسلام کو ترک کرچکے تھے۔ ان سے گفتگو ہوئی جب ان کے بشرہ پر قبولیت اِسلام کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے پوچھا کہ اب مانع کیا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے اپنی ضروریات پیش کیں۔ ہم نے کہا انشاء اللہ پوری ہو جائیں گی۔ اس پر کہنے لگے کہ مجھے اتنی بات سے تسلی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ میرے نام پر کسی معقول کرایہ والے مکان کے کرایہ کی رجسٹری کرائی جائے۔ یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ "وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا" بتایئے' ایسے اصحاب کی امداد کس طرح ناجائز ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید نے زکوۃ کے مال میں ایسے ہی مولفہ القلوب کا حصہ رکھا ہے اور قرآن کا یہ حکم حسن انتظام پر مبنی ہے جو کسی طرح محل اِعتراض نہیں ہوسکا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید دشمنوں کو بھی کھانا کھلانے کا حکم دیتا ہے۔ آیت ذیل غور سے پڑھیے۔

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًاوَّ اَسِيْرًا -- (پ۲۹:ع۱۹)

ترجمہ "مومن وہ ہیں جو اللہ کی محبت سے ہر قسم کے مسکینوں یتیموں بلکہ قیدیوں کو بھی کھانا کھلاتے ہیں۔ چاہے وہ بدکار اور بد معاش ہوں۔"

اس سے زیادہ ہم اور کیا بتائیں۔ ؎

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

آگے چل کر پادری صاحب نے یہ عجیب بات کہی ہے کہ

یتیموں' بے کسوں' وغیرہ کے متعلق جو محرکات مسیحی مذہب میں ہیں وہ اِسلام میں نہیں ہیں۔ کیونکہ اِسلام تقدیر کا قائل ہے۔۔۔۔۔(صفحہ ۱۰۰)

مسئلہ تقدیر بجائے خود صحیح ہے اور یہ علم الٰہی کا دوسرا نام ہے- قرآن اور اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ احسان اور مروت سے مانع نہیں ہے تاہم پادری صاحب بقول "تو مان نہ مان میں تیرا مہمان" قرآن اور مومنین قرآن کو الٹی تلقین کرتے ہیں کہ تم اس کو مانع خیرات سمجھو- ہم پادری صاحب کی یہ تلقین کسی طرح گوارہ نہیں کرسکتے- اس لئے (Return with thanks) کہہ کر شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہیں- اس بحث کے اخیر میں بطور نتیجہ آپ لکھتے ہیں-

"اس فصل میں جبلت والدینی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے اور جس پہلو سے اسلام پر نگاہ کی ہے- وہ دین فطرت نظر نہیں آتا-" ---- (صفحہ ۱۰۲)

مجیب: بے شک! آپ کے اس بیان کی تصدیق قرآن مجید میں آچکی ہے- غور سے سنئے اور تدبر سے پڑھئے ارشاد ہے-

إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ---- (پ۱۵:ع۵)

ترجمہ اے پیغمبر! جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تمہاری قرات اور منکرین کے درمیان ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں-

غالب مرحوم نے سچ کہا ہے- ؎

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

اس سے آگے پادری صاحب نے صفحہ ۱۰۳ پر فصل پنجم کا عنوان دے کر "جنگ جوئی کی جبلت کی ضمنی سرخی لکھی ہے- اس کے نیچے آپ نے بہت طویل تمہید پر وقت خرچ کیا ہے- خدا کا شکر ہے کہ بانئ فطرت کے تصرف سے آپ کے قلم سے یہ فقرہ بھی نکل گیا ہے کہ

"اگر غصے کا مقصد نیک ہو گا تو غصہ جائز ہو گا- اگر اس کا مقصد منشائے الٰہی کے خلاف ہو گا تو غصہ ناجائز اور ممنوع ہو گا اور مسیحیت جائز غصے کے خلاف نہیں-" ---- (صفحہ ۱۰۷)

اس تمہید کے بعد آپ نے اصل مطلب پر آنے کو ایک سرخی یوں لکھی ہے-

"غصے کی جبلت اور قصاص": اس سرخی کے نیچے آپ لکھتے ہیں۔

"اس قسم کے غصہ میں اور انتقام کے غصہ میں بعد المشرقین ہے۔ انجیل جلیل میں بدلہ قصاص اور انتقام کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ کلمتہ اللہ نے فرمایا' تُم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تُم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔" (متی ۵-۳۸) اگر تُم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے گناہ معاف کرے گا۔" ---(۱۰۸' ۱۰۹)

مجیب: قصاص کا ذکر کتاب ہذا میں آچکا ہے۔ قصاص کے معنی ہیں کسی قاتل کو فعل قتل یا ارادہ قتل کی سزا دینا۔ یہ سزا تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ اور دفعہ ۳۰۷ کے ماتحت آتی ہے۔ حیرانی ہے کہ پادری صاحب قرآن مجید کے ایسے حکم پر بھی اِعتراض کرتے ہیں جو آجکل کل دُنیا کے ممالک متمدنہ میں مسلم بلکہ جاری ہے۔ اس کے برخلاف قاتل اور ضارب کے حق میں انجیل کا حکم پیش کرتے ہیں۔ جس پر نی زمانہ کوئی حکومت کوئی قوم بلکہ کوئی شخص عمل نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود پادری صاحب دِین مسیحی کو عالمگیر کہتے ہیں۔ چہ خوش حالانکہ دُنیا میں عمل درآمد اس کے خلاف ہے۔ پھر بھی مسیحیت کی عالمگیری کا دعویٰ ہے۔ اس کے بعد آپ نے لکھا ہے کہ

"مسیح نے اپنی زندگی اور نمونے سے دشمنوں کو معاف کرنے کا سبق سکھایا حتیٰ کہ جب آپ کے خون کے پیاسے آپ کو مصلوب کر رہے ہیں آپ نے ان کو اس جان کنی کی حالت میں بھی دُعا خیر دی اور کہا کہ اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں۔" ---(صفحہ ۱۰۹)

مجیب: پادری صاحب واقعات محمدیہ اور واقعات مسیحیہ کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے مسیح کو دشمنوں نے ستایا اور آپ نے ان کو ایسے وقت میں معاف کیا۔ جب کہ آپ بدلہ نہیں لے سکتے تھے۔ مگر رسول عربی نے اپنے ظالم دشمنوں کو فتح مکہ کے روز ایسی حالت میں معاف کیا۔ جب کہ آپ ابروئے چشم کے ایک اشارہ سے سب کا قتل عام کرا سکتے تھے اس

موقع پر آپ کے فرمودہ الفاظ بھی قابل شنید ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (پ ۱۳:ع ۴)

ترجمہ جاؤ تم پر کوئی خفگی نہیں خدا تم سب کو معاف کرے۔

پادری صاحب ذرا انصاف سے اس فارسی شعر کے معنی بتائیے۔ ؎

تواضع زگردن فرازان نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

اللہ اکبر! کیسا حلم ہے اور کیسی برداشت ہے کہ دُنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ پادری صاحب کا یہ فقرہ بھی بہت ہی قابل غور ہے کہ۔

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ جوں جوں اِنسان اور اقوام ترقی کی طرف گامزن ہوتے جاتے ہیں۔ ان میں ضبط کی قوت بڑھتی اور قصاص کا مادہ زائل ہوتا جاتا ہے۔۔۔۔ (صفحہ ۱۱۲)

مجیب: کیا پادری صاحب واقعات زمانہ سے اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اقوام دُنیا میں ضبط اور برداشت کی قوت بڑھ گئی ہے۔ جنگ یورپ وایشیا وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر جواب دیجئے گا۔ قصاص تو ایک قانونی مسئلہ ہے جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ اسی پر دُنیا کا امن و امان موقوف ہے۔ ورنہ جاہلوں کے ہاتھوں سے یسوع مسیح کی طرح نہ کوئی پادری بچ سکتا ہے نہ مولوی اور نہ پنڈت نہ راہب۔ آپ نے جوش تعصب میں انفرادی اور سیاسی احکام میں فرق نہیں کیا۔ قصاص ایک سیاسی حکم ہے۔ جس میں حکومت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ کسی قانون دان سے پوچھ لیجئے کہ قتل بلکہ حملہ قاتلانہ کے مقدمہ میں بھی سرکار مستغیث ہوتی ہے۔ اس میں معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پادری صاحب!: اگر آپ کسی مقام کے تھانیدار ہوں تو آپ واقعہ قتل کی تفتیش کرکے ملزم کا چالان کریں گے۔ یا انجیل کی تعلیم کے ماتحت اس ظالمانہ کیس کو خورد برد کردیں گے۔ (خدا کرے ہم آپ کو تھانیدار دیکھیں)

مسئلہ ضبط و صبر کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے۔ جہاں تک کسی کی ذات خاص کا تعلق ہے تو وہ بے شک صحیح ہے۔ ہاں آپ نے جو زبانی دعویٰ کیا ہے۔ قرآن مجید ایماندار لوگوں کے حق میں اس سے زیادہ کہتا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہے۔

وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ---- (پ ۲۵ : ع ۵)

ترجمہ "کامل ایمان دار اور مہذب لوگ وہ ہیں کہ جب ان کو غصہ آئے تو غصہ دلانے والے شخص کو معاف کر دیتے ہیں۔"

افسوس ہے کہ آپ کو یہ آیت نہ ملی۔ ہم یہ بات مکرر آپ کے نوٹس میں لاتے ہیں کہ شخصی اور جماعتی حقوق میں فرق ملحوظ رکھنے کو شیخ سعدی کی یہ نصیحت یاد رکھیں۔ ؎

اگر یک سواری رہ خویش گیر
اگر پائے بندی رضا پیش گیر

اخیر میں آپ کا یہ نتیجہ بھی سامنے رکھتا ہوں کہ

قرآن کی قرآنی تعلیم ثابت کرتی ہے کہ اسلام اور حقیقت دین فطرت نہیں اور محبت کی انجیلی تعلیم ہی دراصل فطرت کے مطابق --- (صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳)

مجیب: ہم نے اپنے گزشتہ جوابات سے ثابت کردیا ہے کہ قرآن مجید ہی دراصل بانئ فطرت کا کلام ہے۔ جو حسب ضرورت معافی اور حسب موقع قصاص اور انتقام کا حکم دیتا ہے تاکہ دنیا میں امن و امان قائم رہے اور بہرصورت معاف کرنے اور درگزر کرنے کی حالت میں شیخ سعدی جیسے تجربہ کار اخلاق نویس کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔

آگے چل کر صفحہ ۱۲۵ پر پادری صاحب نے یہ سرخی دی ہے۔

استفسار کی جبلت: اس سرخی کے نیچے پادری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے ہمیں بے حد صدمہ ہوا۔ اس لئے نہیں کہ قرآن مجید پر بے جا اعتراضات کئے گئے ہیں بلکہ اس لئے کہ پادری صاحب نے رکیک اعتراضات کرکے نہ صرف اپنی قابلیت کو دھبہ لگایا ہے۔ بلکہ اعمال نامہ کو بھی اغلاط سے پر کیا ہے۔ آپ کا یہ فعل ہم نے اس رباعی کے ماتحت پایا ہے۔ ؎

یکے بر سر شاخ بن مے برید — خداوند بستان نگاہ کردو دید
بگفتا کہ ایں شخص بدمے کند — نہ بامن کہ بانفس خود مے کند

پادری صاحب نے مذکورہ عنوان کے ماتحت بطور تمہید جو کچھ لکھا ہے وہ بالاجمال چند نمبروں میں یہ ہے کہ

۱- اِنسانی فطرت میں یہ ایک طبعی میلان ہے کہ جس چیز کو نہیں جانتا اس کی نسبت استفسار کرتا ہے۔ یہ جبلت (استفسار کی عادت) عقلی قوت اور ذہنی مساعی سرچشمہ ہو جاتی ہے----(صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶)۔

یہ اقتباس ہمیں بھی مسلم ہے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

۲- اس جبلت (عادت استفسار) کو سائنس اور مذہب دونوں کی ایک اصل اور جڑ تصور کرنا چاہئے۔ پس ظاہر ہے کہ جس مذہب میں عقل کو یہ جابرانہ حکم دیا جاتا ہے کہ تُم ہمارے معاملات میں دخل نہ دو۔ ایسا مذہب فطرت کے خلاف ہوتا ہے۔----(صفحہ ۱۲۷)اس پر بھی ہمارا صاد ہے۔ آگے چل کرپادری صاحب لکھتے ہیں۔

۳- چونکہ مذہب کا تعلق عالم روحانیت سے ہے لہٰذا لازم ہے کہ ہم دِین فطرت کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل کرسکیں۔ پس دِین فطرت کے اصول ایسے ہونے چاہیں جن کو عقل سلیم نہ صرف قبول کرسکے بلکہ جبلت تجسّس کو کام میں لاکران اصول کا اطلاق مختلف ممالک واقوام کے مختلف حالات پر کرسکے۔"----(صفحہ ۱۲۸)

نکوئی بابداں کردن چناں است
کہ بد کر دن بجائے نیک مرداں

آگے چل کر آپ نے صفحہ ۱۱۳ پر ایک سرخی یوں قائم کی ہے

"لڑاکا پن کی جبلت اور جہاد کی تعلیم"

اس کے ماتحت صفحہ ۱۲۴ تک آپ نے بڑے کمزور لفظوں میں اِسلامی جہاد کا ذکر کیا ہے ہم خدا لگتی کہنے سے نہیں رک سکتے کہ اِسلام میں جہاد ہے اور یہی اس کی روح ہے۔ کیونکہ اِسلام دُنیا سے برائی کی بیخ کنی کرنے کے لئے دو طرح کی تعلیم دیتا ہے اول وعظ و نصیحت سے دوم سیاست اور حکومت سے۔ اس دوسری چیز کا دار و مدار جہاد پر ہے۔ آپ کو یقین نہ ہو تو یورپ کی تاریخ پڑھ لیجئے اور گزشتہ جنگ عظیم اور آجکل ۱۹۴۰ء، ۱۹۴۱ء کی جنگ عظیم پر غور کیجئے۔ مسئلہ جہاد کی تفصیل کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات پر ہوچکی ہے۔ اس موقع پر ہم

معزز معاصر ترجمان القرآن۔" کے الفاظ متعلقہ اِسلامی جہاد بطور تائید نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"خلق خدا کی اِصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستے سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو' وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کیا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اِختیارات پر قبضہ کر کے زبردستی زنا کو بند کر دیا جائے تو لوگ خود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اِختیار کر لیں گے۔ شراب' جوا' سود' رشوت' فحش تماشے' بے حیائی کے لباس' بد اخلاق بنانے والی تعلیم اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور کی جا سکتی ہیں۔"----

(ترجمان القرآن لاہور خطبات نمبر ۲۳۰)

اس عبارت کی بھی ہم تصدیق کرتے ہیں۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

۴۔ کلمتہ اللہ (مسیح) نے دنیائے اخلاق کو ایک تنگ و تاریک چاہ سے نکالا۔ جہاں اخلاقیات کے اصول زمان و مکان کے قیود میں جکڑے ہوئے تھے اور شریعت اور رسوم اور فقہ کے بھاری بوجھ تلے دب کر دم دے رہے تھے۔ ابن اللہ نے اپنے مسیحائی دم سے اس نیم مردہ میں روح پھونک دی اور اس کو اس قابل بنا دیا کہ عالمگیر ہو کر تمام دُنیا پر تا ابد حکمرانی کریں----(صفحہ ۱۲۹)

اس سے آگے آپ نے جو خط لکھا ہے وہ قابل غور ہے کہ

۵۔ کلمتہ اللہ (مسیح) نہ صرف خود جبلت تجسّس و استفسار کو کام میں لاتے تھے۔ بلکہ یہ آپ کی عین خواہش تھی کہ آپ کے حوارئین اور سامعین بھی اس خداداد جبلت کو کام میں لائیں---(صفحہ ۱۳۰)

مجیب: یہ فقرہ واقعات کے صریح خلاف ہے پادری صاحب مسیحی مذہب کی تائید میں ایسے مشغول ہیں کہ ان کو اپنے گھر کے واقعات کی بھی خبر نہیں رہتی۔ سنئے! ہم ایک صحیح واقع پیش کرتے ہیں۔ اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ انجیل متی کے الفاظ ہیں۔

"بعض فقیہوں اور فریسیوں نے کہا کہ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس (مسیح) نے جواب دیا اور کہا کہ اس زمانے کے بدکار اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا۔" ---(انجیل متی باب ۱۲: ۳۹)

یہ صریح عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یسوع مسیح نے خود یا انجیل نویسیوں نے جبلت استفسار کی خوب مٹی پلید کی تا کہ اس کے بعد کوئی شریف آدمی سوال ہی نہ کر سکے۔ اگر کرے تو بد اور حرامکار ٹھہرے۔ استاد ذوق نے اپنے معشوق کا گلہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

وہ کہیں کون ہے چتون پہ ہماری مفتوں میں کہوں میں تو کہیں میں کی چھری گردن پر

یہی کیفیت اس مسیحی جواب کی ہے جس میں جواب دینے سے اِنکار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی سائلین کو بدکاری کا ڈپلومہ بھی عطا کیا گیا ہے۔

پادری صاحب! آپ نے سکول یا کالج میں کبھی کسی استاد مکرم سے اپنے حق میں ایسے الفاظ سنے ہیں۔ اچھا اگر کبھی سن پائیں تو ایسے استاد کے متعلق اخلاقی حیثیت سے کیا رائے قائم کریں گے اور کیا کہیں گے۔ یہی نا کہ۔ ؎

تمہیں کہو یہ انداز گفتگو کیا ہے

یہ انجیلی جواب اپنے اندر جو تلخی رکھتا ہے وہ جامع مسجد دہلی کے کبابوں سے بھی زیادہ ہے۔ قارئین! ایسا جواب دینے والے استاد کی نسبت یہ کہنا کہ اس میں استفساری جبلت کو کام میں لانے کی بڑی خواہش تھی۔ کہاں تک ٹھیک ہو سکتا ہے۔

پادری صاحب! میں آپ کے مندرجہ ذیل فقرات کو پڑھ کر بہت متحیر ہوا ہوں۔ آپ علم کلام کے قواعد کو اپنے کلام میں کیوں ملحوظ نہیں رکھتے۔ مثلاً۔

"منجی عالمین نے فرمایا کہ راہ حق اور زندگی میں ہوں (یو ۱۴: ۶) ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں اور جو کلام تو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے ان کو پہنچا دیا اور انہوں نے قبول کر لیا اور سچ جان لیا۔"

(دین فطرت صفحہ ۳۰ بحوالہ یوحنا باب ۱۷)

مجیب: فرمائے اس قسم کے فقرات کو جبلت استفسار سے کیا تعلق ہے؟ یا یونہی کتاب کے صفحات کی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں۔ ہاں میں اس فقرے سے بہت خوش ہوں

اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسیح کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا۔

لا إله الا الله عيسى رسول الله ❶

یہ بات بالکل صحیح اور درست ہے۔"اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ"

مذکورہ اقتباس سے بھی عجیب تر مندرجہ ذیل فقرات ہیں۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"کتاب مقدس جبلت تجسّس کے استعمال پر جا بجا زور دیتی ہے اور اس کے نیک نتائج سے ہم کو آگاہ کرتی ہے۔ مثلاً ہم خدا کے گھر میں داخل ہوں تو وہ اپنی راہیں ہم کو بتائے گا (یسعیا ۲-۳) جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہے۔ اسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی۔" (۱۱-۱۹) خداوند فرماتا ہے جو فخر کرتا ہے۔اس پر فخر کرے کہ وہ سمجھتا اور مجھے جانتا ہے کہ میں ہی خداوند ہوں جو دُنیا میں شفقت و عدل اور راستبازی کو عمل میں لاتا ہوں۔" (یر ۹-۲۴) اہل دانش نور فلک کی مانند چمکیں گے اور وہ جن کی کوشش ہے۔بہتیرے صادق ہوگئے ہیں۔ستاروں کی مانند۔ابد الاباد تک روشن ہوں گے۔"----(دانی ۱۲-۱۳ صفحہ ۱۳۱)

مجیب: بتائے کہ ان فقرات میں بھی جبلت استفسار کے متعلق کوئی تعلیم ہے؟ پھر ان کو اس جبلت میں کیوں داخل کیا ہے؟ اس سے زیادہ دِل خوش کن فقرہ یہ ہے کہ

"مسیحی عقائد پر نظر کرو تو ان کو عقل کے تقاضاؤں کے مطابق پاؤ گے۔"----(صفحہ ۱۳۴)

یہ فقرہ تو غالباً آپ کے قلم سے سہوا نکل گیا اگر ہوشیاری اور بیداری کی حالت میں لکھا ہوتا تو پہلے فقرات کے خلاف نہ ہوتا۔جن کی تفصیل الوہیت مسیح کے ذکر میں ہو چکی ہے۔ جہاں اور حضرات کے اقوال نقل کئے گئے ہیں کہ تجسّم مسیح کا عقیدہ اِنسانی عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ قارئین! ذرا ورق الٹ کر ملاحظہ کریں۔ باوجود اس اسقام کلامیہ کے پادری صاحب کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ:

"سطور بالا سے روشن ہوگیا ہوگا کہ مسیحیت جبلت استفسار کے اقتضاؤں کو بطرز احسن پورا کرتی ہے۔"----(صفحہ ۱۳۶)

❶ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔عیسیٰ اس کا پیغمبر ہے۔

لیجئے ہم بھی آپ کو خوش کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ مسیحیت استفسار کو بہت اچھی طرح دفن کرتی ہے اور پتہ بھی نہیں دیتی کہ اس کا مدفن کہاں ہے "الی اللہ المشتکی" اس کے بعد پادری صاحب قرآن پر حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

جبلت تجسس اور قرآن کی تعلیم:

"چونکہ اِسلام میں تمام باتوں اور سوالوں کے فیصلوں کا دار و مدار "قال اللہ" اور "قال الرسول" پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اِسلام میں سرے سے یہ صلاحیت ہی موجود نہیں کہ اس میں تجسس و استفسار کی جبلت نشوونما پا سکے یا اس کا میدان عمل وسیع ہو سکے۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے کہ "جس بات کا تجھے علم نہیں۔ اس کے درپے مت ہو۔ بے شک کان اور آنکھ اور دِل کی پرشش ہوگی۔ زمین پر اتراتا ہوا نہ چل۔ نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے۔ نہ پہاڑ کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے۔ ان سب باتوں کی برائی تیرے رب کو ناپسند ہے۔" (بنی اسرائیل ۳۸ تا ۴۰) پس قرآن جبلت استفسار کے تقاضاؤں کے خلاف۔" ---- (صفحہ ۱۳۶)

مجیب: آہ تعصب! تیرا ستیاناس! قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر "یسئلونک سالک" اور "سال سائل" وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ جن کے معنی ہیں۔ اے پیغمبر! لوگ تم سے سوال کرتے ہیں اور تُم ان کو یہ جواب دے دو۔ یہ آیات بصراحت تمام عادت استفسار کی تعلیم کو ترقی دے رہی ہے۔ جب امت کو پیغمبرِ اسلام سے پوچھنے کا حق حاصل تھا تو علماء سے پوچھنے کا حق کیوں نہ ہوگا۔ پادری صاحب نے کیا ظلم کیا ہے کہ قرآن مجید کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کو الٹی چھری سے ذبح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی وہ فقرات جو عبارت منقولہ میں درج ہیں۔ جن پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے۔ آپ نے ان کو خواہ مخواہ اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا ہے۔

پادری صاحب!: مَیں سچ کہتا ہوں کہ مجھے آپ کے کسی حملے پر اتنا رنج نہیں ہوا جتنا اس موقع پر ہوا اس لئے نہیں کہ آپ کے اس حملہ سے اِسلام کو نقصان پہنچا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ آپ ایک مسلم خاندان کی اولاد ہو کر قرآن مجید سے ناواقفیت کا اتنا ثبوت دیتے ہیں۔ جتنا کہ کوئی برہمن لحم البقر کے بھاؤ سے بھی نہ دے گا۔ سنئے!

قرآن مجید کی جس آیت پر آپ نے اعتراض کیا ہے۔

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ---- (پ۱۵:ع۴)

بد اخلاقی کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ آدمی ہر سنی سنائی بات کو آگے کہہ دیتا ہے۔ جن کے متعلق اس کو یقینی علم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ عدالتوں میں ایسی ہی حلفیہ شہادتیں بھی دے آتے ہیں اور بسا اوقات کسی غیر معتبر آدمی کے کہنے پر کہ فلاں شخص تم کو برا بھلا کہتا تھا۔ لال پیلے ہو کر خون خرابہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ بے ثبوت سنی سنائی باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ پس اس خرابی کے سد باب کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ جس بات کا تم کو یقینی علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کیا کرو بلکہ اس کو سننا بھی گوارا نہ کرو۔ اسی لئے فرمایا کہ۔

تمہارے کان، آنکھ اور دل وغیرہ اعضاء کے متعلق تم سے سوال ہو گا کہ ان کو کہاں استعمال کیا تھا جائز جگہ یا ناجائز جگہ؟

آپ کے پادری عماد الدین صاحب نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اگر آپ اس کو ہی ملحوظ رکھتے تو بھی اعتراض نہ کرتے۔

"لا تقف" جو صیغہ نہی ہے باب "قفا یقفوا" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی میں کسی بات کے پیچھے پڑ جانا۔ یعنی اس کو مدار قرار دے کر مخاصمت یا معاملت کو اس پر مبنی ٹھہرانا یہی فعل باب تفعیل سے بھی آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ "وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ"

(پ۱۶:ع۱۱

یعنی ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو ان پیغمبروں کے پیچھے بھیجا۔

اس کے علاوہ آپ نے اس سے آگے ایک اور آیت پر بھی ظلم کیا ہے۔ کہ متکبرانہ چال سے ممانعت کو بھی جبلت استفسار میں داخل کر لیا ہے۔ اللہ اللہ! کیا یہ فہم قران ہے یا ظلم بر قرآن۔ اب سنئے! پہلے حصے کا جواب۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مومنوں کو ہدایت کی گئی۔ ہے کہ اللہ رسول کا حکم پہنچنے پر ان کو اس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ---- (پ۲۲:ع۲)

پادری صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

جب اللہ اور اس کا رسول کوئی بات مقرر کر دے تو کسی ایماندار مرد یا عورت کا کام نہیں کہ اس میں چوں چرا کرے' یا اس کی نسبت سوال کرے۔ کیونکہ اس معاملہ میں ان کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔۔۔۔ (صفحہ ۱۳۸)

اس ترجمہ میں آپ نے کئی کمال دکھائے ہیں۔ ان کمالات میں سے بڑا کمال یہ ہے کہ ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا کہ "یا اس کی نسبت سوال کرے۔" ایسا تصرف کرکے آپ نے اپنی غرض فاسد کے ماتحت اپنی ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے ورنہ یہ جملہ آیت کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔

آپ کی مثال: آپ سے پہلے پنڈت لیکھ رام آریہ نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآن مجید میں بھی تناسخ کا ثبوت ملتا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک آیت [1] بھی لکھی تھی۔ جس میں ذکر ہے کہ جانور وغیرہ بھی تم انسانوں کی طرح حیوانات کی انواع و اقسام ہیں۔ مگر اتنے ترجمہ سے اس کا کام نہ چلتا تھا اس لئے انہوں نے آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:

"یہ جانور تمہاری طرح امتیں تھیں"

لفظ "تھیں" سے آپ کی غرض یہ ہے کہ یہ جانور پہلے اِنسان تھے اب باقاعدہ تناسخ حیوان بن گئے ہیں۔ اسی طرح پادری صاحب نے بھی پنڈت جی کا اتباع کرتے ہوئے مذکورہ جملہ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ نہ وہ قران کا ترجمہ تھا نہ یہ ہے۔

پادری صاحب: آپ یہ خیال دِل سے نکال دیں کہ قرآن بھی انجیل کی طرح ہے جو اصل زبان میں ملتی ہی نہیں' قرآن مجید بفضلہ تعالیٰ اپنی اصل زبان

---

[1] "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ" (پ۷:ع۱۰)

میں محفوظ ہے اس لئے اس کے ترجمہ میں کوئی غلطی نہیں چل سکتی۔ پس آیت موصوفہ کا بامحاورہ ترجمہ سنئے!

خدا رسول جب کسی کام کا حکم دے دیں تو کسی مرد مومن یا عورت مومنہ کو اس کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے میں اختیار نہیں۔ بلکہ ضرور تعمیل کرنی ہوگی۔

یہ حکم بالکل صحیح ہے اور قطعاً درست ہے۔ ہم مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ کل انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو یہی حکم تھا کہ حضرات انبیاء کرام کی تعمیل پر عمل کرو۔ اسی لئے مسیح فرماتے ہیں۔

اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو---- (یوحنا ۱۴، ۱۵)

پس یہ آیت قرآنی تعمیل احکام کے متعلق ہے۔ استفسار سے اس کو کوئی تعلق نہیں وہ ایک الگ چیز ہے اس کا ثبوت قرآنی آیات "یسئلونک" اور "سائلک" وغیرہ میں ملتا ہے۔ آگے چل کر پادری صاحب نے ایک اور کمال کیا ہے کہ۔

"باوجود اس وعدہ کے کہ میں حدیثوں کو بالاستقلال زیر بحث نہیں لاؤں گا۔"

----(دین فطرت صفحہ ۷)

مشکوۃ باب القدر میں سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ صحابہ کرام تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے تو حضور نے ان کو خفگی کے لہجے میں منع فرمایا:

(صفحہ ۱۳۸)

اس حدیث سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی مومن مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ کسی دینی مسئلہ کے متعلق سوال پوچھے---- (صفحہ ۱۳۹)

مجیب: اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا بھی غلط ہے۔ حدیث کا مضمون بتانے سے پہلے میں آپ کو ایک مثال بتادوں۔ غور سے سنئے۔

مثال: کسی سکول کے لڑکے اوقات سکول میں سیاسیات (پالیٹکس) پر بحث کرنے لگ جائیں تو استاد کا فرض ہے کہ ان کو اس قسم کی بحث سے روک دے۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کے حق میں مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ استاد لڑکوں کو کوئی بات پوچھنے سے بھی منع کرتا ہے۔ منع نہیں کرتا بلکہ غیر مفید کام سے ہٹا کر مفید کام پر لگاتا

ہے۔ یہ اعلیٰ درجے کی تربیت ہے۔

اس سے آگے آپ نے مسئلہ جہاد کے متعلق خواہ مخواہ کی چھیڑ خانی کی ہے۔ جس کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد علماء اسلام کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ بے شک قرآنی تصریحات میں سے نہیں ہے۔ علماء اسلام میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ یا بند ہو گیا ہے۔ ہمارے نزدیک ابتدائے اسلام سے اجتہاد کا دروازہ کھلا آیا ہے اور آئندہ بھی کھلا رہے گا۔ آج تک بہت سے مجتہد ہو چکے ہیں آئندہ بھی ہوتے رہیں گے کتب اصول میں یہ مسئلہ مصرح ملتا ہے۔

پس آپ کا یہ اعتراض کہ "اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔" ہم پر وارد نہیں ہوتا۔ ہاں پادری صاحب اگر میں ایک مثال پیش کروں تو آپ کو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ اچھا آپ کی آزمائش کے لئے پیش کئے دیتا ہوں۔ سنئے جناب مسیح کا ارشاد ہے۔

"دے جو ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی کہ دے میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھالیں گے۔ اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے۔ انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ دے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے۔"

(مرقس باب ۱۲: ۱۷، ۱۸)

پادری صاحب!: آپ کی ذات میں ان اوصاف میں سے اگر ایک وصف بھی ہو تو یہ بڑے فائدے کی چیز ہے۔ آپ حکومت سے درخواست کریں کہ میو ہسپتال لاہور کے جملہ مریض میرے حوالے کئے جائیں ان کے علاوہ پبلک میں بھی اشتہار دے دیں کہ سب مریض میرے پاس آئیں آپ ان کو ہاتھ سے چھو کر تندرست کرتے جائیں پھر دیکھیں کہ دینی اور دنیوی ہر دو قسم کے فوائد کس طرح حاصل ہوتے ہیں۔ مسلمان مولویوں اور ہندو پنڈتوں کے منع کرنے سے کوئی نہ رکے گا۔ بلکہ سب لوگ مسیحی ہو جائیں گے اور دولت بھی فراواں ہاتھ آجائے گی۔ اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف بھی آپ لوگوں میں نہیں ہے۔ تو اس عبث کام میں اپنا اور لوگوں کا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے۔ تو میں ایک اور بات پیش کرتا ہوں۔ جو بالکل آسان ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ کو جنگ کی وجہ سے جرمن زبان سے نفرت ہے تو بڑی خوشی سے کشمیری زبان میں تقریر

کریں۔ ہم بھی سننے آئیں گے۔

پادری صاحب!: باتیں کرنے کو تو بہت ہیں اس لئے اختصار کرنا مفید ہے۔ آپ انجیل اور قرآن میں بتائی ہوئی ایمانداروں کی نشانیاں سامنے رکھ لیں۔

انجیل کی بتائی ہوئی نشانیاں تو آپ سن چکے ہیں اب قرآن میں بتائی ہوئی نشانیاں غور سے سنئے۔ ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

----(پ۹:ع۱۵)

مومن لوگ وہ ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کے احکام پڑھے جائیں تو ان کا ایمان ترقی کرتا ہے۔ اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ان دونوں کتابوں کی بیان کردہ نشانیوں کے مطابق امتحان دینے کی تکلیف ہم کسی اور کو کیوں دیں۔ بلکہ مجھے اور آپ کو خود ہی اپنی اپنی کتاب کے مطابق امتحان دینا چاہئے۔ میں آپ کے گرجے میں آجاؤں گا۔ وہاں کوئی حافظ قرآن کا رکوع پڑھ دے تو آپ میری اور مسلمانوں کی قلبی کیفیت کا امتحان کرلیں کہ ان آیات کے مطابق ان میں ایمان ہے یا نہیں؟ میں آپ کے امتحان کے لئے ایک زہریلا سانپ اور زہر کا پیالہ رکھ دوں گا۔ پھر لوگ دیکھ لیں گے کہ آپ میں کہاں تک ایمان کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ ؎

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب! مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم ہائے جدائی کا

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

"بروئے قرآن کوئی مسلمان دین کے معاملات میں آزاد خیالی کو جگہ نہیں دے سکتا یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تحقیق کی گنجائش نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگیا ہے۔ کہ بااختیار اشخاص کے احکام کو بے چون و چرا تسلیم کرنا۔ تعصب اور ہٹ دھرمی کو کام میں لانا۔ ہرشے کو دوسروں کی سند پر قبول کرلینا اور یوں جبلت تجسّس و استفسار کو روکنا اور دبانا مسلمانان عالم کا طغرائے

امتیاز ہے۔ دقیانوسی تفاسیر اور کتب احادیث اور فقہ کو رٹ لینا غنیمت خیال کیا جاتا ہے۔ متقدمین کی تصانیف سند کے لئے کافی سمجھی جاتی ہیں۔ علمائے سلف کے نقش قدم پر چلنا موجب فخر ہوتا ہے۔"----(دین فطرت صفحہ ۱۴۰)

مجیب: معلوم نہیں کہ آپ کس گاؤں یا بستی میں بیٹھے ہوئے یہ باتیں کر رہے ہیں۔ لاہور جیسے دارالعلوم شہر میں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ پادری صاحب! میں اہل اسلام کی علمی ترقیات کا کیا ذکر کروں۔ آپ 'ایم۔اے ہونے کے باوجود اگر اس سے بے خبر ہوں۔ تو کون آپ کو بتا سکتا ہے۔ میں اس کی تفصیل کروں تو کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے مختصر طور پر آپ کیلئے ایک ایسی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں جو کسی مسلمان کی تصنیف نہیں۔ بلکہ ایک فرنچ مورخ کی ہے۔ جن کا ذکر یورپ میں بڑی عزت سے کیا جاتا ہے آپ کا نام نامی ڈاکٹر گستاولی بان ہے۔ ممدوح نے عرب کے علوم و فنون پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا اردو ترجمہ شمس العلما سید علی بلگرامی نے تمدن عرب کے نام سے شائع کیا۔ جس میں تھوڑا سا اقتباس نہ صرف آپ کے لئے بلکہ اپنے قارئین کے لئے نقل کرتا ہوں غور سے سنئے! ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں۔

"ہم اس باب کو اس بیان پر ختم کرتے ہیں کہ تمدن اسلامی کا بہت ہی زبردست تسلط تمام عالم پر ہو رہا ہے۔ مگر اس تسلط کے بانی صرف عرب تھے نہ وہ مختلف اقوام جنہوں نے ان کے مذہب کو اختیار کیا۔ عربوں کے تسلط اخلاقی نے یورپ کی ان اقوام وحشی کو جنہوں نے رومیوں کی سلطنتوں کو تہ و بالا کیا انسان بنایا۔ ان کے علمی و دماغی تسلط نے یورپ کے لئے علوم و فنون اور ادب اور فلسفہ کا جس سے وہ بالکل ناواقف تھا۔ دروازہ کھول دیا اور چھ صدی تک یہی عرب ہمارے استاد اور ہمیں تمدن سکھانے والے رہے۔"----(تمدن عرب صفحہ ۵۲۴)

مشورہ: پادری صاحب! یہ ساری کتاب آپ کے دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر مشن لائبریری یا پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں نہ ہو تو آپ میرے ہاں تشریف لا کر بڑے شوق سے اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ ایں خانہ شما است' مولانا حالی مرحوم نے مسلمانوں کی علمی ترقی کا ذکر نہایت مجمل مگر لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ؎

ہر اک میکدہ سے پھرے بھرکے ساغر　　　ہر ایک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثل پروانہ ہر روشنی پر　　　لیا گرہ میں باندھ حکم پیمبر
کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو ❶

ہاں اس شک میں کہ مسلمانوں میں بھی بعض لوگ رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح تنگ نظر ہیں۔ سو آپ ان کی تنگ نظری کا الزام سب مسلمانوں پر نہ رکھیں۔ کیونکہ محقق مسلمانوں کا مذہب تو وہ ہے جو ایک حدیث نبوی پر مبنی ہے۔ جس کے الفاظ ہیں "لا تنقضی عجائبة" کہ قرآن مجید کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ یعنی اس کے معانی اور نکات نئے سے نئے نکلتے آئیں گے۔ واقعی جو لوگ قرآن مجید کو اس کے خادم علوم و فنون کی روشنی میں پڑھتے ہیں بے ساختہ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے۔ ؎

قرآن!:

کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہان میں کوئی حسین نہیں

اس سے آگے آپ نے جبلت تجسّس اور اِسلامی تہذیب وغیرہ کا مضمون جو کئی صفحوں پر پھیلایا ہے۔ ان سب باتوں کا جواب آپ کو تمدن عرب میں مل جائے گا۔ ایک بات خاص طور پر قابل ذکر یہ ہے کہ آپ نے صفحہ ۱۴۱ سے لے کر صفحہ ۱۷۱ تک مختلف ممالک اِسلامیہ کے رطب دیا بس جمع کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ

"ترکوں نے بھی اِسلام کو چھوڑ دیا۔" --- (صفحہ ۱۶۲)

خدا کی قدرت نے آپ ہی کے قلم سے اس کا جواب بھی لکھوا دیا۔ سنئے آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

---

❶ "کلمة الله الضالة المومن حيث و جد ها فهو احق بهلا (الحديث)" کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ"

"تُرکوں نے تُرکی میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔" ---(صفحہ ۱۶۳)

بھلا جو قوم اِسلامی طریق پر مسجدوں میں نماز پڑھتی ہو۔ اس کے حق میں بھی یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ اس نے اِسلام کو چھوڑ دیا۔

نوٹ: پادری صاحب ہوں یا کوئی اور صاحب' کان کھول کر سن لیں کہ کوئی مذہب اپنے اتباع کے اقوال یا افعال کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر مذہب میں کج رو ہوتے ہیں۔ جو مذہب کے تابع نہیں ہوتے بلکہ مذہب کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی ان کی کمی نہیں۔ چنانچہ رومن کیتھولک عیسائیوں کی مثال کافی ہے۔ جو آپ کے نزدیک بھی گمراہ ہیں۔ پس آپ نے جو ترکوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے ایک بے معنی بات ہے جو طوالت کتاب کی موجب ہے۔ اگر ایسے ہی رطب ویابس سے کتاب کو پر کرنا ہے تو ہم بھی مسٹر بریڈلا سابق ممبر پارلیمنٹ انگلستان کی کتاب نقل کردیں گے۔ ؎

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

ہم اس کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ تُرک چونکہ حنفی المذہب ہیں اور حنفی المذہب میں غیر عربی زبان میں نماز پڑھنے کی اجازت موجود ہے اس لئے انہوں نے اپنے مذہب کے فتوے کے ماتحت اگر یہ طریقہ اختیار کرلیا ہو تو کیا حرج ہے اور قرآن شریف پر کیا اعتراض ہے؟

پادری صاحب! اگر الہامی زبان کو چھوڑ کر اپنی مادری زبان میں نماز پڑھنے سے مذاہب کا ترک کرنا لازم آتا ہے تو بتائیے کہ انگریز عیسائی اور ہندوستانی عیسائی کس زبان میں نماز پڑھتے ہیں؟ یقیناً انگریز عیسائی انگریزی میں اور ہندوستان عیسائی اردو میں نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کیا یہ دونوں زبانیں انجیل کی الہامی زبان کی مصداق ہیں؟

ہرگز نہیں۔ مسیحی دوستو! ؎

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

جبلت استفسار ہماری سرشت کا ایک زبردست حصہ ہے---(صفحہ ۱۶۸)

ہم بھی آپ کی تائید کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن شریف آپ کی خواہش کو پورا کرتا ہے۔ لیکن انجیل ایسی جبلی خواہش کا اظہار کرنے والے کو مغلظات سناتی ہوئی بد اور حرامکار قرار دیتی ہے۔ [1] ---(متی ۱۲: ۳۹) ایسا کیوں ہے؟۔ ؎

اگر گویم زبان سوزو

قارئین! پادری صاحب کی مہربانی کا شکریہ ہے کہ آپ تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تعلیم یافتہ مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے دینی عقائد وغیرہ کی اصلاح عقل سلیم کے مطابق ہو سکے۔ وہ بزرگان سلف کے سند اور اقوال کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہیں۔" (صفحہ ۱۷۰)

مجیب: ہم ان تعلیم یافتہ مسلمانوں کی قدر کرتے ہیں اور آپ کی وساطت سے تعلیم یافتہ مسیحی اصحاب تک اپنا یہ سوال پہنچاتے ہیں کہ دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر تڑپ تڑپ کر جان دینے والا شخص بھی خدا ہو سکتا ہے؟ ---(تفصیل گذشتہ صفحات پر درج ہے) پادری صاحب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی تسلی عقلی دلیل سے کریں۔ پھر آپ کا یہ لکھنا بھی عجیب ہے کہ۔

"قرآن کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ان احکام کو ایک جا ترتیب دے کر کتابی صورت میں جمع کیا جائے۔ نبیؐ نے ایسا حکم کبھی نہیں دیا تھا اور نہ آپ کا ارادہ اور مقصد تھا۔" ---(صفحہ ۱۷۰)

مجیب: جو شخص اپنے موضوع سے الگ ہو کر ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرے اس کے حق میں عرب لوگ کہا کرتے ہیں۔ "یمشی خبط العشوا" (وہ دیوانی اونٹنی کی طرح چلتا ہے) سبعہ معلقہ کا ایک مصرع سنئے! ؎

رایت المنایا خبط عشواء من تصب

یعنی موت پاگل اونٹنی کی طرح دنیا میں پھرتی ہے

پادری صاحب کی تصنیفات میں ہم نے یہ خاص وصف پایا ہے۔ بھلا آپ کی سرخی

---

[1] تفصیل بر صفحہ ۱۸۰ ملاحظہ ہو---(مجیب)

جبلت استفسار سے اس فقرہ کو کیا تعلق؟ باوجود اس کے ہماری فیاضی دیکھئے کہ ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں کہ قرآن مجید آنحضرت کے حکم سے آپ کی زندگی میں جمع ہوا تھا- اس کے متعلق احادیث بکثرت ملتی ہیں-

لو لا غرابت المقام لا تیت بھا

آگے چل کر پادری صاحب نے صفحہ ۱۷۲ پر جبلت اجتماع پسندی کا ذکر کیا ہے جس کی تمہید کا خلاصہ اصل الفاظ میں یہ ہے کہ

(۱) اِنسانی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ مختلف افراد آپس میں مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں صفحہ ۱۷۲ ہمارا بھی اسی پر صاد ہے-

(۲) دِین فطرت کا یہ کام ہے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ اجتماع پسندی کی جبلت افراد کی ہستی کو دبانے نہ پائے بلکہ ہر فرد کو ذمہ دار آزاد اخلاقی ہستی قرار دے صفحہ ۱۷۴ بشرط حفظ مراتب صحیح ہے- نوکرو آقا اور ماتحت و افسر کا لحاظ رکھا جائے گا- ؎

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

۳- دین فطرت کا یہ بھی کام ہے کہ خدا کی ذات کی نسبت ایسی تعلیم دے جو اس جبلت کے اقتضا کے مطابق ہو اور ایسے اصول بتائے جس سے خدا اور اِنسان کے باہمی تعلقات میں رفاقت کا سلسلہ قائم اور جاری رہ سکے---- (صفحہ ۱۷۴'۱۷۵)

مجیب: اس نمبر کا پہلا حصہ بلکہ دوسرا بھی ہم صحیح سمجھتے ہیں اور پادری صاحب کی دلیری کی داد دیتے ہیں کہ مسیح کو مجسم خدا کہہ کر مذکورہ جبلت کے اقتضا کو پورا کر رہے ہیں- خدا کی ذات کے متعلق مسیحیت نے جو تعلیم دی ہے- اس پر مفصل بحث گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے- اس کے بعد پادری صاحب اصل مطلب پر یوں گویا ہوئے ہیں-

مسیحیت اور افراد کی وقعت!:

"یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ کلمتہ اللہ اس دُنیا کے پہلے معلم تھے- جنہوں نے کل عالم کو یہ سکھلایا کہ ہر فرد بشر ایک ذمہ دار اخلاقی ہستی ہے- آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا باپ ہر فرد بشر سے لازوال محبت رکھتا ہے اور ہر ایک بشر کی زندگانی کا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بچہ ہو یا بوڑھا-

خفیف سے خفیف واقعہ بھی خدا کے علم اور محبت کا مظہر ہے ---- (متی ۱۰-۳۰) آپ نے فرمایا کہ حقیر ترین اِنسان کی روح کی قدر نہ صرف تمام دُنیا سے زیادہ ہے (مرقس ۸-۳۶) بلکہ وہ ایسی قیمتی شے ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس دُنیا میں بھیجا- تاکہ کسی فرد بشر کی روح ہلاک نہ ہو- بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے-" ---- (یوحنا ۳-۱۶ صفحہ ۱۷۵)

مجیب: اس سارے اقتباس کو عنوان مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے- بلکہ ہم اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں- "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" ---- (پ ۱۷: ع ۷)

ترجمہ "اے نبی! ہم نے تم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ دُنیا کے تمام لوگوں پر ہم رحم کریں-"

باقی رہا خدا کا اکلوتا بیٹا اور اس کا کفارہ ہونا سو اس کی بحث کتاب ہذا میں گذشتہ صفحات میں مفصل ہو چکی ہے- اسی ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ:

"ہر ایک اِنسان کا دل خدا کا مقدس ہے اور خدا کا روح اس میں بسا ہوا ہے ---- (اکر ۳-۱۶) پس ہر ایک شخص خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ' خواہ امیر ہو یا غریب خواہ بڑا ہو خواہ چھوٹا' خواہ مرد ہو' خواہ عورت' جو مسیح میں ہے وہ دنیا مخلوق ہے اس میں سے پرانی چیزیں جاتی رہیں- دیکھو وہ نئی ہو گئیں-" ---- (۲ اکر ۵-۱۷ وغیرہ وغیرہ' صفحہ ۱۷۶)

ہم اس عبارت کو اگر تسلیم کرلیں تو ہمارا کوئی حرج نہیں- اخیر میں آپ اس طویل عبارت کا خلاصہ نکال کر لکھتے ہیں کہ

"غرضیکہ مسیحیت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر انسان کو موقع اور توفیق عطا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے- تاکہ دُنیا کا ہر فرد بشر اپنی انانیت کا جائز طور پر اظہار کرسکے اور اپنی ذات کو ترقی اور تکمیل دے سکے- جس سے ظاہر ہے کہ مسیحیت دِین فطرت ہے-" ---- (صفحہ ۱۷۷)

مجیب: باوجود اس خوبی کے پادری صاحب سے وہ تعلیم مخفی رہی جسے انجیل مسیح کے الفاظ میں پیش کرتی ہے کہ

"وہ چیز جو پاک ہے' کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو- ایسا نہ ہو کہ وہ

انہیں پامال کریں اور پھر کر تمہیں پھاڑیں۔"----(متی باب ۷:۶)

پادری صاحب! اس اقتباس میں کتے اور سوئر کن کو کہا گیا ہے۔ حیوانوں کو یا اِنسانوں کو؟ حیوانوں کو کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔ اگر برے اِنسانوں کو کہا گیا ہے تو ایسا کہنا آپ کے منشا کے خلاف تو نہیں ہے؟۔ ؎

مسیحو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

اِسلام اور افراد کی وقعت:

"قرآن غلامی کی قبیح رسم کو جائز قرار دیتا ہے اور اس کو جہاد وغیرہ کے مرغبات اور محرکات حسنہ میں شمار کرتا ہے۔"----(صفحہ ۱۱۷)

مجیب: غلامی کا ثبوت ہم مسیح کی مسلمہ شریعت موسوی سے پہلے دے چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶ قرآن مجید نے غلاموں پر کئی قسم کے احسانات کئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ گناہوں کے کفاروں میں ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ مکاتیب [1] طلب کرنے پر ان کو مکاتب کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ اِرشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتَاكُمْ ---- (پ۱۸:ع۱۰)

تمہارے غلام جو مکاتیب چاہتے ہوں۔ اگر تُم ان میں نیکی پاؤ تو ان سے مکاتیب کرلو اور ان کو اس مال میں سے جو خدا نے تُم کو دیا ہے بطور اس المال کچھ دے دو (تاکہ وہ اس کے ذریعہ کچھ مال کما کر تُم سے آزادی حاصل کریں)

۳۔ مالک کو حکم ہے کہ جو خود کھائے وہی اپنے غلام کو کھلائے اور جو خود پہنے وہی غلام کو پہنائے۔

پادری صاحب دیکھئے کہ باوجود حفظ مراتب کے کیسی مساوات کی تعلیم ہے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ۔

---

[1] غلام اپنے مالک سے کہے کہ میں آپ کو سو پچاس روپے کما کر دے دوں تو مجھے آزاد کر دینا

اور مالک اس کو مشروط آزادی نامہ لکھ دے۔ اس کو مکاتیب کہتے ہیں۔

۱- اسلام نے اِنسان کو اخلاقی طور پر بھی آزاد ذمہ دار ہستی قرار نہیں دیا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے۔ "جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں۔ پر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں۔ تب ان پر وعدہ عذاب ثابت ہو جاتا ہے پھر ہم ان کو اکھاڑ پھینکتے ہیں۔" ---(بنی اسرائیل آیت ۱۷)

۲- "ہم (اللہ) نے آدمیوں اور جنوں میں سے اکثروں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ (اعراف ۱۷۸)

۳- اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو راہ پر کر دیتا۔ اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ مگر جس پر تیرے رب کا رحم ہوا۔ اللہ نے ان کو اختلاف کرنے کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی کہ البتہ میں جنوں اور آدمیوں سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔" ---(ہود: ۱۲۰)

۴- اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی دِین پر کر دیتا۔ لیکن وہ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔" ---(نحل ۵۵' ۳۸)

۵- یہ نصیحت ہے کہ پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے۔ لیکن تم چاہ نہیں سکتے۔ جب تک اللہ نہ چاہے۔" ---(دہر ۲۹' ۳۰)

۶- اللہ نے تم کو اور تمہارے افعال اور کاموں کو پیدا کیا۔ --- (صافات ۹۴) (صفحہ ۱۷۸' ۱۷۹)

جواب آیت نمبر ۱: پہلی آیت میں جس پر آپ نے اعتراض کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَ فِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْ نٰهَا تَدْمِيْرًا ---- (پ۱۵:ع۲)

اس آیت کا مطلب ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ غور سے سنئے۔

کسی بستی میں قحط سالی ہے یا وبائی امراض پھیل گئے ہیں۔ غربا بے کسی کی حالت میں کراہ رہے ہیں۔ امراء کو بزبان ہادیان مذہب یا بزبان حال حکم ہوتا ہے۔

اَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ-

ترجمہ "اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرو-"

تو وہ لوگ اپنی بدمستی میں اور مال کے نشے میں جواب دیتے ہیں-

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ ---- (پ۲۳:ع۲)

ترجمہ "کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جن کو خدا نے نہیں کھلایا یعنی ان کو فائدہ پہنچائیں جن کو خدا نے نہیں پہنچایا-"

ایسی ہی مغرور بستی کے لوگوں پر خدا کی طرف سے تباہی و بربادی آجایا کرتی ہے- آیت موصوفہ میں "فَفَسَقُوْا" کا لفظ انہی معنی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خدائی احکام متعلقہ احسان و مروت کا خلاف کرکے اپنی بدعملی کا ثبوت دیتے ہیں تو ان پر تباہی آجاتی ہے- پادری صاحب کیا آپ کو بنی اسرائیل کے عذاب اور اسیری کا زمانہ اور دوسرے واقعات یاد نہیں رہے آخر یہ بھی کیسی بدعملی کی سزا تھی یا جن لوگوں نے مسیح کو تکلیفیں دیں کیا آپ کے نزدیک وہ عذاب کے مستوجب نہیں تھے؟

دوسری تشریح:

بعض اوقات کسی بستی پر تکلیف آجاتی ہے تو وہ لوگ بجائے عاجزی اور زاری کرنے کے اپنی بدعملیوں میں منہمک رہتے ہیں پھران پر مزید تباہی آجاتی ہے- اس تشریح کے لئے قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں-

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَ هُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ---- (پ۷:ع۱۱)

ترجمہ "ہمارا عذاب پہنچنے پر وہ لوگ نرم دل اور متوجہ نہ ہوئے بلکہ برے کاموں میں لگے رہے اور شیطان نے ان کے برے کام ان کی نظروں میں اچھے کر دکھائے-"

آیت زیر بحث کی یہ دونوں تشریحیں قران مجید میں ملتی ہیں جو بالکل صحیح ہیں بائیبل میں سبت کے دِن مچھلیاں پکڑنے کا جو ذکر ملتا ہے وہ بھی اس قسم سے ہے---- (نحمیاہ ۱۳:۱۶)

جواب آیت نمبر ۲: دوسری آیت کا جواب گذشتہ صفحات پر بالتفصیل گزر چکا ہے۔

جواب آیت نمبر ۳:

تیسری آیت کے پورے الفاظ یہ ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَ مْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ---- (پ ۱۲ : ع ۱۰)

یہ آیت ایک نیچرل لا (قانون قدرت) پر اطلاع دیتی ہے جس کو پہلے تمہید کے طور پر سمجھ لینا ضروری ہے۔ پس توجہ سے سنئے!

نوع انسان کے افراد کو دیکھئے کہ ان کے حالات' خیالات' اور مقامات کس قدر مختلف ہیں۔ پہلے تو فطری طور پر بہت سے لوگ مذہب کو بلکہ خدا کو بھی جواب دے بیٹھے ہیں' پھر مذہب اور خدا کے قائلین میں بہت سے نیک اور پرہیز گار ہیں۔ اور بہت سے فاسق و بدکار۔ ان کے علاوہ کوئی ظالم ہے اور کوئی مظلوم۔ مزاجوں کا اختلاف بھی اسی اختلاف میں داخل ہے۔ بعض لوگ سرد مزاج یعنی حلیم اور بردبار ہوتے ہیں اور بعض آتشیں مزاج یعنی غصیلے اور جلد باز اور یہ سب قدرتی اختلاف کے مظاہر ہیں۔

جس پر کسی اہل دل شاعر نے کہا ہے۔ ؎

اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

مذہبی حیثیت کا اختلاف بھی اسی فطری اختلاف پر متفرع ہے۔ چنانچہ اسی اختلاف کی بنا پر آپ (پادری برکت اللہ) جیسے ذہین اور طباع' مشکل اور باریک مسئلہ کو بھی حل کر لیتے ہیں کہ کھاتا پیتا اور ہگتا موتتا بلکہ تڑپ تڑپ کر جان دینے والا انسان خدا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر میرے جیسا کم علم اس حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ اس قسم کے تمام قدرتی اختلافات ملحوظ رکھ کر مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب سنئے کہ۔

اگر ہم چاہتے تو نوع انسان کے سب افراد کو یکساں مزاج عقل اور یکساں ذہنی

رجحانات عطا کردیتے۔ پھر وہ سب خود بخود راہ راست اختیار کرلیتے۔ "لَا رَیْبَ صَدَقَ اللّٰہُ!" یہ کلام شرطیہ معنی میں بالکل صحیح ہے۔

منطقی طریق سے!: پادری صاحب! آپ نے ایم' اے کی ڈگری پاس کی ہوئی ہے۔ غالبًا آپ نے کم وبیش لاجک (منطق) پڑھی ہوگی۔ اہل منطق کہا کرتے ہیں کہ قضیہ شرطیہ کا صدق محض اتصال پر ہوتا ہے۔ چاہے اس کے دونوں اجزا مقدم اور تالی محال ہی ہوں۔ اگر ان میں اتصال پایا جائے تو قضیہ شرطیہ صحیح ہوتا ہے (کیا آپ کو اس جملہ شرطیہ میں شک ہے کہ اگر خدا چاہتا تو مسیح کے دشمنوں کو ہدایت کردیتا یا اگر چاہتا تو کفارہ مسیح کے بغیر کسی خاص صفت کے ماتحت گناہگاروں کو بخش دیتا۔

اہل منطق اس قاعدہ کی مثال دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ

"اگر پانچ کا عدد زوج ہے تو دو پر پورا تقسیم ہوجائے گا۔"

یہ کلام بصورت شرط بالکل صحیح ہے۔ حالانکہ پانچ کا زوج (جفت) ہونا محال ہے پس جس طرح یہ قضیہ منطقی شکل میں صحیح ہے اسی طرح آیت قرآنی کی صورت میں یہ جملہ شرطیہ بھی صحیح ہے کہ

اگر ہم (خدا) چاہتے تو سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتے۔ یعنی سب کو ہدایت کردیتے (جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ "وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدَاھَا" مگر ہم نے ایسا نہیں چاہا۔ چنانچہ حقیقت واقعیہ پر اطلاع دینے کو اسی آیت میں ارشاد فرمایا "لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" (یہ لوگ قانون قدرت کے ماتحت ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ مگر جس پر خدا کا رحم ہوگا۔ وہ اس اختلاف سے نکل کر حق کی طرف رجوع کرلے گا) مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کی طبیعت میں یہ ضد نہ ہوگی کہ میں اپنے مخالف کی سچی بات بھی کیوں قبول کروں۔ یہ استثنا جملہ معترضہ ہے اس کو الگ کرکے آیت کو یوں پڑھیے۔

"لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" یعنی لوگ اپنی مزاجوں اور عادتوں میں ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ کیونکہ وہ اسی فطرت پر پیدا ہوئے ہیں۔ ہاں جن لوگوں پر خدا نے رحم کیا ہوگا۔ وہ اس قدرتی اختلاف کو اس کی حد سے آگے نہیں جانے دیں گے مولانا حالی مرحوم نے صحابہ کرام کے اختلاف کا نقشہ انہی معنی میں دکھایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔ ؎

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا ــــ تو بالکل مداراس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا ــــ خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی!
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

مولانا حالی مرحوم نے جس چیز کو شر سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد قدرتی اختلاف کی حد سے تجاوز ہے۔ قرآن مجید نے "تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ" کا نتیجہ اسی بے اعتدالی پر مرتب کیا ہے۔

جواب آیات نمبر ۴، ۵: چوتھی اور پانچویں آیتوں کا مطلب بتانے سے پہلے مثال کے طور پر ایک اور آیت پیش کرتا ہوں تاکہ آیات زیر بحث کا مطلب اچھی طرح قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ کیونکہ یہ مسئلہ بڑا دقیق ہے۔ اسی لئے یہ آیات بھی مشکل ترین آیات میں سے ہیں۔ قرآن مجید نے کسی صاحب علم شخص کی مثال بیان کی ہے۔ جو بڑا حریص و طامع تھا۔ اس کے متعلق ارشاد ہے۔

لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ---- (پ۹: ع۱۲)

اس میں فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اپنی آیات کی برکت سے اس شخص کا رتبہ بلند کر دیتے۔ لیکن ایسا نہیں کیونکہ وہ شخص دنیائے دوں کی تحصیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا (جیسے آج کل بھی ہر قوم و مذہب میں بہت سے دُنیادار اہل علم ملتے ہیں) پس خدا کے نزدیک اس کی مثال کتے کی سی ہے جو ایک ذلیل حیوان ہے۔

پس جس طرح اس آیت میں "لکن" کے مابعد اور ماقبل کلام میں باہم ربط ہے اسی طرح سورہ نحل کی آیت میں "لکن" سے ماقبل اور مابعد کلام باہم مربوط اور متصل ہے۔ پس اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ۔

اگر ہم چاہتے تو باختیار خود تُم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتے یعنی سب کو ایک ہی قسم کی ذہنیت اور عقل عطا کر دیتے۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اور واقعی نہیں ہوا تو اب ہم اپنے قانون کے ماتحت ہدایت کرتے ہیں اور اسی قانون کے ماتحت گمراہ کرتے ہیں۔

مشیت اللہ سے مراد قانون الٰہی ہے جو کل مخلوق پر حاوی ہے۔ یہی معنی ہیں سورہ دہر کی اس آیت کے جس کا ترجمہ پادری صاحب نے یوں کیا ہے۔

یہ نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے لیکن تم نہیں چاہ سکتے، جب تک اللہ نہ چاہے---(دہر ۲۹، ۳۰)

قرآن میں اسی قانون قدرت کے معنی میں لفظ اذن اللہ بھی آیا ہے۔ چنانچہ ایمان اور موت دونوں کو اذن اللہ سے مشروط ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

"وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا" (پ ۴: ع ۶)

"وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ---- (پ ۱۱: ع ۱۵)

ان دونوں آیتوں میں "اذن اللہ" سے مراد قانون قدرت ہے۔ پس مذکورہ بالا آیات کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ ہدایت نہیں پاسکتے۔ جب تک قانون قدرت کے ماتحت ضد اور تعصب سے خالی ہو کر نیک نیتی سے تلاش حق نہ کرو اگر ایسا کرو گے تو دولت ایمان سے بہرہ افروز ہو جاؤ گے۔

ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو مسائل کی تحقیق اخلاص مندی سے نہیں کرتے اس لئے وہ الہامی ہدایات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بلکہ الٹا چاہ ضلالت میں گر کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

جواب آیت نمبر ۶: پادری صاحب نے اس آیت پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جس کا مضمون ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے افعال کو پیدا کیا ہے----(پ ۲۳: ع ۷)

اس کی صداقت میں کیا کلام ہے۔ مگر پیدا کرنے کے معنی سمجھنے ضروری ہیں پس توجہ سے سنئے! کوئی کافر بے دین کسی نیک بندے کی گردن تلوار سے اتار دیتا ہے۔ تو ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں۔

ایک کافر بصورت فاعل، دوسرے اس کا فعل قتل۔ یہ فعل کیوں ہوا؟ اس لئے کہ قانون قدرت یہی ہے کہ کوئی تیز دھار چیز مثلاً، تلوار جب کسی ملائم جسم پر چلائی جائے تو اپنا اثر کرتی ہے۔ یہ قانون قدرت ہے جو کاٹنے کے متعلق ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ تیز دھار

چیز برابر کاٹتی ہے۔ پس اسی لحاظ سے اس فعل کو خالق فطرت اور بانئ قانون کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید چونکہ فلسفہ روحانی ہے اس لئے اس میں ایسی نسبتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ سنئے ایک واضح مثال سناتا ہوں۔

بنی نوع اِنسان کے کل افراد کی شکلیں رحم مادر میں اسی قانون قدرت کے ماتحت بنتی ہیں جو اندر ہی اندر اپنا کام کئے جاتا ہے۔ اس کے باوجود قرآن مجید اس قسم کے افعال بھی خدا کی طرف منسوب کرتا ہوا کہتا ہے۔ "هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُ کُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ"

(پ۳،ع۹)

خدا تعالیٰ تمہاری صورتیں تمہاری ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے بنا دیتا ہے۔

کیا آپ کے نزدیک ایسے افعال میں علت العلل کی طرف فعل کا منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

پادری صاحب! بالغ العلوم سے اوپر کی ڈگری حاصل کرکے بھی اگر آپ اس علمی اصول کو نہ سمجھیں یا سمجھنے کے باوجود اعتراض کرتے جائیں تو کہا جائے گا کہ آپ بھی کسی قانون قدرت کے ماتحت ایسا کرتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ایسی آیات میں دو باتوں کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(ا) قدرت نامہ الہیہ: جس کے معنی ہیں کہ خدا کو اتنی بڑی طاقت حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اِنسان کی سرکشی اور عناد کے باوجود اس کو قوت اور جبر سے ہدایت کردے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اِنسانوں کو ان کی افعال اختیاریہ اور نتیجہ پر اطلاع دی جاتی ہے۔ دونوں باتیں فی نفسہ اچھی ہیں اور ضد و عداوت سے کام لے کر اعتراض کرنا بری بات ہے۔ اس لئے کسی اہل دِل شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

چوں بشنوی سخن اہل دِل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جا است

میری اس فلسفیانہ تفصیل کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔ جس وقت یسوع مسیح کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس تگ و دو کررہی تھی اس وقت جناب مسیح نے ایک عارفانہ

فقرے میں جناب باری کے حضورؑ عرض کی تھی کہ

"اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے گزر جائے تو بھی میری خواہش نہیں۔ بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو۔" ---(انجیل متی ۲۶:۳۹)

اللہ اللہ! کیسا عارفانہ کلام ہے۔ مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا تو قانون قدرت کے مطابق تھا۔ اسے تسلیم کر کے آپ قدرت خداوندی کا واسطہ دیتے ہیں جو قانون مجریہ سے بالاتر ہے۔ اس کلام بانظام کے معنی یہ ہیں کہ گرفتاری کے تمام اسباب تو مہیا ہو چکے ہیں تاہم تیری قدرت میں داخل ہے کہ تو مجھے اس مصیبت سے بچالے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اِرشاد ہے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (پ۶:ع۲)

مسیح کو اس کے مخالفوں نے ہرگز قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے اس کو اپنی طرف اُٹھا کر محفوظ کر لیا۔

اس کی وجہ بھی بتا دی کہ خدا بہت غالب ہے اور بڑی حکمتوں والا ہے۔ مسیح نے اسی غلبہ قدرت کے ماتحت درخواست کی تھی جسے حسب بیان قرآن خدا نے منظور کر لیا۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے ساتھ زلیخا کا تعشق قرآن میں مذکور ہے۔ جس کا نتیجہ قرآن نے یہ بتایا کہ اس عورت نے حضرت یوسف کے ساتھ بدکاری کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ موصوف اگر خدائی برہان نہ دیکھ لیتے یعنی نور نبوت ان کے دِل میں جلوہ گر نہ ہوتا تو آپ بھی ارادہ کر لیتے۔ مگر انہوں نے تصرف قدرت کے ماتحت برا ارادہ نہیں کیا۔ یہ مثال بتا رہی ہے کہ قوانین قدرت جاری ہو جانے کے بعد خدا تعالیٰ میں یہ قدرت کاملہ موجود ہے کہ کوئی واقعہ قانون قدرت کے خلاف بھی پیدا کر دے اگر آپ اس کی تفصیل کو منظور نہ کریں تو کل انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی صف لپیٹ دی جائے گی اور حضرت مسیح کی پیدائش کے متعلق انجیل کا یہ فقرہ بھی غلط یا تاویل طلب ہو جائے گا۔ کہ یوسف اور مریم کے اکٹھا ہونے سے پہلے مریم روح القدس سے حاملہ پائی گئی---(انجیل متی ۱:۱۸) قارئین! ؎

اگر اب بھی وہ نہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

باقی رہی جبریہ اور قدریہ کی بحث۔ سو وہ جانیں اور آپ جانیں۔ ہم کسی خاص فرقہ

کے خیالات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم تو قرآن مجید کی تعلیم کے ذمہ دار ہیں۔ ؎

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

بس آپ کا یہ لکھنا کہ

"قرآن کے مطابق اللہ نے اِنسان کو خود مختار ہستی کے طور پر خلق نہیں کیا۔"

----(صفحہ ۱۷۹)

تحکم نہیں تو کیا ہے۔ قرآن مجید صاف کہتا ہے۔

اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا

ترجمہ "ہم نے اِنسان کی راہنمائی کر دی ہے اس کے بعد وہ یا شکر گزار ہو گیا یا ناشکرا۔"

نیز فرمایا۔

مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ ---- (پ۱۵:ع۱۶)

ترجمہ جو چاہے اِیمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔

اس سے زیادہ آزادی کیا ہوگی۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ۔

"اسلام فخر کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے اصول امور سلطنت کے ساتھ ایسے وابستہ ہیں کہ سلطنت کے ہر شعبے پر تا ابد عائد ہو سکتے ہیں (حالانکہ) حدیث اور شرع اِسلام میں مرتد واجب القتل ہے۔ [1] ----(صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰)

مجیب: قارئین! پہلے پادری صاحب کی ہوشیاری ملاحظہ کریں کہ ایسے سخت اعتراض کے موقع پر قرآن مجید کی کسی آیت کا حوالہ نہیں دیا بلکہ یونہی کہہ دیا کہ شرع اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے (صفحہ ۱۸۰) اس لئے میں پہلے قرآن مجید سے مرتد کا حال بتاتا ہوں۔ غور سے سنئے۔ اِرشاد ہے۔

---

[1] پادری صاحب اپنی کتاب (دین فطرت) کے صفحہ ۷ پر لکھ آئے ہیں کہ اعتراض کی بنا حدیث پر نہیں رکھوں گا۔ اب آپ حدیث ہی پر اعتراض کر رہے ہیں، کیا یہ نسیان ہے یا شوق؟ (مجیب)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ---- (پ۵:ع۱۷)

ترجمہ "جو لوگ پہلے اِیمان لائے پھر کافر ہو کر مرتد ہو گئے پھر اِیمان لائے پھر کافر ہو کر مرتد ہو گئے پھر کفر میں بڑھ گئے خدا ان کو نہیں بخشے گا ور نہ ان کو نجات کا راستہ دکھائے گا۔"

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ بعض لوگ دو دو تین دفعہ مرتد ہوئے۔ اگر محض ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو پہلے ہی ارتداد کے بعد ان کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ دوسرے ارتداد کی نوبت ہی نہ آتی۔ ہمارے اس بیان پر ایک حدیث کی وجہ سے معارضہ ہونا ممکن ہے اس لئے بغرض توضیح مقام ہم خود اس حدیث کو نقل کر کے اس کی تشریح کئے دیتے ہیں۔ جس سے اصل سوال اُٹھ جائے گا۔ انشاء اللہ!

حدیث کے الفاظ یہ ہیں "من بدل دینہ' فاقتلوہ" (جو شخص اپنا دِین تبدیل کرے اس کو قتل کر ڈالو۔) اس کی تشریح کرنا ہمارے ذمے ہے۔ تشریح سے پہلے ہمیں اِسلام کی حیثیت سمجھا دینی ضروری ہے۔ پس سنئے!

اسلام کی تعلیم کے دو حصے ہیں ایک تعبدی' دوسرا سیاسی' تعبدی حصے میں نماز روزہ وغیرہ اخلاق فاضلہ داخل ہیں۔ سیاسی حصے میں حکمرانی سے متعلق احکام پائے جاتے ہیں۔ اِسلام کو بحیثیت سیاسی مذہب ہونے کے جنگ و جدال بھی کرنا پڑتا ہے۔ جس میں اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ کوئی شخص جنگ کی حالت میں جماعت المسلمین سے نہ نکل جائے کیونکہ اس حالت میں اس کا نکل جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دشمن سے ساز باز رکھتا ہے۔ پس ایسا شخص جنگی قانون کے ماتحت واجب القتل ٹھہرتا ہے اس تمہید کے بعد ایک اور حدیث سنئے' جو بخاری مسلم کی روایت ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

المارق لدینہ التارک للجماعۃ (مشکوۃ باب القصاص)

المارق اور التارک

دونوں لفظ الگ الگ معنی کے لئے ہیں۔ چنانچہ المارق کے معنی ہیں اپنے دین سے پھر جانے والا اور "التارک للجماعۃ" کے معنی ہیں۔ جماعت المسلمین یا بالفاظ دیگر جماعت

المجاہدین کو چھوڑ کر چلا جانے والا جنگی قوموں میں ایسا شخص دشمن کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اس حدیث کی روشنی میں پہلی حدیث کو دیکھیں تو جامع الفاظ یوں ہوں گے۔

من بدل دینه' ای ترک دِین الاسلام و خرج عن جماعت المسلمین ای المجاهدین فاقتلوه

پس حدیث مذکورہ کو قران کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ محض ارتداد موجب قتل نہیں ہے۔ ارتداد صرف اسی حالت میں موجب قتل ہے۔ جب مرتد شخص مسلمانوں کی بدخواہی کرنے کو دشمن کی جماعت میں جا ملے۔ آج فوجی قانون کے ماتحت سپاہی کو معمولی سی بات پر کورٹ مارشل کیا جاتا ہے۔ جو ضرورت کے لحاظ سے حق بجانب ہے۔ پس حدیث زیر بحث میں جنگی قانون مذکور ہے۔ جس پر آج ساری دُنیا عمل کر رہی ہے۔ اگر پادری صاحب بھی فوج میں کسی عہدہ پر فائز ہو جائیں تو اس قانون کی تحسین بلکہ تائید کریں۔ یہی معنی ہیں اس مصرع کے۔ ؎

قاضی ارباما شنید برنشاند دست را

پس ایسے جنگی قانون کو سامنے رکھ کر اسلام پر آزادی رائے سلب کرنے کا اعتراض کرنا بے جا ہے۔ کیونکہ ہر نقطہ مکانے دارد۔

اسی جبلت اجتماع پسندی کے ضمن میں پادری صاحب نے ایک سرخی یوں لکھی ہے۔

"جبلت اجتماع پسندی اور انانیت"

اجتماع پسندی سے مراد جماعتی احکام ہیں اور انانیت سے مراد شخصی احکام مثلاً اِسلام میں روزہ شخصی احکام کی قسم سے ہے۔ کیونکہ اس کو دوسرے شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اکیلا ہی رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اکیلے شخص کی نماز انفرادی حیثیت رکھتی ہے اور جماعت کے ساتھ اجتماعی' علیٰ ہذا القیاس حج اور زکوۃ بھی اجتماعی عبادات ہیں۔ اور سب سے بڑا حکم جس پر جماعت کی ترقی موقوف ہے۔ یعنی جہاد وہ بھی جماعتی ہے۔ جس کی شان میں فرمایا "ذروۃ سنامه الجهاد" رشتہ داروں سے ملنا جلنا اور اچھا سلوک کرنا بھی اجتماعی کام ہے۔ ان سب امور کے متعلق قرآن مجید میں ہدایات ملتی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ نماز باجماعت جو اجتماعی حالت کا نام ہے

اس میں بھی ہر فرد کی جداگانہ حیثیت بحال رہتی ہے۔ کیونکہ جماعت کا ہر فرد رکوع سجود اور تسبیح و تہلیل کرتا ہے۔ پھر نمازیوں کی ہیت کذائی سے ان کی اجتماعی حیثیت نمایاں نظر آتی ہے اس اجمالی تمہید کے بعد پادری صاحب کا اعتراض سنئے آپ فرماتے ہیں۔

"چونکہ قرآن اور اسلام افراد کو خود مختار' آزاد ذمہ دار ہستیاں تسلیم نہیں کرتا ہے للذا وہ اس تصور کا گرویدہ نہیں ہو سکتا۔ کہ فرد دیگر افراد کی خدمت کرنے میں ہی اپنی شخصیت کی ترقی اور نشوونما کر سکتا ہے' قرآن کے مطابق افراد کی زندگی کا اعلیٰ ترین نصب العین اور بہترین مطمع نظر خلق خدا کی خدمت کرنا نہیں ہے۔ للذا وہ اخلاقیات کے اس پہلو کو چھوتا نہیں اور اگر چھوتا بھی ہے تو اس پر زور نہیں دیتا۔ جس طرح انجیل دیتی ہے۔ لیکن دین فطرت کے لئے لازم ہے کہ وہ جبلت اجتماع پسندی کے تقاضاؤں کو پورا کرے۔ چونکہ قرآن و اسلام اس تقاضا کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ للذا اسلام دین فطرت کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ مسیحیت کی تعلیم ہی دین فطرت کا جزو ہو سکتی ہے۔" ----(صفحہ ۱۵۸)

یہ تو ہوا قرآن مجید پر حملہ پادری صاحب خاص اپنی تعلیم یہ بتاتے ہیں کہ کوئی بشر جماعت تعلقات کے بغیر خدا کی خدمت نہیں کر سکتا۔ ----(صفحہ ۱۵ تا ۱۸) (متی ۲۵-۴۰' ایضا ۱۰-۴۰' لوقا ۱۳-۱۶' روم ۱۴-۱۸-۱۹' یوحنا باب ۱۵ تا ۱۸)

مجیب: قرانی ثبوت دینے سے پہلے ہم پادری صاحب کے ان حوالہ جات کی تحقیق کرتے ہیں۔ جن کی بنا پر آپ نے یہ حکم لگا دیا کہ کوئی بشر جماعتی تعلقات الخ۔ ان حوالہ جات کے اصل الفاظ ترتیب وار یہ ہیں۔

۱۔ تب بادشاہ ان سے جواب میں کہے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا۔

----(متی ۲۵-۴۰)

۲۔ جو تمہیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے اسے جس نے بھیجا ہے قبول کرتا ہے----(متی ۱۰-۴۰)

۳۔ کوئی نوکر دو خاوندوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یا ایک کی دشمنی کرے گا۔ اور دوسرے کی دوستی کرے گا یا ایک کو مانے گا۔ دوسرے کو ناچیز جانے گا' تم خدا اور

دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے ---- (لوقا ۱۳-۱۶)

۴- پس جو کوئی انہیں باتوں میں مسیح کی بندگی کرتا ہے- خدا کا مقبول اور آدمیوں کا پسندیدہ ہے- پس ایسی باتوں کی جن سے صلاح ہو اور ایک دوسرے کی ترقی ہو جائے پیروی کریں---- (روم ۱۴-۱۸-۹)

۵- ہر ایک جو اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہے- خونی ہے اور تم جانتے ہو کہ کوئی خونی حیات ابدی کو نہیں رکھتا کہ اس میں قائم رہے- ہم نے اس سے محبت کو جانا کہ اس نے ہمارے واسطے اپنی جان دے دی اور لازم ہے کہ ہم بھی بھائیوں کے واسطے جان دیویں پر جس کسی کے پاس دنیا کا مال ہو اور وہ اپنے بھائی کو محتاج دیکھے اور اپنے تئیں رحم سے باز رکھے تو خدا کی محبت اس میں کیونکر قائم رہ سکتی ہے- اے میرے بچو چاہئے کہ ہم کلام اور زبان سے نہیں کام اور سچائی سے محبت رکھیں-"

(یوحنا ۳ باب ۱۵ تا ۱۸)

قارئین: ان حوالوں کو بغور پڑھئے اور بتائے کہ پادری صاحب کا دعویٰ ان حوالوں سے ثابت ہو سکتا ہے' پادری صاحب کے طریق عمل سے ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں- کہ آئندہ ہم آپ کے پیش کردہ حوالہ جات کی جب تک تفتیش نہ کرلیں قبول نہیں کریں گے- کیوں؟ ؎

نہیں وہ قول کا پکا ہمیشہ قول دے دے کر
جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

اب قرآن مجید کا اِرشاد سنئے!

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ---- (پ۵:ع ۳)

ترجمہ یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو کسی چیز کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ قرابت داروں کے ساتھ' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ' نزدیکی

پڑوسیوں اور دور کے پڑوسیوں کے ساتھ' سفر یا مجلس میں پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ اور راہرو مسافروں کے ساتھ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ احسان و مروت کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ مغروروں اور متکبروں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں بکثرت ہیں۔ اس اخلاقی تعلیم کے علاوہ قومی اجتماعی کاموں کے متعلق جو ہدایت ہے وہ خاص طور پر قابل غور ہے چنانچہ اِرشاد ہے۔

وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ

(پ۱۸:ع۱۵)

ترجمہ ایمان داروں کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ رسول (یا نائب رسول صدر مجلس یا صدر انجمن) کے ساتھ کسی جامع کام میں مشغول ہوتے ہیں تو اس جگہ سے باہر نہیں نکلتے جب تک رسول (یا اس کے نائب) سے اجازت نہ لے لیں۔

نوٹ: آج کا زمانہ روشنی' تہذیب اور جمہوریت کا زمانہ کہلاتا ہے اس میں بھی یہ پابندی نہیں ہے۔ میونسپل کمیٹی سے لے کر اسمبلی تک یہ دستور ہے کہ جو ممبر کسی بات پر ذرا سا خفا ہو جائے وہ بغیر اجازت باہر نکل جاتا ہے۔ جس کو واک آؤٹ کرنا کہتے ہیں۔ یعنی بغرض اظہار ناراضگی مجلس سے باہر نکل جانا۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ بقایا ممبروں سے نصاب بھی پورا نہیں رہتا اس لئے بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اجتماع قومی کو یہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ صدر کی اجازت کے بغیر کوئی ممبر باہر نہیں جاسکتا۔ بایں ہمہ آزادی رائے کا حق سب کو حاصل ہے۔ جس کا ثبوت دربار رسالت اور خلافت راشدہ میں کافی ملتا ہے۔

اس کا اِظہار مولانا حالی مرحوم نے اِس شعر میں کیا ہے۔ ؎

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفوں سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

قارئین: ہماری پیش کردہ آیت کو دیکھئے جس میں ہر ایک مفلس محتاج اور اپاہج کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اسی کی تائید میں یہ حدیث بھی سامنے رکھ

لیجئے جس کے الفاظ ہیں۔

الخلق عیال اللّٰہ اقربھم الی اللّٰہ انفعھم لعیالہ -- (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث کا مضمون مولانا حالی مرحوم نے اس بند میں ادا کیا ہے۔ ؎

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا — کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا — خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا

یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دُنیا میں اِنسان کے انساں

ایک طرف اخلاق فاضلہ کی یہ تعلیم' دوسری طرف پادری صاحب کی یہ ستم ظریفی کہ قرآن کا اعلیٰ ترین نصب العین خلق خدا کی خدمت کرنا نہیں ہے----(حوالہ مذکور)

سچ ہے ؎

گل است سعدی و در چشم دشمناں خاراست

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"جبلت اجتماع پسندی اور نوعِ اِنسان کی کاملیت"

"اسلام میں بنی نوع اِنسان کی ترقی ایک موہوم شے ہے۔ جس مذہب نے بنی نوع اِنسان کو تیرہ سو سال سے خوف و دہشت کی حالت میں رکھ کر ان کے اعضائے رئیسہ کو مضمحل کر دیا ہو۔ کثرت ازدواج اور طلاق کو جائز قرار دے کر نوع اِنسانی کے نصف حصہ کی زندگی کو ہراساں کر رکھا ہو اور دوسرے حصہ کی اخلاقی حالت کو گرا دیا ہو۔ اولاد کے حقوق کی طرف سے لاپرواہی اختیار کر رکھی ہو۔ دنیا کے مصیبت زدوں' مظلوموں اور بے کسوں کو ان کی قسمت پر چھوڑ رکھا ہو۔ دنیا کے قریباً چوبیس کروڑ افراد کو چھوڑ کر باقی ایک ارب اور ستر کروڑ افراد کو کافر یا ذمی کہہ کر ان کو گردن زدنی قرار دیتا ہو۔ خیالات کی آزادی کو جرم عظیم گردانتا ہو اور علوم و فنون کی نشوونما اور ترقی کی راہ میں حائل ہو۔ غلامی کی قبیح رسم کو جائز قرار دیتا ہو۔ ہر فرد کی زندگی کی قدر اور وقعت کرنے کی بجائے اس کو ایک آزاد خود مختار اخلاقی ہستی بھی تسلیم نہ کرتا ہو۔ غرضیکہ جو مذہب اِنسانی فطرت کی تمام جبلتوں کے اقتضاؤں کے پورا ہونے میں

رکاوٹ کا باعث ہو- ایسے مذہب سے کیا امید ہو سکتی ہے- کہ وہ بنی نوع انسان کی ترقی کے اصول کی تلقین کرے یا نوع انسان کو کاملیت کی شاہراہ پر گامزن ہونے میں ممد و معاون ہو سکے- مسیحیت ہی ایک ایسا واحد مذہب ہے جس سے نوع انسانی کی امیدیں وابستہ ہیں- کلمتہ اللہ ہی ایسا یگانہ روزگار استاد ہے جس پر بنی نوع انسان کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں-"

(رسالہ مذکور صفحہ ۱۸۶' ۱۸۷)

قارئین!: پادری صاحب تو اپنی عادت (تکرار مضمون) میں مجبور ہیں اور ہم اختصار پسندی پر مجبور' اس لئے ہم آپ کو تکلیف دیتے ہیں کہ جواب کے لئے کتاب ہذا کے گذشتہ اوراق میں درج ہے- ؎

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں!
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

آگے چل کر پادری صاحب ایک سرخی یوں لکھتے ہیں-

"جبلت اجتماع پسندی اور ذات الٰہی"

مجیب: اس عنوان کے ماتحت بھی آپ نے وہی باتیں لکھی ہیں جو آپ بارہا لکھ چکے ہیں- مثلاً قرآن خدا کو بے پروا بتاتا ہے وغیرہ جس کا جواب گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے- البتہ یہ چند الفاظ قابل غور ہیں-

"خدا کا تصور جو مسیحیت پیش کرتی ہے- وہ جبلت اجتماع پسندی کے تقاضا کے مطابق ہے- خدا کی ذات محبت ہے (یوحنا ۴-۸ وغیرہ) چونکہ خدا ازل سے محبت ہے اور چونکہ اس کی ذات میں حدوث کا امکان نہیں- لہٰذا خدا کی ازلی محبت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا کی ذات میں ازل سے محب' محبوب اور محبت کا رشتہ موجود ہو- پس مسیحیت خدا کی وحدت میں ثالوث کی قائل ہے- یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس خدا کی ذات واحد میں محب محبوب اور محبت کے رشتہ کے طور پر ہیں- (متی ۱۹-۲۸' یوحنا ۱۴-۲۶' ۱۵-۲۶ وغیرہ) باپ ازل سے بیٹے کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور بیٹا باپ کے ساتھ محبت رکھتا ہے- (یوحنا ۵-۱۷' ۱۷-۲۴' ۵-۳۰ متی ۱۱-۲۷ وغیرہ) پس ہم جبلت اجتماع پسندی کے ذریعہ جو ہماری سرشت میں موجود ہے- خدا کی ذات کا علم حاصل

کر سکتے ہیں۔"----(صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

اس اقتباس کا مفصل جواب اوراق سابقہ میں آچکا ہے۔ قارئین ورق الٹ کر ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کی محبت کا ذکر آپ بار بار کرتے ہیں۔ جس پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ مگر آپ بائیبل کے ان حوالہ جات پر نظر نہیں کرتے جن میں ذکر ہے کہ مائی حوا کی غلطی کی سزا اس کی کل بنات کو دردزہ کی شکل میں ملتی آرہی ہے۔ اور بابا آدم کی غلطی کی سزا تمام مزدور پیشہ خصوصاً کسانوں کو پہنچ رہی ہے (پیدائش باب سوم) یہ کیسی محبت اور کیسا انصاف کیا ہی سچ ہے۔ ؎

ذرا سی بات پرائے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے
اسی کا نام الفت ہے محبت اس کو کہتے ہیں؟

قرآن کی تصدیق: پادری صاحب نے اس سے پہلے جو کچھ لکھا ہے قارئین اسے مع جواب پڑھ چکے ہیں۔ یہاں پہنچ کر آپ نے جو کچھ لکھا ہے۔ اسے بھی ہم نقل کردیتے ہیں تاکہ قارئین کو گونہ مسرت حاصل ہو۔ پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"اس (ہمارے کلام) کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تین خداؤں کے ماننے والے ہیں۔ ہم خدائے واحد کے قائل ہیں (مرقس ۱۲-۲۹، یوحنا ۳-۱۷، ا کر ۶-۸ وغیرہ) ہم شرک سے متنفر اور بیزار ہیں (خروج ۲۰-۳-۵) کر ۸-۱۴، اعما ۱۴-۱۵، ایوحنا ۵-۲۱، زبور ۱۱۵-۴-۸) ہم ان تمام باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ جن سے شرک کی بو آتی ہے (روم ۱۴-۲۱-۲۳) کر ۱۰-۱۹-۲۱، گلتی ۵-۱۳، ۱۴ وغیرہ) ہم خدا کو اکیلا اور واحد خدا تسلیم کرتے ہیں۔ ہم قرآن کے ہم نوا ہو کر کہتے ہیں کہ "بے شک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔" (مائدہ ۷۷) ہم بھی کہتے ہیں کہ "خدا کی نسبت حق بات بولو اور تین نہ کہو۔ باز آؤ تمہارا بھلا ہوگا۔ اللہ جو ہے وہ تو ایک ہی معبود ہے۔ (نساء ۱۶۹) قرآن کہتا ہے۔" اللہ کی کوئی جورو نہیں۔ اس کا بیٹا کیونکر ہوگیا۔ (انعام ۱۰۱) ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں۔ اور المسیح کی ابنیت کے قصور میں سے ہر طرح کے جسمانی اور دنیاوی عناصر کو خارج کرکے سورہ اخلاص کی آیات کو نہایت اخلاص سے پڑھتے ہیں کہ "اللہ نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ خود کسی سے جنا گیا اور اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔" (آیات ۳، ۴) ہم خدا کی ذات میں تین ہستیوں کے قائل نہیں۔ خدا ایک واحد ہستی ہے۔ ہم اس کی ہستی

میں جمع اور تفریق کو جائز قرار نہیں دیتے کہ کوئی کہے کہ ایک جمع ایک تین ہوئے کیونکہ خدا کی ذات میں اجزا نہیں۔ خدا روح ہے۔ اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔"----(صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰)

قارئین! ہم پہلے صفحات میں مفصل بتا چکے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت عیسائیوں کے دو گروہ تھے۔ جو آج بھی ملتے ہیں۔ ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں خدا ہیں۔ تین کہنے کے باوجود وہ کہتے تھے کہ خدا ایک ہی ہے۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ تھا کہ خدا نے مسیح کا جسم اختیار کیا۔ جیسا کہ پادری صاحب فرماتے ہیں۔

مسیحیت تجسم کی قائل ہے اور مانتی ہے کہ کلمۃ اللہ خدائے مجسم تھا جو ہمارے درمیان رہا (مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۹۷)

پادری صاحب نے یہ ہوشیاری کی ہے کہ قرآن مجید میں جو تین خدا کہنے والوں کا رد آیا ہے۔ جس کی مفصل تردید گذشتہ اوراق پر ہو چکی ہے۔ اس میں تو قرآن شریف کے ہم نوا ہو گئے۔ مگر ان کے عقیدے کا رد بالفاظ "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ" قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ اس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ اس پر خوب ناک بھوں چڑھایا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہے۔

"اگر قرآن شریف کا ان آیات سے یہ مطلب تھا کہ مسیحی عقیدہ پر اعتراض وارد کرلے تو اس نے مسیحی عقیدہ کے سمجھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی "سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ" دُنیا کے کل مسیحی بغیر کسی استثناء کے ایسے عقیدہ کو مذموم و مطعون گردانتے ہیں۔ کلیسائے جامع خدا کی وحدانیت کی قائل ہے۔ تاریخ کلیسا اس بات کی شاہد ہے کہ خدا کی توحید کے عقیدہ کو بحال اور مستحکم کرنے کی خاطر نیکایاح کی کونسل نے تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا عقیدہ واضح کیا تھا۔ اِسلام خدا کی وحدت کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن جب اِنسان یہ پوچھتا ہے کہ اس وحدت کا مفہوم کیا ہے تو جواب ملتا ہے کہ وحدت کا مطلب محض وحدت ہے۔ جب اِنسان اپنی جبلت استفسار سے مجبور ہو کر یہ جاننا چاہتا ہے کہ وحدت محضع کیا شے ہے۔ کیونکہ وہ اس قسم کی وحدت کو نہ تو عالم شہود میں اور اپنی فطرت اور سرشت میں اور نہ

اپنے روحانی تجربات میں پاتا ہے تو قرآن اس کو اپنے رعب اور اختیار سے خاموش کر دیتا ہے۔"---- (حج ۳۵، اخلاص ۱)---- (دین فطرت صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰)

مجیب: اس اقتباس میں آپ نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے کہ عیسائی قوم تین خداؤں کی قائل نہیں ہے۔ تثلیث کی مفصل بحث صفحہ ۷۰ سے ۸۲ تک ہو چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی مذہب تثلیث کہلاتا ہے اور یہی عقیدہ تمام عیسائیوں میں مقبول ہے اسی لئے پادری عبدالحق صاحب نے اپنے رسالے کا نام اثبات التثلیث فی التوحید رکھا ہے۔ ہم خوش ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ پادری برکت اللہ صاحب نے بھی اور پادری عبدالحق صاحب نے رسالہ مذکور میں مندرجہ عقیدہ مسترد کر دیا ہے۔ اس کی تردید میں آپ کا یہی فقرہ کافی ہے کہ خدا کی ذات میں اجزاء نہیں ہیں۔ حالانکہ پادری عبدالحق صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ کتاب ہذا میں گذشتہ صفحات پر نقل ہو چکے ہیں۔

کلام مقدس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ ذات الوہیم میں باپ بیٹا اور روح القدس تین اقنوم ہیں۔ متی ۱۸:۱۹ (رسالہ تثلیث صفحہ ۱۶)

اتنا بھی غنیمت ہے کہ پادری برکت اللہ صاحب تثلیث سے نکل کر توحید میں آگئے ہیں تاہم جو کسر باقی ہے اسے ہم نکال دیتے ہیں۔ آپ نے جو مذہب اختیار کیا ہے وہ آپ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"مسیحیت تجسّم کی قائل ہے اور مانتی ہے کہ مسیح کلمۃ اللہ خدائے مجسم تھا۔"

(مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۵۷)

مجیب: اس اقتباس سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب تجسّم خدا کے قائل ہیں۔ جس کا رد قرآن شریف نے بالفاظ "لَقَدْ كَفَرَا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ" کیا ہے مگر پادری صاحب کی جرات ملاحظہ ہو کہ آپ جس بات کا رد کرتے ہیں اسی کے قائل بھی ہیں۔ مثلاً نیکایاہ کے فیصلے کو صحیح سمجھ کر اس کا نام خود تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہتے ہیں۔ کہ ہم خدا کی ذات میں اجزا کے قائل نہیں ہیں۔ عیسائیوں کی جس کونسل کا بانی مبانی قسطنطین اعظم تھا۔ اس کا فیصلہ کتاب ہذا میں گذشتہ صفحات پر مفصل درج ہو چکا ہے۔ جس میں عقیدہ اتھاناسیس منظور ہوا تھا۔ اسی کا

نام تثلیث فی التوحید ہے۔ جس کا اقرار آپ اور پادری عبدالحق صاحب بالاتفاق کرتے ہیں۔ مگر آپ اقرار کے ساتھ انکار بھی کیے جاتے ہیں۔ تثلیث فی التوحید ایسا ٹیڑھا مسئلہ ہے کہ خود پادری حضرات اس کو مغلق ترین مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ کتاب ہذا میں گذشتہ صفحات پر درج ہو چکا ہے۔ تاہم قریب الفہم کرنے کو ہم اس کی مثال دیتے ہیں۔

مثال: ایک شخص عبداللہ نامی اپنی دکان کا مالک ہے اس کے دو بیٹے دکان کے کاروبار میں برابر کے شریک ہیں۔ ان تینوں کی کاروباری حیثیت کو ملحوظ رکھ کر لوگ تینوں کو مالک کہتے ہیں اور باپ کے اصل مالک ہونے کے لحاظ سے دکان کا مالک ایک بھی کہا جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں اتھاناسیس کے اس قول کے۔

باپ قادر مطلق بیٹا قادر مطلق روح القدس قادر مطلق تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک قادر مطلق۔ (تفصیل کتاب ہذا میں ملاحظہ ہو)

اللہ اللہ عیسائی راہنماؤں کے اقوال صریحہ کی موجودگی میں آج ہمارے کان میں آواز آتی ہے کہ قرآن نے مسیحی عقیدہ کو نہیں سمجھا۔" یا للعجب!

چونکہ پادری صاحب مسئلہ تثلیث کی نفی کرتے ہیں اور تجسّم کے قائل ہیں۔ اس لئے ہم ان کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ کتاب ہذا میں بحث تثلیث کو غور سے پڑھیں جو صفحہ ۷۰ سے صفحہ ۸۳ تک بالتفصیل کی گئی ہے۔ اسی میں عقیدہ تجسّم کا رد بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہم اس جگہ انجیل کا ایک مقام پیش کرتے ہیں جو آپ کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کن ہے۔ سنئے! مسیح فرماتے ہیں۔

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" ---- (یوحنا باب ۱۷، ۱ از بائیبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء)

جس وقت مسیح نے یہ فرمایا تھا کہ اس وقت بھی آپ مجسم خدا تھے۔ اگر اس وقت بھی خدا تھے تو آپ کا یہ فرمانا کہ یسوع کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" کیا معنی رکھتا ہے یہ اثنیت (دوئی) کیسی ہے۔ کیا اس مسیحائی ارشاد کا عربی ترجمہ ان الفاظ میں صحیح نہیں ہے؟

لا الہ الا اللہ مسیح رسول اللہ

اگر یہ عربی ترجمہ صحیح ہے تو پادری صاحب کے عقیدہ تجسّم خدا کی تردید کے لئے اور

کسی دلیل کی ضرورت ہے (تجسم خدا کی بحث گذشتہ صفحات پر ملاحظہ ہو)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"اسلام خدا کی وحدت کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن جب انسان یہ پوچھتا ہے کہ اس وحدت کا مفہوم کیا ہے تو جواب ملتا ہے۔ کہ وحدت کا مطلب محض وحدت ہے۔۔۔۔ (صفحہ ۱۹۰)

مجیب: ہمیں معلوم نہیں کہ اسلام نے یا علمائے اسلام نے ایسا کہاں کہا ہے۔ ہاں اگر آپ یہ کہیں کہ خدا روح ہے اور اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔۔۔۔۔۔ (صفحہ ایضاً) تو بے غبار صحیح ہو اور جب قرآن یوں کہے کہ "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" تو آپ اس پر اعتراض کریں اور اس کے باوجود سورہ اخلاص کو اخلاص کے ساتھ پڑھنے کا اظہار بھی کریں۔ کیا ہی سچ ہے۔ ؎

ہم جو چپ ہوں تو سڑی کہلائیں
شیخ چپ ہو تو توکل ٹھیرے

پادری صاحب! یہی سوال اگر مسیحیت پر وارد ہو کہ حسب تعلیم انجیل یوحنا باب ۱۷ خدائے واحد کے کیا معنی ہیں؟ یہ وحدت کیسی ہے۔ جنسی ہے یا نوعی یا صنفی؟ تو آپ اس سوال کا کیا جواب دیں گے؟ بے شک پادری عبدالحق اور پادری سلطان محمد خاں سے مشورہ کر کے جواب دیجئے۔ اور ان سے یہ بھی پوچھئے کہ اپنا گھر شیشے کا بنا کر دوسروں پر پتھر برسانے والا کون ہوتا ہے؟

آگے چل کر پادری صاحب نے پھر وہی اعتراض کیا ہے کہ اسلام خدا کو باختیار سلطان کی طرح مانتا ہے اور مسیحیت خدا کو مہربان باپ قرار دیتی ہے۔ ان سب باتوں کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۱۱۴ اس بحث کے اخیر میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ۔

قرآن مجید میں اس تعلیم کی تصریحات بکثرت ملتی ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ "لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ"۔۔۔(پ ۵: ع ۸) (تمہاری ذات کے سوا کسی اور کو تکلیف نہیں دی جائے گی)

۲۔ "عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ"۔۔۔(پ ۷: ع ۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی حفاظت لازم ہے۔ جب تم ہدایت

یاب ہوگئے۔ تو گمراہ لوگ تم کو ضرر نہ پہنچائیں۔

۳۔ "اَلاَّ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"---(پ ۲۷:ع ۷)

ترجمہ کوئی گناہ کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۴۔ "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"---(پ ۳:ع ۸)

ترجمہ جو کام کسی نے اچھا کیا ہے اس کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور جو برا ہے۔ اس کا نقصان بھی اسی کے لئے ہے۔

پادری صاحب سے یہ آیات اسی طرح مخفی رہی ہیں۔ جس طرح مسیح نے فرمایا ہے کہ ریاکار دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتا ہے۔ مگر اسے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ (متی باب ۷)

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

"جبلت تحکم اور جبلت عجز"

تحکم کے معنی ہیں دباؤ اور عجز کے معنی ہیں عاجزی اور تواضع۔ اس کے متعلق پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"دین فطرت کا یہ کام ہے کہ تحکم اور خودنمائی کے جذبہ کو حد سے نہ بڑھنے دو" (صفحہ ۱۹۴)

پھر لکھتے ہیں۔

"کلمۃ اللہ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو کوئی اپنے آپکو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا۔ اور جو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔"---صفحہ ۱۹۶)

یہ بھی صحیح ہے۔ اس کے ساتھ قرآن شریف کی تعلیم بھی آپ نے دیکھی یا سنی ہے سنئے قرآن شریف تو ان دونوں باتوں کی جزا سزا بھی ایسی بتاتا ہے۔ جو کسی کتاب نے نہیں بتائی ہوگی۔ بڑائی کا اظہار کرنے والے کا نام متکبر رکھتا ہے اور کہتا ہے۔

"اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ"---(پ ۲۴:ع ۳)

کیا تکبر کا اظہار کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے؟ ضرور ہے۔

نیز تواضع اور عاجزی اختیار کرنے والوں کے حق میں فرماتا ہے:-

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ---- (پ۲۰:ع۱۲)

آخرت کا یہ گھر ہم ان کو عطا کریں گے جو دنیا میں بلندی و برتری یا فساد کا ارادہ نہیں کرتے۔

پادری صاحب اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں؟ آگے چل کر صفحہ ۱۹۹ پر لکھتے ہیں کہ

"پس مسیحیت تحکم اور خود نمائی کو حد سے بڑھنے نہیں دیتی۔ ہر طرح کے غرور لاف و گزاف کا استیصال کرتی ہے پس مسیحیت دین فطرت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"

مجیب: بے شک مسیحیت یہ صلاحیت رکھتی اگر اس میں یہ تعلیم نہ ہوتی کہ بنی اسرائیل ہی انسان ہیں باقی سب لوگ کتے ہیں۔

"مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو پھینکی جائے۔" ---- (متی ۱۵'۲۶)

پادری صاحب اسی ضمن میں قرآن مجید پر حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"قرآن کی تعلیم ہے کہ مسلمان اپنے لوگوں کو ہی سلام کریں اور غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں (نور ۶۱) لیکن اگر وہ سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب دیں (نساء ۸۸) مسلمان مرد عورتوں پر حاکم ہیں (نساء ۳۹) غرض یہ کہ قرآنی تعلیم بے جا غرور، فخر اور جھوٹی عزت اور شان کی حمایت کرتی ہے۔ لیکن انجیل جلیل کی تعلیم اس قسم کے جذبات کے منافی ہے۔" ---- (متی باب ۵: ۴۳ تا ۴۸ صفحہ ۲۰۰)

مجیب: ہم کہاں تک پادری صاحب کے ظلم اور تحکم کی شکایت کریں۔ آپ قرآن کے ذمے وہ مضامین ٹھونستے ہیں جو قرآن میں نہیں آپ نے سورہ نور کی آیت ۶۱ کا حوالہ دیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ ---- (پ۱۸:ع۱۴)

ترجمہ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے ہم جنسوں کو جو وہاں بیٹھے ہوں سلام کہا کرو۔

کے معنی ہم جنس کے بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ---- (پ۲۱:ع۶)

ترجمہ "خدا نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں۔"

مگر ہم اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایک اور آیت پیش کر دیتے ہیں۔ جو فیصلہ کن ہے۔ غور سے سنئے!

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا ---- (پ۱۸:ع۱۰)

ترجمہ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو جب تک تم معلوم نہ کرو (کہ تم جس سے ملنا چاہتے ہو وہ گھر میں ہے یا نہیں) اور اہل خانہ پر سلام کیا کرو۔

پادری صاحب!: میں کبھی آپ کے دولت خانہ میں بغیر سلام کئے جا بیٹھوں تو میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ یہ آیت میرے سامنے پیش کر کے سلام کا تقاضا کریں۔

اے قرآن: اللہ رے تیری شان کہ منکرین تیری جس بات پر اعتراض کریں تو خود ہی اس کا جواب دے دیتا ہے!

قارئین! سوامی دیانند کی "سیتارتھ پرکاش" میں قرآن مجید پر ۱۵۹ اعتراضات درج ہیں اور مہاشہ دھرم پال سابق نو آریہ حال مسلمان کی کتاب "ترک اسلام" میں قرآن مجید پر ۱۱۱۶ اعتراضات درج ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ ان دونوں معترضوں نے باوجود بے راہ روی کے اس قدر تحکم اور ظلم سے کام نہیں لیا۔ جس قدر پادری برکت اللہ صاحب نے لیا ہے۔ ہمیں اس کا افسوس ہے۔ جس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ کہ آپ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ مسیح کی بھیڑوں میں سے ہیں۔ یعنی ایک بے ضرر قوم کے فرد ہیں۔ اس موقع پر ہمیں مولانا حالی مرحوم کی ایک رباعی یاد آگئی ہے۔ جو یہ ہے۔ ؎

حالی راہ راست جو چلتے ہیں سدا — خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر
بھیڑوں کے لباس میں جو ہیں جلوہ نما

اس سے آگے پادری صاحب نے صفحہ ۲۰۲ پر یہ عجیب سرخی قائم کی ہے۔

"تحکم کی جبلت محمد عربی اور مسیح ناصری"

اس سرخی کے ماتحت آپ نے عجیب رنگ دکھائے ہیں- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کے ہم نواؤں نے شان الوہیت اور مرتبہ رسالت پر غور نہیں کیا- پس توجہ سے سنئے- ہر فن اور ہر حکومت میں ایک منتہائے کلام ہوتا ہے- جہاں پہنچ کر جھگڑا ختم ہو جاتا ہے- مثلاً رعیت کے لئے بادشاہ کی ذات منتہائے نزاع ہے اور اس کے مقرر کرنے سے ہائیکورٹ (عدالت عالیہ) منتہائے نزاع ہے- یہ ایسی صداقت ہے کہ کسی فرد انسان کو اس میں کلام کی گنجائش نہیں ہے- اس اصول کو ملحوظ رکھ کر پادری صاحب کی سنئے- آپ لکھتے ہیں کہ-

"قرآن اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہے- ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اللہ کی سطوت اور جبروت کے منوانے پر نہایت غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے-"

(آل عمران ۲۹' ۱۲۶ نساء ۶۲ مائدہ ۹۳ وغیرہ صفحہ ۲۰۲)

مجیب: ان آیات میں صرف ایک ہی حکم ہے کہ اللہ اور رسول کی تابعداری کرو- نہ اس میں غلو ہے نہ مبالغہ ہے- بلکہ اسی قاعدے کے مطابق اللہ کی ذات اور اس کے بنانے سے رسول خدا ہائیکورٹ (عدالت عالیہ) کی حیثیت سے منتہائے کلام ہیں- شروع سے کل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم یہی چلی آئی- حتی کہ خود مسیح نے بھی فرمایا کہ "میرے حکموں پر عمل کرو-" (یوحنا ۱۴' ۱۵) جناب مسیح کا یہ ارشاد (بقول مسیحیاں اگر خدائے مجسم ہونے کی حیثیت سے ہے تو بھی صحیح ہے- اگر بحیثیت رسالت کے ہے تو بھی صحیح ہے- پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کو اس پر کیا اعتراض سوجھا ہے- ہم کھلے لفظوں میں کہتے ہیں- تمام موافق اور مخالف دل کھول کر سن لیں کہ-

ہم بتعلیم قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ذات کو منتہائے کلام جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کے بنانے سے ایسا ہی سمجھتے ہیں- ہاں دونوں میں فرق ذاتی اور عرضی کا ہے- یعنی خدا اپنی ذاتی حیثیت سے منتہائے کلام ہے اور رسول منصب رسالت کی وجہ سے اس لئے ہمیں آنحضرت ﷺ کی اطاعت کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں- خود انہی کا قول و فعل کافی سند ہے- ہم ان دو ہستیوں کے علاوہ کسی اور کا قول و فعل' دلیل اور حجت

شرعی نہیں جانتے۔

تعجب بالائے تعجب ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ اور رسول کا حکم واجب الاطاعت اور موجب نجات ہونا پادری صاحب کو کھٹکا ہے۔ حالانکہ ان کا اپنا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک مبلغ مسیحیت کی تصنیفات بلکہ خطوط کو بھی الہامی نوشتے قرار دے کر واجب التعمیل مانتے ہیں۔ اللہ اللہ کس قدر بے انصافی ہے۔ ؎

تمہیں تقصیر اس بت کی جو ہے میری خطا لگتی
ارے لوگو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

بس یہ اعتراض کچھ قابل توجہ نہیں ہے۔ ہم جس طرح پیغمبر اسلام علیہ السلام کی شخصیت کو تمام امت محمدیہؐ کے لئے اسوہ حسنہ سمجھتے ہیں اسی طرح کل انبیائے کرام کو اپنی اپنی امت کے لئے نمونہ کاملہ جانتے ہیں۔ قرآن مجید اس اصول پر فلسفیانہ رنگ میں تنبیہہ کرتا ہوا کہتا ہے۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ---- (پ۱۸:ع ۴)

ترجمہ "کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کے منصب رسالت کو پہچانا نہیں ہے کہ اس سے انکار کر رہے ہیں۔"

ہم مانتے ہیں کہ قرآن مجید نے خدا کی سطوت اور جبروت منوانے پر بہت زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ مصنوعی خداؤں کے حق میں فرمایا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ ---- (پ۶:ع ۳)

ترجمہ "مسیح کو خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں ہے۔"

انہی معنی میں مولانا حالی مرحوم کا ایک مسدس ہے جو اپنے مضمون میں بالکل صحیح ہے۔ ؎

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں　　مہ و مہر ادنے سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں　　نبی اور صدیق مجبور ہیں واں!
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں
نہ پرسش ہے احبار و رہبان کی واں

صَدَقَ اللّٰہُ! کُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ

بے دین منافقوں نے مخلص مسلمانوں کو شبہات میں ڈالنے کے لئے یہ رسم نکالی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے قریب جاکر آپ کے کان سے منہ لگا کر کوئی بات کہہ دیتے۔ جس سے مسلمانوں کو خیال ہو تا کہ لوگ دربار رسالت کے مقربین میں سے ہیں اس لئے حکم نازل ہوا کہ رسول کے کان میں بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔

اس سے غرض یہ تھی کہ یہ فتنہ مٹ جائے۔ پادری صاحب کو اس پر بھی اعتراض ہے گذشتہ صفحات پر ہم نے کہا ہے کہ خدا کے مقرر کر دینے سے رسول کی حیثیت ہائی کورٹ کے چیف جج کی سی ہے پھر اس کا فیصلہ کیوں ناطق نہ ہو اور خاص کر بحیثیت مذہبی پیشوا اور بحیثیت نائب خدا ہونے کے اس کے فیصلے پر چون و چرا کی گنجائش کیوں ہو۔ مگر پادری صاحب کو اس پر بھی اعتراض ہے۔ میں ان اعتراضوں کی قدر کرتا ہوا صرف اتنا کہتا ہوں کہ۔ ؎

مجھ میں ایک بڑا عیب ہے کہ وفادار ہوں میں

اب سنئے پادری صاحب جناب مسیح کے حق میں لکھتے ہیں کہ

"اس کے برعکس اگر ہم ابن عبداللہ کی زندگی پر سطحی نظر ڈالیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ گو آپ حلم اور فروتنی کا نمونہ تھے۔ (متی ۱۱: ۱۹) تاہم آپ کے حلم اور فروتنی کا مطلب نہ تھا کہ آپ پست ہمت تھے یا آپ اپنی ذات اور خودداری کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ کہ آسمان و زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا (متی ۲۸: ۱۸) میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا ہے (متی ۱۱: ۲۷) آپ ہر طرح سے صاحب اختیار تھے (یوحنا ۳: ۳۵ ایضاً ۱۳: ۳) یہاں تک آپ نے فرمایا کہ آپ روز حشر دنیا کا انصاف کریں گے لیکن آپ باوجود صاحب اختیار ہونے کے پرلے درجے کے فروتن اور حلیم تھے۔" ---- (صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴)

مجیب: ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پادری صاحب اس مقابلہ میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اور کہاں تک ناکام، ہم سے پوچھیں تو ہم یہ صاف بات کہنے سے نہیں رک سکتے کہ ہمارا نبی دوسرے انبیائے کرام کی طرح عبدہ و رسولہ ہے اسی لئے حضور بحکم خدا کھلے الفاظ میں اعلان کرتے ہیں۔

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ---- (پ۲۹:ع۱۲)

(اے پیغمبر! علی الاعلان کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تمہارے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا)

مسیح کے حق میں مسیحیوں کے ایسے غالیانہ اقوال سن کر حضور علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا وہ مولانا حالی مرحوم کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔ ؎

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا — کہ سمجھے ہیں عیسیٰ کو بیٹا خدا کا

مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا — میری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا

سب انسان ہیں واں جس طرح سرفگندہ

اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

اللہ اللہ! کس قدر صاف گوئی اور رشد وہدایت سے بھرپور کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت کے مقابلہ میں اپنی خالص عبودیت کا اظہار کیا جارہا ہے۔

لطیفہ: خدا کرے کہ کبھی پادری صاحب کا مقابلہ ان غالی مسلمانوں سے ہو جائے جو اپنی محفلوں میں کہتے ہیں۔ ؎

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہوکر

اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہوکر

تو ہم بھی ان بہادروں کا مقابلہ دیکھیں۔ اللہ اللہ کس قدر خدا کی اور انبیاء کرام کی توہین ہے۔ خدا ان سب کو ہدایت کرے۔ آمین!

باقی رہا مسیح کے حلم کا دعویٰ۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے۔ ہاں اس سے اختلاف ہے کہ آپ اس وصف کو مسیح کی ذات سے مخصوص ٹھیراتے ہیں۔ "تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى" سنئے ہم آپ کو قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سناتے ہیں ارشاد ہے۔

۱- "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ"----(پ۴:ع۸)

ترجمہ (اے پیغمبر! خدا کے فضل سے تم بڑے نرم دل واقع ہوئے ہو)

۲- "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"----(پ۲۹:ع۳)

ترجمہ "اے! تم اعلیٰ اخلاق پر ہو۔"

پادری صاحب! اگر مزاج مساعی کے خلاف نہ ہو تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اپنے مخالفوں کو سانپ اور سانپوں کے بچے (متی ۱۲: ۳۴) بد اور حرامکاری (متی ۱۲:۳۹) کہنے والا بھی

حلیم ہو سکتا ہے پادری صاحب! کیا مسیح کا یہی حکم ----(دنیا کو دکھاؤ گے جس کے جواب میں مسکین مخاطب کو یہ کہنے کا موقع ملے۔ ؎

بدم گفتی و خور سندم عفاک اللہ نکو گفتی

اسی ضمن میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ

"ابن اللہ نے اپنے نمونہ سے ہم کو سکھایا ہے کہ ہم کو دوسروں کی خاطر اپنے حقوق سے دستبردار ہو جانا چاہئے۔" ----(صفحہ ۲۰۵)

قرآن مجید نے اس کے متعلق جو تعلیم دی ہے وہ اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ارشاد ہے۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ---- (پ۲۸:ع۴)

کامل مسلمان (انصار کرام) اپنی حاجت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔ ان دونوں تعلیموں میں جو فرق ہے اس پر غور کیجئے۔

مثال ۱: کسی محلے میں دو شخص رہتے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے بوجہ ناداری سے کچھ قرض لیا۔ پادری صاحب کی منقولہ ہدایت کے مطابق قرض خواہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنا حق چھوڑ دے۔ قرآن شریف بھی اس کے متعلق یہی ہدایت فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ---- (پ ۳ : ع ۶)

ترجمہ اگر تمہارا مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک اس کو مہلت دیا کرو۔ اگر بنیت صدقہ قرض معاف کر دو تو تمہارے حق میں بہت اچھا ہے۔

ان کے علاوہ دو شخص اور ہیں۔ دونوں کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ ایک کے پاس روٹی ہے اور دوسرے کے پاس نہیں۔ آپ کی پیش کردہ ہدایت اس موقع پر کیا کہتی ہے۔ کچھ نہیں کہتی بلکہ خاموش ہے۔ قرآنی آیت "وَلَوْكَانَ" اس روٹی والے کو ترغیب دیتی ہے کہ تم اپنی بھوک کو مغلوب کر کے بھی یہ کھانا دوسرے کو کھلا دو۔ اللہ اللہ! اس تعلیم میں کس قدر رحمت و شفقت دی ہے، قرآن کے منکرو!

بس تنگ نہ کرنا ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھادے دہن ایسا کمر ایسی

آگے چل کر پادری صاحب نے صفحہ ۲۰۸ پر ایک سرخی یوں لکھی ہے۔

"جبلت حصول و اکتساب": اسی سرخی سے مراد یہ ہے کہ انسان میں کسی نہ کسی چیز کو حاصل کرنے کی فطری خواہش پائی جاتی ہے۔

چنانچہ شروع مضمون میں پادری صاحب لکھتے ہیں کہ۔

"ہر انسان میں اشیاء کو فراہم کرنے اور ذخیرہ جمع کرنے کی اقتضا کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ اکتساب و حصول کی جبلت انسانی فطرت میں داخل ہے۔"----(صفحہ ۳۰۸)

ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ قرآن مجید اس کی تصدیق کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔

ترجمہ "ہر نفس حصول مدعا کا لالچی ہے۔"

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

"دین فطرت کا کام ہے کہ اس جبلت کے رجحان کو کم مایہ اور بے حقیقت اور ادنیٰ اشیاء کی طرف سے ہٹا کر ایسے اعلیٰ ترین مقاصد کو حاصل کرنے کی جانب راغب کرے۔ جس سے انسان کی ذاتی ترقی اور بنی نوع انسان کی بہبودی مقصود ہو۔"----(صفحہ ۲۰۹)

اس کو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے آگے آپ لکھتے ہیں کہ

"مسیحیت ہم کو تعلیم دیتی ہے کہ دولت ایک بے مایہ ہیچ ادنیٰ اور بے حقیقت شے ہے اور ہماری زندگی کا یہ نصب العین ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ کہ ہم اس کے جمع کرنے میں منہمک ہو جائیں۔ جو کوئی اپنے آپ کو دولت مند بناتا ہے۔ وہ نادار ہے اور جو کوئی اپنے آپ کو کنگال بناتا ہے وہ بڑا مالدار ہے۔ (امثال ۱۳: ۷ مسیح کا قول ہے کہ) جو لوگ دولت پر بھروسہ رکھتے ہیں ان کے لئے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا نہایت مشکل ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو (مرقس ۱۰: ۲۳) نیز فرمایا کہ اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے ہیں اور چراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا

ہے نہ زنگ۔"----(صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱)

ان حوالہ جات پر بنا کر کے پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

"سطور بالا سے ظاہر ہے کہ مسیحیت جبلت حصول و اکتساب کو ناکارہ نہیں بناتی یہ ہماری سرشت میں داخل ہے۔ لہٰذا مسیحیت اس جبلی فطرت کو ضائع نہیں کرتی بلکہ اس کی جبلت کے رجحان کو زور مال جیسی بے حقیقتی اشیاء کے جمع کرنے کی طرف سے ہٹا کر اس کا رخ اعلیٰ مقاصد کی طرف کر دیتی ہے۔"----(صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴)

تمثیل: ہم اس دل خوش کن تعلیم کو ذرا واضح کرنے کے لئے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ مسیحیت ہر شخص کو اجازت دیتی ہے کہ وہ دولت کمائے۔ خواہ بذریعہ علم کمائے یا بذریعہ تجارت، خواہ اس کی آمدنی سو نہیں بلکہ ہزار نہیں بلکہ دس ہزار تک پہنچ جائے۔ ایسا کرنا مسیحیت کے خلاف نہیں۔ مگر اس رقم میں سے جتنا اس کی ضرورت سے زائد ہو۔ وہ سارا نیک کاموں میں خرچ کر دے اگر رکھے گا تو نجات سے محروم ہو جائے گا۔ اس تشریح کے بعد ہمارے خیال میں اس کی تردید کرنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ دنیا کا ہر ایک گوشہ خصوصاً مسیحی ممالک اس کی عملی تردید کر رہے ہیں اس تعلیم کے پیش نظر ممالک مسیحیہ (یورپ اور امریکہ وغیرہ) کو دیکھا جائے تو ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا جو بادشاہت میں داخل ہو کر نجات کا حق دار ہو سکے۔ میرا حسن ظن تو یہاں تک ہے کہ اس تعلیم پر پادری برکت اللہ صاحب اور ان کے احباب کا بھی عمل نہ ہو گا۔ ان کے گھر میں بھی تھوڑا بہت اثاثہ البیت ضرور ہو گا اور ایسا کرنا عقل مندی کی نشانی ہے۔ پھر کیا پادری صاحب اور ان کی پارٹی پر یہ شعر صادق نہ آئے گا۔ ؎

ترک دنیا بمردم آموزند خویشتن سیم و غلہ اندوزند

اس کے بعد پادری صاحب قرآن پر متوجہ ہو کر لکھتے ہیں۔

"قرآن میں ایسی آیات پائی جاتی ہیں جو زر اور دولت کے حصول کو ہیچ اور ادنیٰ بتلاتی ہیں۔ لیکن ایک طرف تو قران ان چیزوں کو کم مایہ قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف انہی چیزوں کو بہترین مرغبات میں شمار کر کے مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو جہاد کے لئے ابھارتا ہے۔"

-----(سورہ انفال اور ۴۲، فتح ۱۵)

"جو تم لوٹ کے لائے حلال پاک ہے تم کھاؤ۔" (انفال آیت ۷۰) یوں قرآن اس دنیا کے مال و اسباب اور مال بھی ایسا جو لوٹ کے ذریعہ حاصل کیا ہو) کم مائیگی کے اصول کو خود ہی زائل کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ روپیہ کے ذریعہ لوگوں کے "دل اسلام کی طرف راغب کرنا جائز ہے۔" ---- (توبہ' آیت ۱۶) صفحہ (۲۱۹'۲۲۰)

مجیب: ہائے تعصب تیرا برا ہو تو کیسے کیسے مدعیان علم و عقل سے غلطیاں کراتا ہے۔ قرآن شریف چونکہ ایک باحکمت کتاب ہے جس میں انسانی تمدن کے ہر شعبے کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ علم اقتصادیات (پولیٹیکل اکانومی) آج کمال ترقی پر پہنچ گیا ہے۔ اس علم کے قواعد اساسی کو اسلام خوب ملحوظ رکھتا ہے اور نبھاتا ہے۔ مال کمانے کی ترغیب دیتا ہے۔ تجارت زراعت' صعنت و حرفت وغیرہ ہر کام کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔

بذریعہ کسب و تجارت اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔

پھر اسی طریق سے جو حاصل ہو اس کے متعلق ہدایت کرتا ہے۔

اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

(پ۲:ع۵)

ترجمہ: اپنی پاک کمائی میں سے اور ہماری اگائی ہوئی زمینی پیداوار میں سے بھی راہ خدا میں کچھ خرچ کیا کرو۔

اس کے علاوہ فرمایا۔

حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ---- (پ۷:ع۴)

ترجمہ: (زمین پیداوار حاصل کرنے کے دن خدا کا حق بھی ادا کیا کرو۔ یعنی بقدر وسعت غربا اور مساکین کو بھی دیا کرو۔

یہاں تک تو انجیل اور قرآن ایک دوسرے کے ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ اس سے آگے جس مقام پر جدا ہوتے ہیں۔ آپ کو علیحدگی کا وہ کانٹا بھی دکھا دیتے ہیں۔ آپ جو چاہیں راستہ اختیار کرلیں۔ آپ نے انجیل کے جو حوالے نقل کئے ہیں۔ ان سب کا ملخص مضمون اس مصرع میں ہے۔ ؎

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

اس کے خلاف قرآن مجید علم اقتصادیات کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتا ہے۔

لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ---- (پ۱۵:ع۲)

خیرات کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو نہ بالکل بند رکھا کرو اور نہ کھلا چھوڑ دیا کرو۔ اگر ایسا کیا تو افسوس اور حسرت کی حالت میں بیٹھے رہو گے۔

اللہ اللہ! کس قدر حکیمانہ تعلیم ہے۔ جس سے غربا اور مساکین کی حاجت روائی بھی ہو اور نظام عالم میں بھی خلل نہ آئے۔ برخلاف اس کے کہ خیرات میں سارا مال خرچ کر دیا جائے جس کا نتیجہ قرآن نے بتلا دیا کہ تم خود مفلس اور تنگ دست ہو جاؤ گے۔ [1]

ایک سوال: میں با انصاف قارئین کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتا ہوں۔ کسی قصبے میں دو ہزار کی آبادی ہے۔ ان میں چند اشخاص متمول ہیں۔ جو جائز طور پر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کے پاس بہت سے مزدور پیشہ لوگ ہیں۔ جو محنت مزدوری کے ذریعہ اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ انجیل میں ان متمول لوگوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا سارا مال خدا کے راستے میں خرچ کردو۔ پھر یہ مال جس کے ہاتھ میں جائے گا۔ اس کو بھی یہی حکم ہو گا۔ کہ تم آگے دے ڈالو۔ اس کے بعد جس کے ہاتھ جائے گا۔ اس کو بھی یہی حکم ہو گا۔ آخر یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔ ہاں اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلے گا کہ یہ لوگ یا تو مزدور پیشہ میں مل جائیں گے یا کاسہ گدائی ہاتھ میں لے کر کہتے پھریں گے کہ۔

ہے کوئی داتا جو روٹی کھلا دے!

پادری صاحب! تاریخ کلیسا میں آپ کوئی زمانہ ایسا دکھا سکتے ہیں۔ کہ لوگوں نے اس حکم پر عمل کیا ہو۔ اگر نہیں دکھا سکتے تو نتیجہ صاف ہے کہ اس قسم کی تعلیم کاغذوں میں تو سما سکتی ہے۔ عمل میں نہیں آسکتی۔ اس لئے ایسا مذہب دین فطرت نہیں ہو سکتا۔ ہاں قرآن مجید کی تعلیم عمل میں آسکتی ہے۔ بلکہ کل دنیا کے عمل میں آرہی ہے۔ اسی لئے قرآن ہی دین فطرت ہے۔ قرآن پادری صاحب کو للکار کر کہتا ہے۔ ؎

---

[1] باقی جواب کے لئے صفحہ ۱۱۲ ملاحظہ ہو (مجیب)

بس ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پرا

پادری صاحب کی تعلی:

ملاحظہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں کہ

"قرآن جبلت حصول و اکتساب کی قوت کو بے حقیقت اشیاء کی طرف سے نہیں ہٹاتا۔ اس کی طاقت کے رجحان کو کسی اور بہتر مقصد اور نصب العین کی طرف نہیں کر سکتا۔ مسیحیت جبلت حصول و اکتساب کے اقتضا کو تسلیم کرکے اس رجحان کو زر جیسی بے حقیقت اشیاء سے ہٹادیتی ہے۔ اور اس کا رخ اعلیٰ مقاصد کے حاصل کرنے کی جانب لگاتی ہے۔"---(دین فطرت صفحہ ۲۲۱، ۲۲۲)

مجیب: ہمارا گمان بلکہ یقین ہے کہ جو شخص ایک دفعہ بھی سرسری نظر سے قرآن کا سادہ ترجمہ کسی زبان میں دیکھ لے وہ بھی یقین کرلے گا کہ قرآن ہر حکم میں بلکہ ہر کام میں اعلیٰ مقصد (رضاالٰہی) کی طرف توجہ دلا کر راغب کرتا ہے۔ اسی لئے انفاق کے موقع پر فی سبیل اللہ کا لفظ بار بار فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ پادری صاحب کے لئے فیصلہ کن تعلیم ہم صریح الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

۱۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ---(پ۳:ع۱۰)

۲۔ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ---(پ۳:ع۵)

۳۔ مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَا اللّٰهِ بَاقٍ---(پ۱۴:ع۱۹)

۴۔ وَمَا لِاَ حَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزٰى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهٖ لَا عْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ---(پ۳۰:ع۱۷)

ترجمہ:

۱۔ لوگوں کو فطرۃ بعض چیزوں کی محبت ہوتی ہے جو ان کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلا

عورتیں بیٹے' سونے چاندی سے بھرپور خزانے' عمدہ عمدہ گھوڑے' چوپائے- اور کھیتیاں یہ تو محض دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے-

۲- جو بھی خرچ کرو- وہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے کرو-

۳- تمہارے پاس جو مال ہے وہ تو ختم ہو جائے گا اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہے گا- یعنی نیک اعمال کا بدلہ پائیدار ہو گا-

۴- اس پر کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے گا- بلکہ وہ اپنے عالیشان پروردگار کی رضا چاہتا ہے اور ضرور اس سے راضی ہو جائے گا-

پادری صاحب!: دیکھئے ان آیات میں انسان کا مقصد اعلیٰ کیسے صاف الفاظ میں رضائے الٰہی قرار دیا گیا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ اس وزن کی آیات نہ انجیل میں ہیں نہ دوسرے صحف انبیاء میں- باوجود اس کے آپ انکار ہی کئے جائیں تو میں کہوں گا-

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

اشتراکیت اور مسیحیت: اسی کتاب (دین فطرت) کے خاتمہ پر پادری صاحب نے ایک مضمون بعنوان اشتراکیت اور مسیحیت-" لکھا ہے جو قریباً بیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس میں آپ نے روس کے معاشی نظام کا ذکر کر کے اس میں کچھ برائیاں بتائی ہیں- پھر مسیحیت کو اس کا نعم البدل قرار دیا ہے- مگر قرانی تعلیم پر کوئی اعتراض نہیں کیا- اس لئے ہمارا فرض نہیں تھا کہ اس کا ذکر کرتے یا جواب دیتے- چونکہ پادری صاحب نے اس مضمون میں بھی غلو سے کام لیا ہے- اس لئے بغرض اصلاح چند فقرے لکھے جاتے ہیں-

اشتراکیت کا منشا ہے کہ سب انسانوں میں مساوات ہو جائے- اسی لئے وہ سرمایہ داری کا خاتمہ کر کے سرمایہ داروں کو بھی مزدوروں کی سطح پر لے آتے ہیں-

پادری صاحب اس قسم کی مساوات کو تو اچھا سمجھتے ہیں- مگر روسیوں نے جس تشدد اور جبر سے یہ نظام جاری کیا ہے اس کے آپ سخت مخالف ہیں- آپ کے نزدیک مساوات محبت پر مبنی ہو تو بہت اچھی چیز ہے- مختصر یہ ہے کہ پادری صاحب کے نزدیک

مطلوب صحیح ہے۔ مگر ذریعہ طلب میں آپ کو اختلاف ہے۔ اسی لئے آپ کہتے ہیں کہ انسانی مساوات محبت اور اخوت پر مبنی ہونی چاہئے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"خدا کی بادشاہت کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ خدا ہمارا باپ ہے جو ہر فرد بشر سے ازلی اور ابدی محبت کرتا ہے اور کل بنی نوع انسان بلالحاظ ذات' مذہب' نسل' رنگ قوم اور ملک وغیرہ ایک دوسرے کے بھائی اور خدا کی بادشاہت کے شریک ہیں۔ اس بادشاہت کے بانی کا ارشاد ہے کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان پر ہے اور تم سب بھائی ہو۔" ---- (متی ۸-۲۳)

"اس مواخات کی وجہ سے ہر شخص پر یہ فرض عائد کر دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں سے اس طرح محبت کرے۔ جس طرح اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔ ہر ایک شخص کو جو خدا کی بادشاہت کا ممبر ہے مساوی حقوق حاصل ہیں۔ پس خدا کی بادشاہت کا اصل الاصول محبت ہے اور اخوت و مساوات کے اصول کا یہ تقاضا ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے جو ہر انسان اپنے لئے چاہتا ہے۔" ---- (صفحہ ۲۲۸)

مجیب: بس یہ ہے پادری صاحب کی ساری تحریر کا لب لباب۔ ہمارے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ سرمایہ داروں کو فنا کر کے دنیا کا انتظام کیسے چل سکتا ہے کیا مسیحیت کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا آیا ہے کہ اس نے تمدن کے اعلیٰ معراج پر پہنچ کر یہ نمونہ دکھایا ہو۔ مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں ملتا ہے اور عیسائیوں میں بہترین زمانہ جو قابل نمونہ ہے وہ قسطنطنیہ کے مسیحی بادشاہ قسطنطین اعظم کا زمانہ ہے۔ کیا پادری برکت اللہ صاحب یا کوئی اور پادری صاحب ہمیں بتا سکتے ہیں۔ کہ اس زمانہ میں مبنی بر مساوات کا ثبوت ملتا ہے۔ جس سے سرمایہ دار اور مزدور سب برابر ہو گئے ہوں۔ اس کی تھوڑی سی تشریح ہم گزشتہ صفحات پر کر آئے ہیں۔

واقعہ صحیح: روس نے اشتراکیت کو اپنا دستور العمل بنایا۔ مگر جونہی اس نے طرز معاشرت میں مساوات کو اپنا اصول قرار دیا۔ مسیحیت وہاں سے رخصت ہو گئی۔ جس کا اعتراف خود مسیحیوں کو بھی ہے۔ یہاں پادری صاحب نے انجیل سے ایک حوالہ پیش کیا ہے اسے ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں یہاں بھی اس کو نقل کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے آپ فرماتے ہیں۔

"ایک دولت مند نے خداوند مسیح کو کہا۔" اے آقا! میں کیا کروں کہ زندگی حاصل کروں۔" آپ نے جواب دیا "میاں شریعت اور صحائف انبیاء پر عمل کرو۔" اس نے کہا کہ ان سب پر میں نے عمل کیا ہے۔" آپ نے جواب دیا کہ "جا جو کچھ تیرا ہے بیچ کر غریبوں کو دے اور آکر میرے پیچھے ہو لے۔" اس پر وہ سرمایہ دار سخت برہم ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات اس کی طبع پر ناگوار گزری۔" ---(کتاب مذکور صفحہ ۲۳۱)

قارئین کرام! یہی دولت مند شخص جو مسیحی ارشاد پر عمل پیرا ہونے سے بے بہرہ رہنے کے باعث نجات سے محروم ہو گیا۔ اگر دربار محمدی میں آکر وہی سوال کرتا جو اس نے مسیح سے کیا تھا۔ تو اسے حکم ہوتا۔

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ

ترجمہ (خدا کے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کر دیا کرو)

یا حضور اس کو فرماتے ہیں کہ اِرشاد خداوندی "اٰتُوا الزَّكٰوةَ" کے ماتحت خدا کے راستے میں ایک سال گزرنے پر مال کا چالیسواں حصہ دے دیا کرو۔ تو وہ بدنصیب اس حکم پر عمل کر کے خوش نصیب ہو جاتا اور دربار نبوی سے یہ شعر پڑھتا ہوا نکلتا۔

ے

حسن یوسفؑ دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ وارند تو تنہا داری!!

نوٹ: قرآن مجید نے بھی اشتراکیت کے محاسن کو اپنایا ہے۔ مگر اس حد تک نہیں پہنچایا کہ فطرت انسانی کے خلاف ہو۔ بلکہ انسانی فطرت کے دائرے کے اندر رہ کر۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ---- (پ۲۶:ع۱۸)

ترجمہ "مالداروں کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہے۔ جو بصورت زکوۃ اور صدقات ان کو ادا کرنا چاہئے۔"

اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ قرآن مجید میں یہ خاص خوبی ہے کہ وہ ہر بار انسانی فطرت، طاقت اور تحمل کو ملحوظ رکھتا ہے۔

اسی بنا پر ہم قرآن مجید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

قرآن!

کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پر جی
یوں اور کیا جہاں میں کوئی حسین نہیں

آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔



